

خطباتِ فقیر

جلد چوبیس

- محبتِ الٰہی کے فطری تقاضے
- حسن بے مثال
- معرفت کے موتی
- منافق کا انجام
- جنگل کی سیر
- اپنی غلطیوں کو پہچاننا

پیرِ طریقت، رہبرِ شریعت، مفکرِ اسلام

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ

مکتبۃ الفقیر

223 سنت پورہ فیصل آباد

+92-041-2618003

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خطبات فقیر (۲۴)

از افادات

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ

مرتب

حضرت مولانا محمد حنیف نقشبندی

ناشر

مکتبۃ الفقیر 223 سنت پورہ فیصل آباد

041-2618003

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رجب رجب رجب

نام کتاب ______ خطبات فقیر

از افادات ______ حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی

مرتب ______ حضرت مولانا محمد حنیف نقشبندی

ناشر ______ مکتبۃ الفقیر
223 سنت پورہ فیصل آباد

اشاعت دوم ______ جون 2010ء

تعداد ______ گیارہ سو

سرورق ______ حافظ انجم محمود

کمپوزنگ ______ دار المطالعہ حاصل پور
062-2442059

فہرست مضامین

عرض ناشر

محبوب العلماء والصلحاء حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم کے علوم ومعارف پر مبنی بیانات کو شائع کرنے کا یہ سلسلہ خطبات فقیر کے عنوان سے ۱۹۹۶ بمطابق ۱۴۱۷ھ میں شروع کیا تھا اور اب یہ چوبیسویں جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

جس طرح شاہین کی پرواز ہر آن بلند سے بلند تر اور فزوں سے فزوں تر ہوتی چلی جاتی ہے۔ کچھ یہی حال حضرت دامت برکاتہم کے بیانات حکمت ومعرفت کا ہے۔ ان کے جس بیان کو بھی سنتے ہیں ایک نئی پرواز فکر آئینہ دار ہوتا ہے۔ یہ کوئی پیشہ ورانہ خطابت یا یاد کی ہوئی تقریریں نہیں ہیں بلکہ حضرت کے دل کا سوز اور روح کا گداز ہے جو الفاظ کے سانچے میں ڈھل کر آپ تک پہنچ رہا ہوتا ہے۔ دوران بیان رخ انور پر فکر کے گہرے سائے زبان حال سے یہ کہہ رہے ہوتے ہیں:

میری نوائے پریشاں کو شاعری نہ سمجھ
کہ میں ہوں محرم راز درون خانہ

''خطبات فقیر'' کی اشاعت کا یہ کام ہم نے بھی اسی نیت سے شروع کر رکھا ہے کہ حضرت دامت برکاتہم کی اس فکر سے سب کو فکر مند کیا جائے۔ الحمدللہ کہ ادارہ مکتبۃ الفقیر کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ حضرت دامت برکاتہم کے ان بیانات کو کتابی صورت میں استفادہ عام کے لیے شائع کرتا ہے۔ ہر بیان کو احاطہء تحریر میں لانے کے بعد حضرت دامت برکاتہم سے اصلاح کروائی جاتی ہے، پھر کمپوزنگ اور پروف ریڈنگ کا کام بڑی عرق ریزی سے کیا جاتا ہے اور آخر پر پرنٹنگ اور بائنڈنگ اور تکنیکی مرحلہ آتا ہے۔ یہ تمام مراحل بڑی توجہ اور محنت طلب ہیں جو کہ مکتبۃ الفقیر کے زیر اہتمام سرانجام دیئے جاتے ہیں پھر کتاب آپ کے ہاتھوں میں پہنچتی ہے۔ قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اشاعت

کے اس کام میں کہیں کوئی کمی یا کوتاہی محسوس ہو یا اس کی بہتری کے لیے تجاویز رکھتے ہوں تو مطلع فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

بارگاہ ایزدی میں یہ دعا ہے کہ اللہ جل شانہ ہمیں حضرت دامت برکاتہم کے بیانات کی بازگشت پوری دنیا میں پہنچانے کی توفیق نصیب فرمائیں اور اسے آخرت کے لیے صدقہ جاریہ بنائیں۔ آمین بحرمت سید المرسلین ﷺ

ڈاکٹر شاہد محمود نقشبندی غفرلہ

خادم مکتبۃ الفقیر فیصل آباد

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پیش لفظ

الحمد للہ الذی نور قلوب العارفین بنور الایمان و شرح صدور الصادقین بالتوحید والایقان وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا محمد وعلی الہ واصحابہ اجمعین امابعد!

اسلام نے امت مسلمہ کو ایسے مشاہیر سے نوازا ہے جن کی مثال دیگر مذاہب میں ملنا مشکل ہے۔اس اعتبار سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صف اول کے سپاہی ہیں۔جن میں ہر سپاہی اصحابی کالنجوم کے مصداق چمکتے ہوئے ستارے کی مانند ہے،جس کی روشنی میں چلنے والے اھتدیتم کی بشارت عظمیٰ سے ہمکنار ہوتے ہیں اور رشد وہدایت ان کے قدم چومتی ہے۔ بعدازاں ایسی ایسی روحانی شخصیات صفحہ ہستی پر رونق افروز ہوئیں کہ وقت کی ریت پر اپنے قدموں کے نشانات چھوڑ گئیں۔

عہد حاضر کی ایک نابغۂ عصر شخصیت،شہسوار میدان طریقت،غواص دریائے حقیقت، منبع اسرار، مرقع انوار،زاہدزمانہ،عابد یگانہ، خاصہ خاصان نقشبند،سرمایہ خاندان نقشبند حضرت مولانا پیرذوالفقار احمد نقشبندی دامت برکاتہم العالی مادامت النہار والیالی ہیں۔ آپ منشور کی طرح ایک ایسی پہلودار شخصیت کے حامل ہیں کہ جس پہلو سے بھی دیکھا جائے اس میں قوس قزح کی مانند رنگ سمٹے ہوئے نظر آتے ہیں۔آپ کے بیانات میں ایسی تاثیر ہوتی ہے کہ حاضرین کے دل موم ہوجاتے ہیں۔عاجز کے دل میں یہ جذبہ پیدا ہوا کہ ان خطابات کو تحریری شکل میں یکجا کردیا جائے تو عوام الناس کے لیے فائدہ کا باعث ہونگے چنانچہ عاجز نے تمام خطبات شریف صفحۂ قرطاس پر رقم کر کے حضرت اقدس کی خدمت عالیہ میں تصحیح کے لیے پیش کیے۔الحمدللہ کہ حضرت اقدس دامت برکاتہم نے اپنی

گوناگوں مصروفیات کے باوجود ذرہ نوازی فرماتے ہوئے نہ صرف ان کی تصحیح فرمائی بلکہ ان کی ترتیب وتزئین کو پسند بھی فرمایا۔ یہ انہی کی دعائیں اور توجہات ہیں کہ اس عاجز کے ہاتھوں یہ کتاب مرتب ہوسکی۔

ممنون ہوں میں آپ کی نظر انتخاب کا

حضرت دامت برکاتہم کا ہر بیان بے شمار فوائد وثمرات کا حامل ہے۔ ان کو صفحات پر منتقل کرتے ہوئے عاجز کی اپنی کیفیت عجیب ہوجاتی اور بین السطور دل میں یہ شدید خواہش پیدا ہوتی کہ کاش کہ میں بھی ان میں بیان کردہ احوال کے ساتھ متصف ہوجاؤں۔ یہ خطبات یقیناً قارئین کے لیے بھی نافع ہوں گے۔ خلوص نیت اور حضور قلب سے ان کا مطالعہ حضرت کی ذات بابرکات سے فیض یاب ہونے کا باعث ہوگا۔

اللہ رب العزت کے حضور دعا ہے کہ وہ اس ادنیٰ سے کوشش کو شرف قبولیت عطا فرما کر بندہ کو بھی اپنے چاہنے والوں میں شمار فرمالیں۔ آمین ثم امین

فقیر محمد حنیف عفی عنہ
ایم اے۔ بی ایڈ
موضع باغ، جھنگ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ اللّٰهِ أَندَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ
وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ○

محبت الٰہی کے فطری تقاضے

از افادات

حضرت مولانا پیر حافظ ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہم

مقام: سالانہ اجتماع جھنگ، جامع مسجد زینب معہد الفقیر الاسلامی جھنگ

مورخہ ۲۶ ستمبر ۲۰۰۵ء

اقتباس

جس طرح انسان کے جسم کی ضروریات ہیں اسی طرح انسان کی روح کی بھی ضروریات ہیں۔ چنانچہ ہمارے مشائخ نے فرمایا:

"تَحْتَاجُ الْقُلُوْبُ اِلٰی اَقْوَالِهَا مِنَ الْحِكْمَةِ كَمَا يَحْتَاجُ الْاَجْسَامُ اِلٰی اَقْوَاتِهَا مِنَ الطَّعَامِ"

"جس طرح انسان کے جسم کو کھانے کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح انسان کے دل کو اللہ کی محبت بھری باتوں کی ضرورت ہوتی ہے"

(حضرت مولانا پیر حافظ ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہم)

محبت الٰہی کے فطری تقاضے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ: فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ○ (البقرہ:۱۶۵)

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

جسم کا فطری تقاضا:

انسان اللہ رب العزت کی تخلیق کا شاہکار ہے۔ اس کے اندر اللہ رب العزت نے دل بنایا' جو احساس اور جذبات رکھنے والا عضو ہے۔ انسان جب اس دنیا میں آتا ہے تو اس کے اندر کچھ چیزیں فطری ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر: جسمانی اعتبار سے بھوک پیاس کا

لگنا ایک فطری چیز ہے۔ ہر انسان کو بھوک لگے گی اور ہر انسان کو پیاس لگے گی۔ اس لیے جب بچے کو بھوک لگتی ہے تو وہ رو پڑتا ہے۔ انسان اگر کچھ دیر کھانا نہ کھائے تو بھوک کی وجہ سے اس کا برا حال ہوتا ہے۔ پانی نہ پیے تو پیاس کی شدت اتنی ہوتی ہے کہ اس سے برداشت ہی نہیں ہوتی، یہ جسم کی ضرورت ہے اور اس کا فطری تقاضا ہے۔

روح کا فطری تقاضا:

اسی طرح انسان کی روح کے اندر بھی فطری تقاضے ہیں۔ مثال کے طور: پر علم کا حاصل کرنا' انسان کا ایک فطری تقاضا ہے۔ اگر آپ کہیں سفر کر رہے ہیں اور چند لوگوں کو ایک جگہ پر کھڑا دیکھیں تو گاڑی روک کر پوچھتے ہیں کہ یہاں کیا ہوا؟ یہ جو آپ نے سوال پوچھا کہ یہاں کیا ہوا؟ یہ علم حاصل کرنے کا فطری جذبہ ہے۔ یعنی جس چیز کا پتہ نہ ہو اس کو جاننے کا فطری جذبہ موجود ہے۔ کچھ لوگ صبح کو جب اٹھتے ہیں تو اخبار پڑھے بغیر ان کو چین نہیں آتا، ان کا دل چاہتا ہے کہ ہمیں پتہ چلے کہ حالات دنیا کیا ہیں۔

طفلِ شیر خوار اور حصول علم:

چھوٹا بچہ بھی علم حاصل کرتا ہے، اسی لیے جب وہ کسی چیز کو دیکھتا ہے تو اس کو پکڑنے کی کوشش کرتا ہے۔ پکڑنے سے اس کو پتہ چلتا ہے کہ یہ چیز نرم ہے یا سخت ہے، حتی کہ اس کے پاس آگ کا انگارہ بھی سامنے ہو تو یہ اس کو بھی پکڑنے کی کوشش کرے گا، بچھو بھی سامنے آجائے تو اس کو بھی پکڑنے کی کوشش کرے گا۔ وہ نادان ہے۔ اس کو نہ انگارے کی اصلیت کا پتہ ہوتا ہے اور نہ ہی بچھو کے خطرناک ہونے کا پتہ ہوتا ہے۔ وہ تو ایک نئی چیز دیکھ کر اس کو پکڑنا چاہتا ہے۔ اگر ماں اس کو انگارہ پکڑنے نہیں دیتی تو وہ روتا ہے۔

اسی طرح آپ اس کے سامنے بلب رکھیں یا کوئی بھی چیز رکھیں تو وہ اس کو پکڑنے کی کوشش کرے گا۔ پکڑنے سے، قوت لامسہ کی وجہ سے اس کو پتہ چلتا ہے کہ یہ چیز سخت ہے

یا نرم ہے۔اس کو اس طرح یہ علم ملتا ہے۔

پھر بچہ اس کو غور سے دیکھتا ہے۔وہ اپنی آنکھوں سے اس کا رنگ دیکھتا ہے، اس کی بناوٹ دیکھتا ہے۔یوں بھی وہ علم حاصل کرتا ہے۔

اس کے بعد وہ اس کو منہ میں لے جانے کی کوشش کرتا ہے۔اس کو منہ میں ڈال کر اس کا ذائقہ چکھنے کی کوشش کرتا ہے۔لکڑی ہو تو منہ میں ڈالے گا، پلاسٹک کی کوئی چیز ہو تو منہ میں ڈالے گا۔اس کو تو نہیں پتہ کہ یہ کیا چیز ہے، مگر فطری طور پر اس کو پتہ ہے کہ جب کسی چیز کو چکھا جائے تو یا تو وہ میٹھی ہوتی ہے یا پھیکی ہوتی ہے یا نمکین ہوتی ہے یا کڑوی ہوتی ہے۔وہ ہر چیز منہ میں ڈالنے کی کوشش کرتا ہے۔آگ کا انگارہ ہی کیوں نہ ہو' اس کو بھی منہ میں ڈالنے کی کوشش کرے گا۔

جب منہ میں ڈالنے کے بعد چبا کر اس کو پتہ چل جاتا ہے کہ یہ چیز کیا ہے تو اب اس چیز کو وہ نیچے پھینک کر اس کی آواز سن کر جاننے کی کوشش کرتا ہے۔اس لیے جب بچے کے ہاتھ میں کوئی بھی چیز آئے تو پہلے وہ اسے دیکھے گا' ہاتھ میں پکڑے گا' منہ میں ڈالے گا' پھر اس کو نیچے پھینک مارے گا۔جب بچہ اسے نیچے پھینک رہا ہوتا ہے تو اس کو نہیں پتہ ہوتا ہے کہ یہ ٹوٹ جائے گی، بلکہ وہ اس کی آواز سننا چاہتا ہے کہ جب فرش پر گراؤں گا تو اس کی آواز کیسی آئے گی۔ہر بچہ یہ سب کام فطرتاً کرتا ہے۔وہ مختلف انداز سے ایک ایسی چیز جس کا اس کو نہیں پتہ' اس کو جاننے کی کوشش کرتا ہے۔یہ جذبہ علم ہے جو اللہ تعالیٰ نے فطری طور پر ہر بندے کے اندر رکھ دیا ہے۔

آئیڈیل کی تلاش:

اسی طرح ایک جذبہ ہے ''محبت کا'' ''آئیڈیل کی تلاش'' کا۔وہ بھی ہر انسان کے اندر فطری طور پر ہے۔چنانچہ وہ خوب سے خوب تر کی تلاش کرے گا۔وہ اچھی سے اچھی

ترین چیز ڈھونڈنے میں لگا رہتا ہے۔

......مکان ہو تو سب سے اچھا

......لباس ہو تو سب سے اچھا

......شخصیت ہو تو سب سے اچھی

یہ اس کے اندر ایک فطری جذبہ ہے۔ چنانچہ جب وہ کسی چیز کو ہر اعتبار سے کامل پاتا ہے تو اس کو پسند کر لیتا ہے، یعنی اس سے محبت کرتا ہے۔ انسان کے اندر یہ جو کسی چیز کو پانے کی جستجو ہے اس کو دنیا کے فلاسفروں نے اپنے اپنے انداز میں بیان کیا ہے۔

ایڈلر کا نظریہ:

ایڈلر نے کہا کہ یہ حصول طاقت کی تمنا ہے یعنی انسان کے اندر جو اصل چیز ہے وہ یہ ہے کہ انسان یہ چاہتا ہے کہ میں علم حاصل کروں، مال حاصل کروں، لوگوں کی حمایت حاصل کروں اور بالآخر مجھے اقتدار مل جائے۔ گویا اس کے اندر اقتدار پانے کا جذبہ موجود ہے، یہ ہر چیز کا محرک ہے۔

فرائیڈ کا نظریہ:

فرائیڈ ایک فلاسفر تھا۔ اس نے اس کو ”جنسی خواہش کا جذبہ“ کہا۔ اس نے کہا کہ اقتدار کچھ نہیں۔ اصل میں تو ہر انسان کے اندر جنسی خواہش رکھی گئی ہے لہٰذا اب وہ اس جنسی خواہش کو پورا کرنے کے لیے بہتر سے بہترین چیز کی تلاش میں ہوتا ہے۔ من پسند کی بیوی ہو، بہترین گھر ہو، مال پیسہ کھلا ہو، کیوں؟ تاکہ میں انجوائے کر سکوں۔ تو یہ جنسی خواہش تمام خواہشات کا نچوڑ ہے۔ اسی لیے کہنے والوں نے کہا

وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ

یہ ساری رنگینی عورت کی وجہ سے ہے۔

میکڈونلڈ کا نظریہ:

ایک ماہر نفسیات میکڈونلڈ تھا۔اس نے کہا: انسان کے اندر حیوانی جبلت ہے اور اس کا یہ پراسرار نتیجہ ہے مثلاً اس کے اندر حسد ہے، فخر ہے، عجب ہے ان حیوانی جبلتوں کا پر اسرار نتیجہ یہ ہے کہ انسان کسی غائبانہ چیز کی تلاش میں رہتا ہے۔

مارکس کا نظریہ:

ایک فلاسفر مارکس گزرا اس نے کہا: اصل محرک انسان کی معاشی کیفیت ہے۔ روٹی ہے، ہم اپنی زبان میں کہتے ہیں:

''پیٹ نہ پیاں روٹیاں تے سبھے گلاں کھوٹیاں''

جب پیٹ میں روٹی نہ ہو تو ہر بات کھوٹی ہوتی ہے۔

اس نے یہ کہا کہ معاشی طور پر اپنی ضرورت کو پورا کرنے کا جذبہ انسان کو بے قرار رکھتا ہے۔ جیسے کسی نے بھوکے سے پوچھا تھا: بھئی! دو اور دو کتنے ہوتے ہیں؟ تو اس نے کہا کہ چار روٹیاں۔

قولِ فیصل:

ان تمام فلاسفروں کی یہ فلاسفی غلط نظر آتی ہے۔ اس لیے کہ جس بندے کو یہ تمام چیزیں مل بھی گئی، اقتدار مل گیا، خوب صورت بیوی بھی مل گئی، معاشی حالت بھی بہتر ہوگئی، تو سکون تو اس کو بھی نہ ملا اور وہ پھر بھی بے قراری محسوس کرتا رہا۔ یہ ایک واضح دلیل ہے کہ یہ چیزیں انسان کی خواہشات کی منتہی نہیں ہیں۔ کوئی اور چیز ہے جس کو حاصل کرنے کی فطری تڑپ انسان کے اندر موجود ہے۔

اسلام نے اس فطری جذبے کا نام محبت الٰہی رکھا ہے۔ اسنے کہا کہ اصل میں اپنے

خدا کو پانے کی اس کے اندر فطری تمنا موجود ہے۔ اس لیے اسے دنیا کا جو کچھ بھی آپ دے دیں اس کے دل کو سکون نہیں ملتا۔ یہ عیش کرے' آرام کرے اور اپنی پوری زندگی انجوائے کرے تو پھر بھی اس کے اندر کچھ نہ کچھ کمی ہوگی۔ اندر سے یہ اپنے آپ کو خالی محسوس کرے گا۔ چنانچہ یہ فطری جذبہ جو ہر انسان کو بے قرار رکھتا ہے یہ حقیقت میں اپنے پروردگار کو پانے کا ایک جذبہ ہے۔

ہر بندہ اللہ کو مانتا ہے:

یہ فطری جذبہ اللہ نے ہر بندے کے اندر رکھ دیا ہے۔ اس لیے ہر بندہ کسی نہ کسی طرح اللہ کو ماننا ضرور ہے۔ ہم نے اللہ کو مانا' ہندوؤں نے رام کو مانا اور دوسرے مذاہب والوں نے اپنے حساب سے مانا۔ انسان کسی نہ کسی کو ماننا ضرور ہے۔ اس لیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب ان کی کشتی طوفان میں ڈوبنے لگتی ہے تو پھر یہ مدد کے لیے کس کو پکارتے ہیں؟

﴿دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ (۲۲:یونس)

تو کوئی ذات تو ایسی ہے جس کی مدد کی ان کو ضرورت ہے۔

دل کی بھوک پیاس مٹانے کی بے قراری:

جس طرح انسان کے جسم کی ضروریات ہیں اسی طرح انسان کی روح کی بھی ضروریات ہیں۔ چنانچہ ہمارے مشائخ نے فرمایا:

"تَحْتَاجُ الْقُلُوْبُ اِلٰى اَقْوَالِهَا مِنَ الْحِكْمَةِ كَمَا يَحْتَاجُ الْاَجْسَامُ اِلٰى اَقْوَاتِهَا مِنَ الطَّعَامِ"

"جس طرح انسان کے جسم کو کھانے کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح انسان کے دل کو اللہ کی محبت بھری باتوں کی ضرورت ہوتی ہے"

جب بندہ اللہ تعالیٰ کی محبت بھری باتیں سنتا ہے تو اس کے دل کو سکون مل جاتا ہے۔

اس لیے قرآن مجید نے صاف کہا:

﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾ (الرعد:۲۸)

''جان لو! اللہ تعالیٰ کی یاد کے ساتھ دلوں کا اطمینان وابستہ ہے''

نہ دنیا سے نہ دولت سے نہ گھر آباد کرنے سے
تسلی دل کو ہوتی ہے خدا کو یاد کرنے سے

اس لیے

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے
اس کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے

سب اللہ تعالیٰ کے چاہنے والے ہیں۔ آج آپ یہاں کیوں جمع ہیں؟ اللہ تعالیٰ کی محبت آپ کو یہاں کھینچ کر لائی ہے۔ کیا مرد، کیا عورتیں، سینکڑوں بلکہ ہزاروں میلوں کا سفر کر کے یہاں آئے ہیں۔ اصل میں وہ دل کی بھوک ہے، دل کی پیاس ہے جس کو اتارنے کو دل بے قرار ہے۔

محبتِ الٰہی کے جذبے کی پہچان کیسے ہوتی ہے؟

محبتِ الٰہی کے جذبے کو مادی نظر نہیں پہچان سکتی۔ البتہ جس کو اللہ نے باطن کی بصیرت دی ہو وہ اس کو پہچانتا ہے

کچھ اور ہی نظر آتا ہے کاروبارِ جہاں
نگاہِ شوق اگر ہو شریکِ بینائی
نگاہِ شوق میسر نہیں اگر تجھ کو
تیرا وجود ہے قلب و نظر کی رسوائی

یہ نگاہِ شوق، محبت کی نظر جو اللہ تعالیٰ کو ڈھونڈتی ہے وہ اس ضمن میں اللہ والوں کو تلاش کرتی ہے۔

اس سے ملنے کی ہے یہی اک راہ
ملنے والوں سے راہ پیدا کر

اس لیے انسانوں کو اللہ والوں سے محبت ہوتی ہے۔ اصل میں اللہ رب العزت کی محبت بنیاد ہے اور باقی سب اس کی شاخیں ہیں۔

اپنے اندر سفر کرو:

شیخ حضرت واعظ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے یوں فرمایا:

افسانہ خویش مختصر کن
بہ نشین دردون خود سفر کن

اپنی کہانی مختصر کرو اور بھاگنے دوڑنے کی بجائے تم بیٹھو اور اپنے اندر سفر کرو اس لیے کہ وہ محبوب اندر سفر کرنے سے ملتا ہے۔ جیسے پنجابی میں کسی نے کہا:

کاہنوں پھرنی ایں ڈانواں ڈول کُڑے
جینوں لبھنی ایں تیرے کول کُڑے

جس کو تلاش کرتے پھر رہے ہو وہ تمہارے من میں ہے۔

شیخ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ آگے فرماتے ہیں:

ہر علم و خیال و فہم وادراک
در دل کہ جزاوست آن بدرکن

اللہ کے سوا تمہارے دل میں جو وہم، خیال، فہم ادراک ہے، ہر چیز کو نکال پھینکو

مطلوب بس ایست دردو عالم
از دل تو گزر ازاں حضر کن

مطلوب دو عالم میں ایک ہی ہے ۔

ایں است وصال جاں جاناں
ذی راح بہر کسے خبر کن

یہ اللہ تعالیٰ کا وصل حاصل کرنا ہے اور تو اس حقیقت سے ہر ایک کو خبر دار کر دے، یعنی سب کو بتا دے۔

دنیا و آخرت کی سب سے بڑی نعمتیں:

دو نعمتیں بہت بڑی ہیں:۔

از نعمتِ ایں جہاں ثنائے تو بس است
از نعمتِ ایں جہاں لقائے تو بس است

''اے اللہ اس دنیا کی سب سے بڑی نعمت آپ کی تعریفیں بیان کرنا ہے (یعنی تیری ثنا) اور اس جہاں کی سب سے بڑی نعمت تیری لقا ہے''

اس دنیا میں اللہ یہ نعمت دے دے کہ اللہ کی ثنا کی نعمت نصیب ہو جائے اور ہم جی بھر کے اللہ کی حمد بیان کریں، اللہ تعالیٰ کی تعریف کریں، اللہ تعالیٰ کی عظمت بیان کریں، جہاں بیٹھیں وہاں اللہ تعالیٰ کی محبت کی ایسی بات کریں کہ منہ میں مٹھاس آ جائے، دل کو لطف اور مزہ آ جائے۔ اور سننے والے کے دل میں بھی اللہ تعالیٰ کی محبت کا بیج بیدار ہو جائے۔

نورِ ایمان کی افادیت:

جب انسان کے پاس ایمان کا نور نہیں ہوتا تو وہ راستے سے بھٹک جاتا ہے۔ اندھیرے میں چلنے والے کے پاس اگر ٹارچ نہ ہو تو وہ اپنے راستے اور پٹڑی سے اتر جاتا ہے۔ اسی لیے جن لوگوں نے ایمان کے بغیر حقیقت کو پانے کی کوشش کی انہوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ مخلوق کی محبت ہی سب کچھ ہے۔

تین عجیب باتیں:-

یادرکھیں! مخلوق کی محبت میں اور اللہ تعالیٰ کی محبت میں تین باتیں بڑی عجیب ہیں:-

پہلی بات:

جو انسان مخلوق سے ڈرے وہ اس سے دور بھاگنے کی کوشش کرتا ہے اور جو پروردگار سے ڈرے وہ پروردگار کے قریب ہونے کی کوشش کرتا ہے۔

دوسری بات:

مخلوق کی محبت کی انتہا یہ ہوتی ہے کہ جسم ہمارے ساتھ رہے اور دل جہاں چاہے ہو۔ دنیا کی نفسانی، حیوانی اور شہوانی محبتوں کا یہی نچوڑ ہے کہ جسم میرے پاس ہو اور اس کے دل میں کیا؟ جو مرضی۔ مگر اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ اے بندے! تیرا دل میرے پاس ہو، تیرا جسم جہاں چاہے جائے۔

تیسری بات:

مخلوق کی محبت کی انتہا یہ ہے کہ جس نے مخلوق سے دل لگایا، ایک نہ ایک دن وہ مخلوق سے جدا کر دیا جائے گا اور جس نے اللہ سے دل لگایا، وہ ایک نہ ایک دن اللہ سے ملا دیا جائے گا۔

پتھر جیسے دل کو موم کرنے کا نسخہ:

اللہ رب العزت کا نام اتنا پیارا ہے، اتنی برکتوں والا ہے کہ قرآن مجید نے بھی گواہی دی:

﴿تَبَارَكَ اسْمُ رَبِّكَ﴾ (الرحمٰن:۷۸)

''برکت والا نام ہے تیرے رب کا''

کاش! ہم اللہ رب العزت کے نام کی برکتوں سے واقف ہو جائیں۔ اگر یہ نام ہم بار بار اپنے دل سے گزاریں تو یہ ہمارے دل میں اپنا راستہ بنا لے گا۔ ہم نے دیکھا کہ اگر کہیں پانی کا پائپ لیک ہے، ایک ایک قطرہ نیچے گر رہا ہے اور نیچے پتھر کی طرح سخت چپس کا فرش ہے، تو گرنے والا ایک ایک قطرہ بالآخر چپس کے سخت فرش میں بھی سوراخ بنا دیا کرتا ہے۔ اگر پانی کا نرم قطرہ پتھر پر گرتا رہے تو وقت کے ساتھ ساتھ وہ بھی راستہ بنا لیتا ہے' پھر کیا خیال ہے کہ اگر اللہ کا نام کوئی بندہ اپنے پتھر جیسے دل میں سے بار بار گزارتا رہے تو یہ نام اپنا راستہ پھر کیسے نہیں بنائے گا؟؟

انقلاب آفریں نام:

اللہ تعالیٰ کا نام انقلاب پیدا کرتا ہے۔ اس نام کی یہ صفت ہے' اس نام کی یہ خوبی ہے کہ یہ نام انقلاب پیدا کر دیتا ہے۔ مثال کے طور پر آپ غور کریں کہ:

☆...... ایک نوجوان لڑکا ہے اور ایک نوجوان لڑکی ہے دونوں آپس میں غیر محرم ہیں۔ ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہیں، ان کے لیے ایک دوسرے سے ہم کلام ہونا' سلام' پیام سب حرام قرار دے دیا گیا۔ لیکن اگر ان دونوں کے درمیان اللہ کے نام سے نکاح ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے نام کی برکت دیکھیے کہ اب وہ ایک دوسرے کے اجنبی نہیں' بلکہ ایک دوسرے کے شریک حیات بن جاتے ہیں۔ جو بالکل بیگانہ تھے' اب وہ سب اپنوں سے بھی بڑے اپنے بن جایا کرتے ہیں۔ جس خاتون پر ایک نظر بھی ڈالنا حرام تھا' اللہ تعالیٰ کے نام نے اس خاتون کو نکاح کے ذریعے سے اس بندے کے لیے حلال بنا دیا۔

☆......ایک بکری مر جاتی ہے، اس کا گوشت کھانا حرام ہوتا ہے، لیکن اگر اس بکری کے گلے پر چھری پھیرتے ہوئے آپ اللہ کا نام پڑھ دیں تو اسی بکری کا گوشت کھانا آپ کے لیے حلال بن جائے گا۔

دنیا کی محبت کو ختم کرنے کا نسخہ:

ملکہ بلقیس نے جب اپنے امراسے مشورہ کیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط آیا ہے، ہمیں کیا جواب دینا چاہیے؟

تو انہوں نے آگے سے جواب دیا:

''قدم بڑھاؤ، ہم تمہارے ساتھ ہیں''

یہ شروع سے ہی تربیت چلی آ رہی ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿فَانْظُرِیْ مَاذَا تَامُرِیْنَ﴾ (۳۳: النمل)

''فیصلہ آپ کریں، ہم آپ کے ساتھ ہیں''

مگر وہ سمجھدار تھی۔ اس نے کہا:

﴿اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْیَةً اَفْسَدُوْهَا﴾ (۳۴: النمل)

''بے شک بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو وہ فساد برپا کر دیتے ہیں''

﴿وَجَعَلُوْا اَعِزَّةَ اَهْلِهَا اَذِلَّةً﴾ (۳۴: النمل)

''اور جو وہاں کے معزز ہوتے ہیں ان کو ذلیل کر دیا کرتے ہیں''

یہ تو اس آیت کا ظاہری مفہوم ہے۔

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں ایک بہترین استعارہ موجود ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر بستی سے مراد ''دل کی بستی'' لے لی جائے اور ملوک سے مراد ''مالک الملک کا نام'' لے لیا جائے تو پھر اس کا مفہوم یوں بنے گا:

﴿اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْیَةً اَفْسَدُوْهَا﴾ (۳۴: النمل)

''بے شک جب اللہ رب العزت کا نام دل کی بستی میں داخل ہوتا ہے تو

انقلاب برپا کردیتا ہے''

﴿وَجَعَلُوْا اَعِزَّةَ اَهْلِهَا اَذِلَّةً﴾ (۳۴:النمل)

''اور دنیا جو انسان کے دل میں معزز بنی ہوئی ہوتی ہے اس دنیا کی محبت کو ذلیل کرکے دل سے باہر نکال دیا کرتا ہے''

غفلت سے بچنے کا حکم:

اسی لیے اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

﴿وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغَافِلِيْنَ﴾ (۲۰۵:النمل)

''اور تم غافلوں میں سے مت ہو جانا''

کیا مطلب؟ کہ اللہ رب العزت کو یاد رکھنا، تمہارے اوپر لازم ہے، حکم ہے' نص قطعی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ معنی بنے گا: تم ہمیں مت بھولنا، یعنی ہمیں ہمیشہ یاد رکھنا۔

عقل و دل و نگاہ کا مرشد اولین:

نبی علیہ السلام نے ایک حدیث پاک میں ارشاد فرمایا:

''اَلْحُبُّ اَسَاسِیْ''

''محبت میری بنیاد ہے''

اگر آپ غور کریں تو پورے دین اسلام کی بنیاد ''اللہ تعالیٰ کی محبت'' ہے علامہ اقبال نے اس کو یوں کہا۔

عقل و دل و نگاہ کا مرشد اولیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بت کدہ تصورات

اگر اللہ تعالیٰ کی محبت نہیں تو یہ دین چند تصورات کا مجموعہ رہ جاتا ہے، اس کے سوا اس

کی کوئی حقیقت نہیں رہتی۔

مخلوق کی محبت کا دائرہ کار:

انسان کو اس دنیا میں زندگی گزارنی ہے۔ ایک دوسرے کے ساتھ لین دین کرنا ہے' بیٹھنا اٹھنا ہے۔ محبت کے بغیر تو انسان کسی کا خیال نہیں رکھ سکتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے چند محبتوں کو جائز فرما دیا ہے، چنانچہ جو محرم رشتوں کی محبتیں ہیں وہ جائز ہیں اور جو ان حدود کے علاوہ ہیں ان کو ناجائز کہہ دیا ہے۔ ماں باپ کی محبت' بہن بھائی کی محبت' پیر استاد کی محبت' دین کی بنا پر ایک دوسرے سے محبت' یہ سب محبتیں شاخیں ہیں اور ان کی بنیاد اللہ رب العزت کی محبت ہے۔ چنانچہ اللہ رب العزت نے مخلوق کی محبت کو حرام نہیں فرمایا' بلکہ اس کا دائرہ کار متعین کر دیا کہ یہ یہ محبتیں تمہارے لیے اس حد تک جائز ہیں اور اگر ان حدود سے باہر قدم رکھو گے تو حرام کے مرتکب ہو جاؤ گے۔ البتہ یہ بھی یاد رکھنا کہ وہ محبتیں جو جائز ہیں، وہ اس وقت تک جائز ہیں جب تک کہ وہ اللہ رب العزت کے راستے میں رکاوٹ نہ بنیں۔ اگر بیوی کی محبت ایسی ہے کہ وہ اللہ کے راستے میں رکاوٹ بن جاتی ہے یا بچوں کو محبت ایسی ہے کہ وہ دین پر چلنے میں رکاوٹ بن جاتی ہے تو فرمایا کہ تم ان محبتوں کے اوپر پاؤں رکھ کر آگے گزر جانا' تمہاری منزل مقصود کچھ اور ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ِۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ﴾ (۲۴: التوبۃ)

تو معلوم ہوا کہ یہ تمام محبتیں اچھی ہیں' اگر اللہ رب العزت کے راستے میں رکاوٹ نہ بنیں۔ اگر رکاوٹ بنیں گی تو پھر ان کو توڑا جائے گا اور اللہ تعالیٰ کی محبت والی منزل کی طرف

قدم بڑھایا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کی محبت اَحَبِّیَّتِ کے درجے میں ہونی چاہیے کیونکہ فرمایا:

﴿اَحَبَّ اِلَيْكُمْ﴾ (۲۴:التوبہ)

یعنی اللہ رب العزت کی محبت بندے کے اوپر غالب ہونی چاہیے۔تو اصل میں ہمیں اللہ رب العزت سے محبت ہے اور پھر اللہ کی نسبت سے ہمیں مخلوق سے محبت ہے۔

جو دلوں کو فتح کر لے:

محبت کا یہ جذبہ جس انسان کے اندر جتنا کامل ہوگا وہ اتنا ہی کامل انسان ہوگا۔اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو یہ نعمت دے دیتے ہیں۔اسی لیے اگر کہیں ایسے کامل انسان ہوں تو طبیعت ان کی طرف کھنچتی ہے،ان کے ساتھ رہنے کو دل چاہتا ہے۔

وہ ادائے دلبری ہو کر نوائے عاشقانہ
جو دلوں کو فتح کر لے وہی فاتحِ زمانہ

محبت الٰہی ان کے دلوں میں ایسی ہوتی ہے کہ یہ دلوں کو فتح کرتے جاتے ہیں۔اسی لیے حکمرانوں کی حکومت لوگوں کے جسموں پر ہوتی ہے اور اللہ والوں کی حکومت لوگوں کے دلوں کو اوپر ہوتی ہے۔لوگ ایک مرتبہ آ کر ملتے ہیں اور زندگیوں کے سودے کر لیتے ہیں۔

چلیں کہ ایک نظر تیری بزم دیکھ آئیں
یہاں جو آئے تو بے اختیار بیٹھ گئے

جذبۂ محبتِ الٰہی کی تسکین:

اب دل تو چاہتا ہے کہ محبتِ الٰہی کے اس جذبے کو کسی طرح پورا کیا جائے،مگر اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جو ہماری فہم، ادراک، گمان اور سوچ ہر چیز سے بلند و بالا ہے۔تو ایسے محبوب کی محبت کو ہم کیسے پورا کر سکیں گے ہم اس کا رخ متعین نہیں کر سکتے،سمت متعین

نہیں کر سکتے، اس کا تصور اپنے دماغ میں نہیں لا سکتے۔ مگر انسان ہیں، طبیعت چاہتی ہے کہ محبت کے اس جذبے کو کسی طرح پورا کریں۔ جیسے مخلوق سے محبت ہو تو اس کی پاس جانے کو، اسے دیکھنے کو، اس کے پاس بیٹھنے کو اور بالآخر اس کو پانے کو جی چاہتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے ساتھ تو یہ معاملہ ہو نہیں سکتا۔

عام طور پر دیکھا یہ گیا ہے کہ جو شخص اپنے محبوب کو پا نہیں سکتا، دیکھ نہیں سکتا، وہ محبوب کے شعائر سے محبت کے اس جذبے کو پورا کرتا ہے۔ مثال کے طور پر:

...... بیٹا پردیس میں گیا ہوا ہو تو ماں اس کے کپڑوں کو دیکھ کر بیٹے کو یاد کرتی ہے۔

...... جو بیٹا فوت ہو جائے اس کے کمرے میں آ کر اسے یاد کرتی ہے۔

تو لوگ نشانیوں سے اپنے محبوب کو یاد کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے بھی یہی معاملہ فرمایا کہ بندو! تمہارے دماغ محدود ہیں اور میری ذات کے بارے میں تم اپنے دماغ میں کوئی تصور بھی نہیں لا سکتے، میں دنیا میں ایک نشانی بنا دیتا ہوں، تم اس کے ذریعے سے اپنی محبت کے جذبے کو پورا کر لینا، اس نشانی کا نام "بیت اللہ" (اللہ کا گھر) ہے۔

☆...... چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایک جگہ پر اپنی تجلیات ذاتیہ کو وارد فرمایا اور فرمایا کہ اب تم اس گھر کی طرف رخ کر کے نمازیں پڑھو۔ سبحان اللہ! ہمیں سمت مل گئی، اگر اس کے سوا نمازوں کا حکم ہوتا تو دل میں خلجان ہی رہتا کہ مشرق کی طرف رخ کر کے پڑھیں یا مغرب کی طرف، شمال کی طرف رخ کر کے پڑھیں یا جنوب کی طرف۔ لیکن بیت اللہ کی وجہ سے اب ہمیں سمت مل گئی۔ دنیا میں بندہ جہاں بھی ہو، بیت اللہ کی طرف رخ کرتا ہے۔

"مُتَوَجِّهًا اِلٰی جِهَةِ الْكَعْبَةِ الشَّرِيْفَةِ"

تو سمت مل جانے کی وجہ سے اس جذبہ محبت الٰہی کو اور تسکین مل گئی۔

☆...... اگر کسی میں اس سے بھی زیادہ جذبہ ہو تو حج اور عمرے کا احرام باندھے اور اللہ تعالیٰ کے گھر کا دیدار کرنے کے لیے عاشقانہ سفر پہ نکلے۔

☆...... ہم نے دیکھا کہ محبّ کا جی چاہتا ہے کہ وہ اپنے محبوب سے مصافحہ کرے۔ چنانچہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ جو شخص حجر اسود کا استلام کرتا ہے' وہ یونہی گمان کرے کہ میں نے اپنے محبوب حقیقی کے ساتھ مصافحہ کی سعادت پالی۔

☆...... اللہ تعالیٰ نے ایک جگہ کو ملتزم بنا دیا (حجرِ اسود اور بیت اللہ کے دروازے کے درمیان کی تھوڑی سی جگہ) حدیث پاک میں آیا ہے کہ جو بندہ وہاں جا کر لپٹ جائے وہ یوں محسوس کرے کہ مجھے محبوب حقیقی کے ساتھ بغل گیر ہونے کی سعادت نصیب ہوگئی۔ حدیث پاک میں یہ بھی آیا ہے کہ نبی علیہ السلام اس جگہ کے ساتھ جا کر اس طرح لپٹ جاتے تھے کہ سینہ اطہر بالکل دیوار کے ساتھ ہوتا تھا، رخسار بھی دیوار کے ساتھ ہوتے تھے اور دونوں ہاتھ اوپر ہوتے تھے، گویا جس طرح بچہ ماں کے سینے کے ساتھ لپٹ جاتا ہے' اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ بھی اسی طرح اس جگہ کے ساتھ لپٹ جاتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ ملتزم سے لپٹ کر پیچھے ہٹے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے تھے' انہوں نے دیکھا کہ نبی علیہ السلام کی مبارک آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے ہیں۔ مدتوں کے بعد محبوب سے بغل گیر ہو کر ملیں تو خوشی کے آنسو نکل آتے ہیں۔ جب انہوں نے نبی علیہ السلام کے مبارک آنسو دیکھے تو حیران ہوئے، نبی علیہ السلام نے فرمایا:

''عمر! یہی وہ جگہ ہے جہاں آنسو بہائے جاتے ہیں''

☆...... بندے کا جی چاہتا ہے کہ محبوب کا دامن پکڑے، اس کے لیے بیت اللہ کا غلاف بنا دیا گیا۔ اگر تم اس معبود حقیقی کے سامنے سجدے کرنا چاہتے ہو تو آؤ۔

﴿وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى﴾ (۱۲۵:بقرۃ)

اس کے لیے مقامِ ابراہیم بنا دیا گیا۔

☆......محبوب کے ہاتھوں جام پینے کو جی چاہتا ہے، اس کے لیے زمزم بنا دیا گیا۔

فرمایا: جب تم زمزم پیو تو یونہی گمان کر لینا کہ مجھے محبوب کے ہاتھوں شربت وصل کے جام نصیب ہو گئے، اس کو کسی عارف نے یوں کہا: ؎

شکر ہے تیرا خدایا میں تو اس قابل نہ تھا
تو نے اپنے گھر بلایا میں تو اس قابل نہ تھا
مدتوں کی پیاس کو سیراب تو نے کر دیا
جام، زمزم کا پلایا میں تو اس قابل نہ تھا
ڈال دی ٹھنڈک میرے سینے میں تو نے ساقیا
ملتزم پہ ہے لگایا میں تو اس قابل نہ تھا
میں کہ تھا بے راہ تو نے دستگیری آپ کی
گرد کعبے کے پھرایا میں تو اس قابل نہ تھا

ان شعائر پر جا کر انسان کے جذبہ محبت الٰہی کو تسکین ملتی ہے۔

عشق کو حسن کے انداز سکھا لوں تو چلوں:

یہی وجہ ہے کہ جو انسان وہاں چلا جاتا ہے اس کا پھر واپس آنے کو دل نہیں چاہتا۔ لوگ کہتے ہیں چلو! وقت ہو گیا ہے، فلائیٹ قریب ہے، مگر بیت اللہ سے جدا ہونے کو دل ہی نہیں کرتا۔

عشق کو حسن کے انداز سکھا لوں تو چلوں
منظرِ کعبہ نگاہوں میں بسا لوں تو چلوں
بابِ کعبہ سے پھر اک بار لپٹ کر رو لوں
اور چند اشک ندامت کے بہا لوں تو چلوں

دل ہی نہیں کرتا وہاں سے واپس آنے کو۔اس کو کسی عارف نے یوں کہا:

دل و جاں کی وہ سب دولت جو کہ پیاری رہی اب تک
ترے کوچے میں پھر پھر کر وہیں پر اس کو وار آئے
وہ عالم کیف و مستی کا وہ طوفان اشک باراں کا
الٰہی زندگی میں پھر وہ آئے بار بار آئے
متاعِ عقل و دانش جمع کی تھی عمر بھر میں جو
وہ میقاتِ حرم پر عشق کی بازی میں ہار آئے

اللہ کی طرف بھاگنے کا مطلب:

ہمیں چاہیے کہ ہم ایسی زندگی گزاریں کہ اللہ رب العزت کے راستے میں جو رکاوٹیں ہیں ان کو ختم کر کے تیزی کے ساتھ اللہ رب العزت کی طرف بھاگیں۔قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿فَفِرُّوا اِلَى اللّٰهِ﴾ (۵۰:الذریت)

''اللہ تعالیٰ کی طرف فرار اختیار کرو''

جیسے کوئی جانور بندھا ہوا ہوتا ہے رسی ٹوٹ جائے تو وہ بھاگ جاتا ہے اس کو فرار کہتے ہیں۔مصیبت میں پھنسا ہوا تھا، ہتھکڑی چھوٹی اور وہ بھاگ گیا اس کو فرار کہتے ہیں وہ فرار ہو گیا۔تو فرمایا:

اے انسان! تم نفسانی' شیطانی آرزوؤں کی رسیوں میں جکڑے ہوئے ہو ان آرزوؤں کو توڑو اور اپنے رب کی طرف تم تیزی سے بھاگو۔

﴿فَفِرُّوا اِلَى اللّٰهِ﴾ (۵۰:الذریت)

''اللہ تعالیٰ کی طرف تم فرار اختیار کرو''

اسی لیے مجاہد کے بارے میں حدیث پاک میں فرمایا:

"اَلْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ فِیْ طَاعَةِ اللّٰهِ"

"مجاہد وہ ہوتا ہے جو اپنے نفس کے ساتھ اللہ کی رضا کے لیے جنگ کرے"، نفس خواہشات پوری کرنا چاہتا ہے، انسان خواہشات کو توڑے اور اللہ تعالیٰ کی طرف قدم بڑھائے اور اللہ تعالیٰ کی طرف بھاگنے والا ہی حقیقت میں مہاجر ہوتا ہے۔ حدیثِ پاک میں فرمایا:

﴿اَلْمُهَاجِرُ مَنْ هَاجَرَ مِنَ الْخَطَایَا وَالذُّنُوْبِ﴾

"مہاجر وہ ہوتا ہے جو خطاؤں اور گناہوں سے ہجرت کر کے نیکی کی طرف بھاگ آئے"

ہجرت کے مختلف درجے ہیں:۔

ایک ہے جہالت سے علم کی طرف ہجرت کرنا، ایک ہے غفلت سے فکر کی طرف ہجرت کرنا، ایک ہے معصیت سے اطاعت کی طرف ہجرت کرنا اور ایک ہے مخلوق سے خالق کی طرف ہجرت کرنا۔

انسان جہاں بھی ہے وہاں سے آگے بڑھے اور اپنے پروردگار کو پانے کی کوشش کرے۔

مخلوق سے جان چھڑانے کا طریقہ:

اب مخلوق سے جان چھڑانے کا ایک آسان طریقہ ہے۔ جان چھڑانے کا کیا مطلب؟ کہ پھر ضرورت نہیں رہے گی نہیں جان چھڑانے کا مطلب ان کی وہ نفسانی بحثیں جو ہمیں خلاف شرع کام کرنے پر مجبور کرتی ہیں۔ ان سے جان چھڑانے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت کے ساتھ کریں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا﴾ (المزمل:۸)

ذکر کر اپنے رب کے نام کا اور اللہ تعالیٰ کی طرف تَبَتَّلْ تبدل اختیار کر‘‘
یعنی مخلوق سے توڑ و اور اللہ سے جوڑ و اپنے تعلق کو جوڑو۔

ملاقات کی چار قسمیں:-

دیکھیے! مخلوق میں سے بعض لوگوں کے ساتھ انسان کو ملاقات کرنی پڑتی ہے۔
مخلوق کی ملاقات چار طرح کی ہے۔

(۱)......غذا کی مانند ملاقات:

بعض ملاقاتیں بمنزلہ غذا کے ہوتی ہیں۔جیسے انسانوں کو غذا کے بغیر چارہ نہیں، ایسے ہی ان کی ملاقات کے بغیر انسان کا گزارا نہیں ہوتا۔مثال کے طور پر بیوی‘ بچے‘ خادم یہ انسان کے لیے بمنزلہ غذا کے ہیں۔ان کی ملاقات انسان کی زندگی کی ضرورت ہے۔

(۲)......دوا کی مانند ملاقات:

کچھ ملاقاتیں بمنزلہ دوا کے ہوتی ہیں کہ جیسے انسان مجبوری میں کڑوی دوا بھی پی لیتا ہے تو ایسے ہی لوگوں سے بھی ملاقات کرنی پڑتی ہے۔مثال کے طور پر: حاکم‘ افسر یا کوئی فاسق رشتے دار‘ یہ بمنزلہ دوا کے ہیں۔کڑوی دوا کے گھونٹ بھی کئی دفعہ بھرنے پڑ جاتے ہیں۔ملنے کو دل نہیں چاہتا مگر حکم خدا کو سامنے رکھ کر ملنا پڑتا ہے۔حاکم وقت ہے تو دفعِ شر کے لیے ملنا پڑتا ہے۔تو یہ ملاقات دوا کی مانند ہے۔

(۳)......زہر کی مانند ملاقات:

کچھ ملاقاتیں زہر کی مانند ہوتی ہے کہ جیسے انسان زہر کو کھالے تو جسمانی موت مر جاتا ہے اسی طرح انسان وہ ملاقات کرلے تو روحانی موت مر جاتا ہے اور وہ بدکار دوست کی ملاقات انسان کے لیے زہر کی مانند ہوتی ہے تو جیسے زہر سے بندہ بچتا ہے تو ایسے ہی

بدکار دوست سے بچنا چاہیے۔

(۴)......سانس کی مانند ملاقات:

چوتھی قسم کی ملاقات انسان کے سانس کی مانند ہوتی ہے۔ جیسے سانس سے انسان کی زندگی کا رشتہ قائم رہتا ہے اسی طرح وہ کچھ ایسی ملاقات ہوتی ہے کہ جن سے انسان کا روحانی رشتہ قائم رہتا ہے۔ مثال کے طور پر: شیخ اور مربی کی ملاقات، اس کو ہمارے مشائخ نے بمنزلہ سانس کے کہا ہے کہ جیسے سانس کے بغیر انسان کی جسمانی زندگی ممکن نہیں اسی طرح روحانی مربی کے بغیر انسان کی روحانی زندگی ممکن نہیں۔

اللہ سے ملنے کی انتظار گاہ:

ایک ہے خالقِ حقیقی اور محبوب حقیقی سے ملاقات یہ جو روزانہ مراقبہ کرتے ہیں وہ اصل میں ہم محبوب حقیقی کے ساتھ ملاقات میں بیٹھتے ہیں۔ دنیا کا دستور ہے کہ حاکم سے ملاقات کے لیے کوئی آئے تو اسے انتظار گاہ میں انتظار کرنا پڑتا ہے۔ جی ذرا وزیر صاحب مصروف ہیں' افسر صاحب مصروف ہیں آپ ذرا انتظار کریں پھر ملاقات ہوتی ہے۔ تو اگر دنیا کے وزیروں اور امیروں کے لیے گھنٹوں انتظار کرنا پڑتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے لیے کیوں نہیں انتظار کرنا پڑے گا چنانچہ جو آپ روزانہ مراقبے میں بیٹھتے ہیں تو آپ یہ سمجھیے کہ میں دنیا کی انتظار گاہ میں انتظار کا عمل پورا کر رہا ہوں۔ جیسے ہی آخرت کا دروازہ کھلے گا محبوبِ حقیقی کی ملاقات نصیب ہو جائے گی۔

اسی لیے انسان کا جی چاہتا ہے کہ وہ مراقبہ کرے اور اپنے رب سے ملے۔ مگر آنکھوں سے تو دیکھ نہیں سکتا۔ کسی شاعر نے کہا:

ساقی وہ کون سا تھا جس نے یہ مئے پلا دی
صبح ازل کو پی تھی اب تک سرور کیوں ہے؟

ازل میں پی تھی۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنا جلوہ دکھا کر پوچھا تھا:

"اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ" (۱۷۲: الاعراف)

تو اس وقت ہم نے یہ مئے الفت کا جام پیا تھا۔

ساقی وہ کون ساتھا جس نے یہ مئے پلا دی
صبحِ ازل کو پی تھی اب تک سرور کیوں ہے؟
حبل الورید سے بھی نزدیک، پھر ترسنا
اے پاس رہنے والے! آنکھوں سے دور کیوں ہے؟

تو دل چاہتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اتنا قریب ہے تو انسان اس کے جلووں کو دیکھے لیکن آنکھ پہ پٹی بندھی ہو تو وہ جلوے بھی نظر نہیں آتے۔ ہمارے دل پر گناہوں کی ظلمت کی پٹی بندھی ہے، ہمیں وہ انوار نظر ہی نہیں آتے۔

تجلیات کا مشاہدہ:

ایک آدمی سویا ہوا ہو تو اس کا محبوب اس کے پاس آ کر چلا بھی جائے تو وہ دیکھنے سے قاصر رہے گا۔ اسی طرح ہم غفلت کی نیند سوئے ہوئے ہیں، اگر اللہ تعالیٰ کی تجلی کے لمحات آ بھی جائیں تو ہم اس کے دیدار سے غافل رہیں گے۔ اللہ والے اس دنیا میں بھی اپنے قلب کی آنکھوں سے ان تجلیات کا مشاہدہ کرتے ہیں لیکن ہم جیسے جو عام مومن ہیں وہ ان شاءاللہ قیامت کے دن اللہ کا دیدار کریں گے۔

صحابہ کرامؓ نے پوچھا: اے اللہ کے نبی ﷺ! قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا دیدار کیسے ہوگا؟

فرمایا کہ جیسے آسمان پر چاند ہوتا ہے اس کو سب دیکھتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ کے جلوے کو بھی سب دیکھیں گے۔

ایک علمی نکتہ:

مگر یہاں پر طالب علم ہونے کے ناطے سے ایک علمی نکتہ ذکر کرتا چلوں کہ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ جنت میں تجلی فرمائیں گے کہ مومن دیدار کریں۔ جنت میں دیدار نہیں ہو سکے گا، پھر وہ آنکھیں دی جائیں گی جو اللہ رب العزت کی تجلی کا دیدار کر سکیں گے۔ قرآن مجید میں اسی کو فرمایا:

﴿وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ﴾ (۳۵:الذریت) "ہم مزید بھی عطا فرمائیں گے"

تو یہ تجلی جنت میں ملے گی، تو علمی نکتہ یہاں پر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار تو ہوگا۔ کرنے والے جب جمالِ خداوندی کا دیدار کریں گے تو وہ پیچھے کیسے ہٹیں گے۔ بچہ تو ماں کے سینے سے دودھ پیتا ہے تو اس لیے ہٹ جاتا ہے کہ اس کی پیاس بجھ جاتی ہے اور پیاس بھی نہ بجھے تو ماں ہٹائے تو روتا ہے۔ ایسا ہی نکتہ ہے جو یہاں پہ لکھا ہے گیا کہ اگر تو مومنوں کے سامنے جنت میں اللہ تعالیٰ کی تجلی ہوگی اور مومن خود ہی تجلی سے پیچھے ہٹ جائیں تو یہ مومن کے لیے باعثِ ملامت ہے ایسا ہو سکتا ہے کہ محبوب سامنے ہو اور محبت پیچھے ہٹ جائے! محبت اپنی نگاہیں کہیں اور پھیر لے! اور اگر اللہ تعالیٰ مومن کو پیچھے ہٹائیں تو شبہ بخالت ہے یہ تو بخیل ہے نہ کوئی دیدار کرنے والا کہ ابھی اس کا دل نہیں بھرا تھا کہ اس نے کہہ دیا کہ پیچھے ہٹ جاؤ۔

علما نے اس کا جواب لکھا ہے کہ اصل معاملہ یہ ہے کہ اللہ رب العزت کی تجلیات دو طرح کی ہیں، ایک جمال والی اور ایک جلال والی۔ جمال کی تجلی ہوگی اور مومن اللہ کے دیدار میں لگ جائیں گے ذرا جلال کی تجلی ہوگی تو مومن پیچھے ہٹ جائیں گے۔

تو خواہی آستیں افشاں وخواہی دامن اندر کش
مگس ہرگز نہ خواہد رفت از دکانِ حلوائی

حلوائی کی دکان پہ مٹھائی ہوتی ہے وہ ہٹاتا بھی رہے مکھی نہیں ہٹتی۔تو مومن کا بھی یہی حال ہوگا کہ ہٹانے سے جلدی نہیں ہٹے گا ہاں البتہ جب جلال کی تجلی ہوگی تب مومن پیچھے ہٹ جائے گا اور پھر جنت کی نعمتوں میں مشغول ہو جائے گا پھر جمال کی تجلی ہوگی پھر جنت سے ہٹ کر اللہ کی طرف متوجہ ہو جائے گا۔

محبتِ الٰہی کی بنیاد:

تین چیزیں ایسی ہیں جو اللہ رب العزت کی محبت حاصل کرنے کے لیے بنیاد ہے:۔

ایک ہے اتباع سنت اور اجتنابِ بدعت۔ اس لیے کہ جو انسان سنت پر عمل کر لیتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے۔ارشاد خداوندی ہے:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ (۳۱:ال عمران)

''اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت فرمائے گا''

تو اتباع سنت وہ نعمت ہے جو بندے کو اللہ تعالیٰ کا محبوب بنا دیتی ہے۔ اس لیے سالک کو چاہیے کہ سر کے بالوں سے لے کر پاؤں کے ناخنوں تک اپنے آپ کو سنت سے مزین کرلے اور اللہ تعالیٰ کی محبت کا مزہ پالے۔

دوسری چیز ہے کثرت ذکر' کیونکہ کثرت ذکر سے انسان کو کثرتِ عبادت ملتی ہے اور کثرتِ عبادت سے انسان کو اللہ تعالیٰ کی محبت ملتی ہے۔حدیثِ قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ بندہ میری اتنی عبادت کرتا ہے کہ ''حَتّٰى اُحِبَّهٗ ''حتی کہ میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہے۔

تیسری چیز ہے'انقطاع عن المخلوق''یعنی مخلوق کے ساتھ جو نفسانی' شیطانی اور شہوانی محبتیں ہیں ان سے چھٹکارا پالینا اور ایک اللہ کی محبت کو اپنے دل میں بسا لینا۔

جس بندے نے یہ تین کام کر لیے' سمجھیں کہ اس بندے کو اللہ کی سچی محبت نصیب ہو گئی۔

وہی تیرا معبود ہے:

کوئی بھی ایسی چیز جو انسان کو اللہ تعالیٰ سے غافل کرے وہ اس کا صنم (معبود) ہوتا ہے۔ حدیث پاک میں فرمایا:

﴿كُلُّ مَاشَغَلَكَ عَنِ اللّٰهِ فَهُوَمَعْبُودُكَ﴾

''جو چیز تجھے اللہ سے غافل کر دے وہی تیرا معبود ہے''

چنانچہ اگر ہم کسی کی وجہ سے اللہ سے غافل ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نفس پرست ہیں' خواہش پرست ہیں اور بت پرست ہیں' خدا پرستی کوئی اور چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی ایسی محبت عطا فرما دے کہ باقی تمام غلط قسم کے تعلقات سے ہمارا چھٹکارا ہو جائے۔

مُـــرَادِیْ مِـــنْكَ نِسْیَـانُ الْـمُــرَادِ
اِذَا رَمْــتِ السَّبِیْـلُ اِلَـی الـرَّشَادِ

تین سنہری اقوال:

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہمارے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے سر خیل امام ہیں۔ ان کے تین اقوال ایسے ہیں جو سونے کی روشنائی سے لکھنے کے قابل ہیں۔

(۱)......انہوں نے سب سے پہلی بات اللہ رب العزت کی عظمت کے بارے میں کہی' جس پر سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''امت محمدیہ میں عظمت باری تعالیٰ کے بارے میں اس سے بلند بات کسی نے نہیں کی''

کیا عجیب بات کہی! انہوں نے فرمایا:

''سُبْحَانَ مَنْ لَّمْ يَجْعَلْ لِخَلْقِهٖ سَبِيْلًا اِلَّا بِالْعِجْزِعَنْ مَّعْرِفَتِهٖ''

''پاک ہے وہ ذات جس نے اپنی معرفت پانے کے لیے عجز کے سوا کوئی دوسرا راستہ ہی نہیں بنایا''

دیکھیں! اس بات سے کتنی اللہ کی معرفت ظاہر ہوتی ہے۔ یعنی جو بندہ اللہ کے سامنے عاجز بنے گا وہی اس کی معرفت کو پا سکے گا۔

(۲)......دوسری بات یہ فرمائی:

''لَاخَیْرَ فِیْ قَوْلٍ لَّایُرَادُبِہٖ وَجْھُہٗ وَلَاخَیْرَ فِیْ مَالٍ لَایُنْفَقُ فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ''

''اس بات میں کوئی خیر نہیں جس بات کا مقصد اللہ کی رضا نہ ہو اور اس مال میں کوئی خیر نہیں جو اللہ کے راستے میں خرچ نہ کیا جائے''

(۳)......اور تیسری بات یہ فرمائی:

''مَنْ ذَاقَ خَالِصَ مَحَبَّۃِ اللّٰہِ شَغَلَہٗ ذٰلِکَ مِنْ طَلَبِ الدُّنْیَاوَاَوْحَشَہٗ مِنْ جَمِیْعِ الْبَشَرِ''

''جو بندہ اللہ تعالیٰ کی خالص محبت کا ذائقہ چکھ لیتا ہے' یہ چیز اسے دنیا کی طلب سے ہٹا دیتی ہے اور مخلوق سے اسے متوحش کر دیا کرتی ہے''

معلوم ہوا کہ جو بندہ اس محبت کا ایک مرتبہ ذائقہ چکھ لیتا ہے تو پھر دنیا کی شہوانی اور شیطانی محبتیں اس کا راستہ نہیں روک سکتیں۔

معیت گر نہ ہو تیری تو گھبراؤں گلستاں میں
رہے وہ ساتھ تو صحرا میں گلشن کا مزہ پاؤں

یہ محبت ایک عجیب نعمت ہے۔ اس راستے سے اللہ تعالیٰ تک پہنچنا بہت آسان ہے

راہ برسوں کی طے ہوئی پل میں
عشق کا ہے بہت بڑا احسان

محبت ہو تو یہ بندے کو نیند میں بھی مل جاتی ہے

وہ سجدہ گاہ:

ابو خزیمہ رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں، ان کو نبی علیہ السلام سے بڑا پیار تھا، عاشق صادق تھے۔ جب محبت ہو تو پھر بندہ خواب میں بھی وہی کچھ دیکھتا ہے۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے خواب دیکھا اور صبح اٹھ کر نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا خواب بیان کیا۔ خواب کیا دیکھا؟

"اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ لیٹے ہوتے ہیں اور میں اس طرح نماز پڑھ رہا ہوں کہ گویا آپ کی پیشانی پر سجدہ کر رہا ہوں"

جیسے ہی انہوں نے اپنا خواب بیان کیا تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"تو نے سچا خواب دیکھا ہے اب تو اپنے خواب کو پورا کر لے"

چنانچہ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم لیٹ گئے اور ابو خزیمہ رضی اللہ عنہ نے نبی علیہ السلام کی پیشانی پر سجدہ شکر ادا کیا۔ سبحان اللہ

محبت ایسی چیز ہے ایسی سجدہ گاہ کسی کو نصیب ہوئی ہوگی؟ اصل چیز محبت ہے جو بندے کو ایسی نعمتیں بھی دلا دیتی ہے۔ کاش! ہمیں بھی اللہ کی ایسی محبت نصیب ہو جائے اور ہماری زندگی کا مقصد بھی حاصل ہو جائے۔

محبت کے دعویداروں سے خوف:

یہاں ایک نکتہ یاد رکھیں! دنیا کی نفسانی اور شیطانی محبتوں سے بڑا ڈرنا چاہیے، بڑا گھبرانا چاہیے۔ قرآن عظیم الشان سے ایک نکتہ عرض کرتا چلوں۔ نکتہ یہ ہے کہ:

"عورت محبت کے دعویداروں سے ہمیشہ خوفزدہ رہے"

کیوں؟

''سیدنا یوسف علیہ السلام سے سیدنا یعقوب علیہ السلام نے محبت فرمائی تو ان کو کنویں میں جانا پڑا اور جب زلیخا نے ان سے محبت کا اظہار کیا تو انہیں جیل میں جانا پڑا''

اس لیے مفسرین نے لکھا ہے:

''عورت کو چاہیے کہ محبت کے دعویداروں سے بچے' ایسا نہ ہو کہ کسی کے دعوے کو قبول کر بیٹھے اور اسے بھی ذلت کے گڑھے میں گرنا پڑے یا اسے جیل کی قید تنہائی میں جانا پڑ جائے۔

مقصد پورا ہونے کا وقت:

عام طور پر ہم نے دیکھا ہے کہ کچھ سالکین جو ذکر اذکار بھی کرتے ہیں' نیک بھی ہوتے ہیں' متقی بھی ہوتے ہیں' وہ بار بار لکھتے ہیں کہ مقصد پورا نہیں ہو رہا' مقصد پورا نہیں ہو رہا۔ تو بھئی! یاد رکھیں! مقصد پورا ہونے کا وقت پوری زندگی ہے۔ کئی مرتبہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آخری وقت میں رحمتیں اترتی ہیں۔ کیا عمل کے اختتام پر آپ اجرت نہیں دیتے بندے کو؟ جو آپ کے گھر مزدوری کے لیے آتا ہے۔ اس کو آپ پے منٹ کب کرتے ہیں؟ صبح کرتے ہیں' دوپہر کو کرتے ہیں یا کب کرتے ہیں؟ شام کو کرتے ہیں۔ اس وقت مزدوری مکمل ہونے کا وقت ہوتا ہے۔ جس طرح ہم مزدور کو مزدوری ختم ہونے کے وقت میں پے منٹ کرتے ہیں' کئی مرتبہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی ایسا ہی معاملہ ہوتا ہے کہ بندہ ساری زندگی اللہ کی تلاش میں لگا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو موت کے وقت جام وصل عطا فرما دیتے ہیں۔ اس لیے اس معاملے میں جلد بازی نہیں کرنی چاہیے، لگا ہی رہے۔ ہمارے شیخ نے فرمایا:

اندریں راہ می ترش و می خراش
تا دم آخر دم فارغ مباش

تادم آخر دم آخر بود
کہ عنایت باب وصاحب سر بود

قرآن مجید میں تین طرح کے لوگوں کا تذکرہ:

قرآن مجید نے تین طرح کے لوگوں کا تذکرہ کیا:

ایک طرح کے لوگوں کے بارے میں فرمایا:

﴿اَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ﴾ (۸:الواقعة)

''جنت والے''

دوسری طرح کے لوگوں کے بارے میں فرمایا:

﴿اَصْحَابُ الْمَشْئَمَةِ﴾ (۹:الواقعة)

''جہنم والے''

تیسری طرح کے لوگوں کے بارے میں فرمایا:

﴿وَالسّٰبِقُوْنَ﴾ (۱۰:الواقعة)

''سبقت لے جانے والے''

یہ سابقون ہی اصل میں اللہ سے محبت کرنے والے اور اللہ کے راستے میں سبقت پانے والے ہیں۔ فرمایا: یہ قلیل ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان قلیل لوگوں میں شامل فرمادے۔ (آمین)

موت کس سے ڈرتی ہے؟

ایک بات ذرا سمجھنے کے قابل ہے۔ کسی نے نوجوان سے پوچھا:

ہم کس سے ڈرتے ہیں؟

کسی نے کہا: بجلی سے

کسی نے کہا: سانپ سے

کسی نے کہا: ڈاکو سے

کسی نے کہا: شیر سے

اور ایک پیچھے بیٹھا تھا۔ اس نے کہا: بیوی سے

خیر! اپنی کیفیت ہوتی ہے، اس بے چارے کی کیفیت ہی ایسی ہوگی۔ مگر پھر ان بزرگوں نے بات سمجھائی۔ انہوں نے یہ بات سمجھائی کہ دیکھو! ہم جب بجلی سے ڈرتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ بجلی لگے گی، جھٹکا پڑے گا اور ہم مر جائیں گے۔ سانپ سے اس لیے ڈرتے ہیں کہ سانپ کاٹے گا اور ہم مر جائیں گے اور شیر سے اس لیے ڈرتے ہیں کہ وہ ہمیں کھا جائے گا اور ہم مر جائیں گے۔ اس لیے پتہ چلا کہ اصل میں انسان کے دل میں ڈر موت کا ہوتا ہے ساری دنیا موت سے ڈرتی ہے اور موت عشق الٰہی کے جذبے سے ڈرتی ہے۔ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے موت کو فتح کر لیا تھا۔ وہ فرماتے تھے:

''میں جہاں دشمن کا زیادہ جمگھٹا دیکھتا تھا وہاں قدم بڑھاتا تھا''

انہوں نے پوری زندگی اسی جذبے کے ساتھ اللہ کے راستے میں جہاد کیا مگر موت ان کو نہ آ پائی۔ اس لیے کہ انہوں نے موت کو فتح کر لیا تھا۔

موت کا انتظار کرنے والے:

اللہ والے موت سے نہیں ڈرتے، بلکہ وہ تو موت کے منتظر رہا کرتے ہیں۔ ایک بزرگ تھے، انہوں نے جب ملک الموت کو دیکھا تو فرمایا:

''کتنا اچھا مہمان آیا! میں تو بیس سال سے تیری آمد کا منتظر تھا''

ایک صحابی رضی اللہ عنہ شہید ہونے لگے تو فرمایا:

''فُزْتُ وَرَبِّ الْکَعْبَةِ''

محبتِ الٰہی میں اضافے کا سبب:

مشائخ کرام مریدین کے سینوں میں محبتِ الٰہی کے اس جذبے کو بیدار کرتے تھے۔ آپ بھی ان کی صحبت میں آ کر چند دن بیٹھیں تو آپ کے اپنے اندر اللہ کی محبت کے جذبے میں اضافہ ہوگا۔آپ کا دل گواہی دے گا کہ اب اللہ تعالیٰ سے محبت کا انداز کچھ اور ہے۔

قرآن مجید میں ''عشق'' کا لفظ کیوں نہیں؟

ایک لفظ ہے ''محبت'' اور ایک لفظ ہے ''عشق'' یہ دونوں عربی زبان کے الفاظ ہیں۔ مگر قرآن مجید میں صرف محبت کا لفظ استعمال ہوا' عشق کا لفظ استعمال نہیں ہوا۔ البتہ احادیث میں ایک جگہ عشق کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ ہم نے ایک مرتبہ اس کی تلاش کی تو تقریباً چھ مہینے لگے، بالآخر کنز العمال میں ایک روایت مل گئی، اس روایت میں عشق کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

ہماری زبان میں عشق کا لفظ زیادہ استعمال ہوتا ہے۔ فارسی زبان میں تو بہت ہی زیادہ استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً:

شاد باد اے عشق! سودائے ما
اے دوائے جملہ علت ہائے ما!
اے دوائے نخوت و ناموس ما!
اے کہ افلاطون و جالینوس ما!

لیکن قرآن مجید میں محبت کا لفظ استعمال ہوا ہے عشق کا لفظ استعمال نہیں ہوا' آخر اس کی کیا وجہ ہے؟

بہت عرصے تک ہمیں بھی اس کی تلاش رہی کہ اس میں کیا معرفت ہے کہ قرآن مجید

میں محبت کا لفظ تو استعمال ہوا ہے۔ مثلاً

﴿يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ﴾ (المائدة:۵۴)

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ (البقرة:۱۶۵)

مگر عشق کا لفظ استعمال نہیں ہوا۔

بالآخر اس کی حقیقت اللہ والوں کی محفل میں بیٹھ کر سمجھ میں آئی۔

دیکھیں! محبّ میں اور عاشق میں تھوڑا سا فرق ہوتا ہے۔

عاشق جو ہوتا ہے اس کے دل میں محبت، جنون کی حد تک آ چکی ہوتی ہے اور اب اس کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنی خواہش کو پورا کرنا چاہتا ہے۔ اگر عشق ہے تو بس وہ ہر قیمت پر محبوب تک پہنچنا چاہتا ہے، نہ اس کو عزت کی پروا نہ بے عزتی کی پروا۔

عشق جنون کی کیفیت ہے۔ ار عاشق کیا چاہتا ہے؟ میری خواہش پوری ہو جائے۔ اس کے دل میں اپنی خواہش کو پورا کرنا، یہ چیز غالب ہوتی ہے، اس لیے وہ شکوے کرتا ہے۔

شبِ وصال بہت کم ہے آسمان سے کہو
کہ جوڑ دے کوئی ٹکڑا شبِ جدائی کا

عاشق چاہتا ہے کہ شبِ وصال بڑی لمبی ہوتی کیونکہ وہ اپنی خواہش اور اپنی آرزو کو پورا کرنا چاہتا ہے۔ محبّ کی ایسی کیفیت نہیں ہوتی۔ محبّ سراپا تسلیم و رضا ہوتا ہے اور وہ محبوب کی خوشی میں خوش ہوتا ہے۔ محبوب کی رضا میں راضی ہوتا ہے۔

اس لیے محبّ کی یہ کیفیت ہوتی ہے

نہ تو ہجر ہے اچھا نہ وصال اچھا ہے
یار جس حال میں رکھے وہی حال اچھا ہے

چونکہ محبّ کے اندر ادب غالب ہوتا ہے اور عاشق کے اندر خواہش غالب ہوتی

ہے۔اس لیے اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں محبت کے لفظ کو استعمال فرمایا۔

دردِ محبت:

یاد رکھیے کہ انسان کی بزرگی تمام مخلوقات کے مقابلے میں اسی درد محبت کی وجہ سے ہے۔ اگر یہ درد محبت دل میں نہیں تو انسان اور حیوان میں کوئی فرق نہیں اور یہی چاہت آپ کو یہاں لے کر آئی ہے۔

خیر کا ارادہ:

اللہ تعالیٰ نے جو ہمیں یہاں پہنچا دیا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہمارے بارے میں خیر کا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کچھ نہ دینا چاہتے تو طلب کا مادہ ہی نہ عطا فرماتے۔ جب وہ طلب کا مادہ دے دیتے ہیں اس کا مطلب یہ کہ وہ دینے کا ارادہ پہلے سے کر چکے ہیں۔

جب افسر نے کسی کو کچھ نہ دینا ہو تو نوکر سے کہتا ہے کہ میں اسے ملنا ہی نہیں چاہتا۔ وہ ملنے کا موقع ہی نہیں دیتا۔ کام جو نہیں کرنا، دینا جو کچھ نہیں۔ کہتا ہے اس کو بھگتا دو۔ یعنی ملتا نہیں تو جب ملنے کا موقع ہی نہیں دیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کچھ دینے کا ارادہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت میں ہمیں یہاں پہنچا دیا انشاء اللہ یہی اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ رب العزت کا ارادہ ہمارے بارے میں خیر کا ہے۔

عشق کے راستے میں بیلنس رکھیے:

اس راستے پہ ہم محبت کو بھی لے کر چلیں اور اپنی عقل و دانش کو بھی لے کر چلیں۔ سمجھداری سے کام کریں۔ عام طور پر ہم نے دیکھا ہے کہ کچھ لوگ ہوتے ہیں جو بیلنس برقرار نہیں رکھتے مثلاً: ذکر میں لگے تو اتنا کہ اہل خانہ کو بھی بھول گئے۔ یا اہل خانہ میں لگے تو اتنا کہ پھر ذکر کو بھول گئے۔

اسی لیے عقل و دانش اور عشق اس راستے میں اگر برابر چلیں تو بندے کی پرواز جلدی ہوتی ہے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب بات لکھی ہے:

غربیاں را زیرکی زاد حیات
شرقیاں را عشق رمز کائنات
زیرکی از عشق گردد حق شناس
کارِ عشق از زیرکی..................
عشق جو با زیرکی ہمسر بود
نقشبند عالم دیگر بود

تو بیلنس رکھنے والا ہمیشہ اس راستے میں جلدی آگے بڑھتا ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ آپ اپنے دفتروں سے چھٹی کر لیں' کاروبار ختم کر دیں اور آ کر ذکر سیکھیں نہیں! ہم اتنا کہتے ہیں کہ اپنا فارغ وقت دین کے لیے نکال لیں اور یہ تو کوئی مشکل کام نہیں۔ آپ نے یہ فارغ وقت کہیں نہ کہیں تو لگانا ہے کوئی ٹی وی سکرین کے سامنے بیٹھے گا' کوئی اخبار لے کر بیٹھ جائے گا' کوئی سیل فون لے کر بیٹھ جائے گا۔

سیل فون یا ہیل فون:

آج کل سیل فون بھی عجیب ہیل فون بن گیا ہے۔ لوگوں نے تو اس کا نام سیل فون رکھا تھا لیکن میں نے اس کا نام ہیل فون (دوزخ کا فون) رکھا ہے۔ اس لیے کہ اکثر و بیشتر کالیں ہوتی ہیں کہ جو بندے کو دوزخ پہنچانے میں گھوڑے کی ڈاک کا کام کرتی ہیں۔ تو یہ سیل فون نہیں یہ ہیل فون ہوتا ہے اور کئی مرتبہ لوگوں کو دیکھا کہ دو منٹ کی بات ہوتی ہے آدھے گھنٹے سے پہلے فون ہی بند نہیں کرتے۔ اگلا کہہ بھی رہا ہوتا ہے: اچھا جی بہت اچھا! سمجھ گئے ہوتے ہیں اب یہ جان چھڑانا چاہتا ہے لیکن ہم چھوڑتے نہیں۔ تسلی سے بیٹھ کر

باتیں کرتے ہیں، ہم نے چونکہ کال ملا لی اب پورا گھنٹہ ہمارا ہوگیا۔ باہر ملک والے کہتے ہیں جب تک ہمارا کارڈ ختم نہیں ہوگا تب تک فون بند نہیں ہوسکتا، اگلے کی چاہے نماز کی تکبیر اولی جا رہی ہو۔

بھئی! سیل فون کو سیل فون کی حد تک استعمال کرنا چاہیے۔ فارغ وقت نہ ٹیلیفونوں کے لیے، نہ اخباروں کے لیے، نہ ٹی وی کے لیے، فارغ وقت اللہ کی یاد کے لیے فارغ وقت کس کے لیے؟ اللہ کی یاد کے لیے۔

پھر تہجد کی توفیق کیسے ملے؟

آپ رات کو جلدی سوئیں، عشا کے بعد جلدی سونے کی عادت بنائیں اور پھر تہجد میں آپ دیکھیں کیسے آسانی سے اٹھنے کی توفیق ہوگی۔ جب سوئیں گے رات کو ایک یا دو بجے تو پھر تہجد کیا فجر بھی نہیں پڑھ سکتے اور آج کل یہی حالت ہوتی ہے اور شیطان ایسا خبیث ہے کہ یہ دل میں رکھتا ہے کہ تہجد پڑھنی ہے مگر سلاتا دو بجے ہے۔ اس کو پتہ ہے کہ جب دو بجے سوئیں گے تو پھر دل کی خواہش کیا کرے گی، آنکھ کیسے کھلے گی۔ مجھے لگتا ہے کہ کچھ لوگ تو جاگتے ہی عشا کے بعد ہیں، جیسے ان کا دن بھی اب شروع ہو رہا ہے اور وہ بیوی کو لے کر نکلیں گے گھومنے کے لیے۔

فرنگیوں والی عادت:

باہر گھمانے کی عادت یہ بھی مصیبت ہے، ہمارے مشائخ میں سے کبھی کسی نے اس عادت کو نہیں اپنایا کہ بیوی کو لے کر باہر گھمانے کے لیے جائیں، یہ فاسقوں کی عادت ہے، یہ فرنگیوں کی عادت ہے اور آج کے مسلمان نوجوان اسی پر عمل کرتے پھرتے ہیں۔ آپ جو چیز باہر سے کھانا چاہتے ہیں لائیں اور گھر میں بیٹھ کر پکائیں اور سکون سے بیٹھ کر کھائیں۔ غیر محرموں کے مجمع میں بیوی کو لے کر بیٹھ کر کھانا یہ کہاں کا انصاف ہے!

جلدی سونے پر تہجد کی توفیق:

عشا کے بعد دن شروع نہیں ہوتا رات شروع ہوتی ہے۔اس لیے نبی علیہ السلام عشا سے پہلے سونے کو ناپسند کرتے تھے اور عشا کے بعد باتیں کرنے کو ناپسند کرتے تھے۔ عشا کے بعد بات کرنے کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ ہاں البتہ اگر کوئی دینی مجلس ہو تو وہ اور بات ہے' مقصد ہے' دین کا کام مقصد ہے۔ جب عام معمول ہے تو بس عشا کے بعد جلدی سونے والی سنت پر عمل کر لیجیے۔اللہ تعالیٰ تہجد کی سنت پر آپ کو عمل نصیب فرما دیں گے اور جب آپ عشا کے بعد جلدی سونے والی سنت پر عمل نہیں کریں گے تو تہجد کی نعمت خود بخود آپ سے دور ہو جائے گی۔

رات بھر عبادت میں مشغولی:

وہ اور لوگ تھے جو ساری ساری رات اللہ تعالیٰ کی یاد میں گزار دیتے تھے۔ ہمارے تو جسموں میں طاقت اتنی نہیں۔ نیند پوری نہ ہو تو ہم نماز میں صحیح انداز سے الفاظ بھی ادا نہیں کر سکتے۔اللہ کے وہ بندے جو راتوں کو عبادت میں گزارتے تھے۔سبحان اللہ ان کی زندگیاں عجیب تھیں!!

چنانچہ ریحانہ مجنونہ کے بارے میں آتا ہے تہجد میں اٹھتی تھیں اور ایک فقرہ کہا کرتیں تھی کہ

''چاہنے والی اپنے پیارے کی طرف جا رہی ہے''

پھر وضو کر کے مصلے پر کھڑی ہوتی تھی اور صبح سحری کے وقت تک اللہ کی یاد میں مشغول رہا کرتی تھی۔

وہ ابو عامر واعظ کی خادمہ تھیں فرماتے ہیں کہ اس نے کہا: میرے لیے تو بارہ مہینے برابر ہیں دن میں روزہ اور رات اللہ کی یاد کے لیے۔

مزے سے آشنائی:

اب یہاں پہ میں آپ سے ایک نقطے کی بات عرض کروں گا توجہ فرمایئے گا فائدہ ہوگا۔ پتھر پہ آپ پانی ڈالیں تو وہ پی تو جائے گا پانی کو چوس تو لے گا مگر مزے سے ناواقف اور ناآشنا ہوگا۔ لیکن زبان پہ آپ شربت ڈالیں تو زبان شربت کو بھی چوسے گی اور ساتھ مزے سے بھی آشنا ہوگی۔ وجہ کیا ہے؟ کہ زبان زندہ ہے اور پتھر مردہ ہے۔

اسی طرح کچھ لوگوں کے دل پتھر کی طرح ہوتے ہیں وہ نماز تو پڑھ رہے ہوتے ہیں، الفاظ ادا کر رہے ہوتے ہیں مگر الفاظ کے مزے سے ناآشنا ہوتے ہیں اور کچھ لوگوں کے دل زندہ ہوتے ہیں جب ان کی زبان سے الفاظ ادا ہوتے ہیں تو الفاظ کی کیفیات سے ان کے دل بھی مزے پارہے ہوتے ہیں۔

ایک مالک نے اپنی باندی سے کہا کہ بستر لگا دو۔ اس نے پوچھا کہ آپ کا بھی کوئی مولا ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں ہے' اس نے پوچھا کیا آپ کا مولا سوتا بھی ہے؟ اس نے کہا کہ وہ سوتا نہیں کہنے لگی بڑی شرم کی بات ہے کہ مولا تو جاگ رہا ہو اور اس کا غلام سو رہا ہو۔

اٹھ فریدا ستیا تے جھاڑو دے مسیت
توں ستا تیرا رب جاگدا تیری ڈاہڈے نال پریت

اللہ سے دل لگانا اور پھر تہجد میں سوئے پڑے رہنا۔ یہ کہاں کی محبت ہے؟ اس لیے سالک روئے اور اللہ تعالیٰ سے مانگے کہ اے اللہ! مجھے اپنے مقبول بندوں کے اس مقبول وقت میں اپنے سامنے کھڑا ہونے سے محروم نہ فرما۔

نماز وسیلہ لقائے یار ہے:

جب اللہ تعالیٰ کی محبت دل میں آئے گی تو پھر یہ نعمت آپ کو آسانی سے نصیب ہوگی۔ عزیز دوستو! اس بات کو توجہ سے سننا کہ نماز کو حاکم وقت کی بیگار سمجھ کر نہ پڑھنا۔

وسیلہ لقائے یار سمجھ کر پڑھنا۔ یہ حاکم کی بے گار نہیں یہ تو وسیلہ لقائے یار ہے۔ جب یہ وسیلہ لقائے یار بنے گی پھر تہجد میں اٹھنا ہمارے لیے کوئی مشکل نہیں ہوگا۔

اللہ کی محبت واجب کرنے والے اعمال:

اللہ تعالیٰ حدیث قدسی میں فرماتے ہیں:

''میرے لیے آپس میں محبت رکھنے والوں کے لیے میری محبت واجب ہوگی''

دوسری جگہ پر فرمایا:

''میرے لیے میرے راستے میں خرچ کرنے والوں کے لیے میری نحبت واجب ہوگی''

تیسری جگہ فرمایا

جولوگ صلہ رحمی، رشتے ناطے جوڑتے ہیں ان کے لیے بھی میری محبت واجب ہوجاتی ہے''

اللہ تعالیٰ کی محبت دل میں پیدا کرلیجیے اور اعمال کے مزے لوٹیے۔

بندے کا تذکرہ کیسے دوام پاتا ہے؟

ایک صاحب پوچھنے لگے کہ جی کچھ لوگ ہوتے ہیں مرتے ہیں تو ان کا تذکرہ ہی ختم ہوجاتا ہے۔ دنیا میں بڑے مشہور مرے تو ساتھ ہی ختم۔ اور کچھ لوگ زندگی میں اتنے مشہور نہیں ہوتے، مرنے کے بعد زیادہ مشہور ہوجاتے ہیں، زیادہ مقبول ہوجاتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ؟ تو کسی اللہ والے نے اس کا جواب دیا اس نے کہا: دیکھو! اللہ تعالیٰ کی صفات، فانی نہیں، باقی ہیں۔ اس لیے جو بندہ دنیا میں '' تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ '' (اپنے آپ کو اللہ کے اخلاق سے مزین کرلو) پر عمل پیرا ہوجاتا ہے اور اپنے اندر یہ صفات پیدا کرلیتا ہے۔ وہ جب فوت بھی ہوجاتا ہے تو چونکہ اللہ تعالیٰ کی صفات باقی رہتی ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ اس

بندے کا تذکرہ بھی دنیا میں سلامت رکھتے ہیں ؎

سب دست برجریدہ عالم دوام ما

جب دل میں محبت ہوتو پھر دماغ بھی کام کرتا ہے اور بندے کو فراست نصیب ہو جاتی ہے۔

تجھے نسبت کا نور حاصل ہے:

ابوبکر دراک رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ محفل میں کہا: چار چیزیں ملنا ناممکن ہیں ایک شاگرد نے پوچھا: کونسی؟ انہوں نے فرمایا:

لقمۂ حلال

مخلص یار

طاعت بے ریا

عالم بے طمع

فرمایا یہ چار نعمتیں ملنی ناممکن ہیں۔ شاگرد نے عرض کیا: حضرت! مجھے یہ چاروں حاصل ہیں، یہ سن کر استاد حیران ہوئے، پوچھنے لگے:

بھئی آپ کو کیسے حاصل ہیں؟

(۱)...... میں غصے کا گھونٹ پی لیتا ہوں' یہ لقمہ حلال کی مانند ہے۔

(۲) میں نے قرآن کو اپنا یار بنالیا ہے' تو یہ دنیا میں سب سے زیادہ مخلص میرا یار ہے۔

(۳) میں مراقبہ پابندی سے کرتا ہوں یہ طاعت بے ریا ہے۔

(۴) میں نے اللہ سے محبت کر لی' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ عالم بے طمع ہے۔ وہ ایسا عالم ہے جس کو مخلوق سے کوئی طمع نہیں ہے۔

جب استاد نے یہ بات سنی تو اسی بات پر ہی اپنے شاگرد کو اجازت و خلافت سے

سرفراز فرمادیا۔ فرمایا: تجھے نسبت کا نور نصیب ہے۔ یہ نسبت ہی ان باطن کے معارف کو تیری زبان سے نکلوا رہی ہے۔

نرمی کرنے کی تعلیم:

قرآن مجید میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم فرمایا:

﴿اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى﴾ (النزعت: ۱۷)

''فرعون کی طرف جائیے' وہ باغی طاغی بن گیا ہے''

تو ساتھ یہ بھی فرمایا:

﴿فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا﴾ (طٰہ: ۴۴)

''تم دونوں اس کے ساتھ نرمی کی بات کرنا''

یہاں مفسرین نے ایک عجیب نکتہ لکھا ہے وہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق پر اتنی شفقت ہے کہ فرعون جو اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى (النزعت: ۲۴) کہتا تھا' اللہ تعالیٰ انبیا کو ان کی طرف بھیج رہے ہیں اور ان کو فرماتے ہیں کہ اس کے ساتھ نرمی سے بات کرنا' تو جو بندہ سر سجدے میں ڈال کر سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى کہتا ہے اللہ اس کے ساتھ کتنا نرمی کا معاملہ فرمائیں گے۔

محبت بولنا سکھا دیتی ہے:

محبت بندے کو بولنا سکھا دیتی ہے کیونکہ بندہ جذبات کی وجہ سے مجبور ہوتا ہے، خود بخود باتیں نکلتی ہیں۔ جیسے بنی اسرائیل کا بوڑھا محبت میں بیٹھا باتیں کر رہا تھا: اے اللہ! میں نے سنا ہے کہ آپ کی بیوی نہیں' بچے نہیں تو آپ میرے پاس آئیں' میں آپ کی خدمت کروں گا' میں آپ کی مہمان نوازی کروں گا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سنا تو اسے فرمایا او بوڑھے! ایسی بات کرنا اللہ تعالیٰ کی شان کے خلاف ہے۔ وہ تو محبت میں کر

رہا تھا، جب اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ بات سنی تو وہ گھبرا گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب تھوڑا سا آگے چلے تو ان پر اللہ تعالیٰ کی وحی آ گئی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے میرے پیارے نبی موسیٰ علیہ السلام!

تو برائے وصل کردن آمدی
نہ برائے فصل کردن آمدی

میں نے آپ کو جوڑنے کے لیے بھیجا تھا، میں نے توڑنے کے لیے تو نہیں بھیجا تھا"

عجیب نکتہ:

یہاں پر علما نے لکھا ہے کہ وہ بندہ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی باتیں کر رہا ہے، جو اللہ تعالیٰ کے شایان شان نہیں، مگر محبت سے کر رہا ہے، جب وہ باتیں اللہ کو اتنی پسند آئیں تو اگر کوئی بندہ وہ باتیں کرے جو اللہ تعالیٰ کی شایان شان ہوں اور وہ بھی محبت سے کرے تو پھر اللہ کو وہ باتیں کتنی پسند آئیں گی!

اس لیے ایسی محفلیں جہاں اللہ کی محبت کی باتیں ہوتی ہیں:

﴿نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ﴾

ان پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں فرشتے اتر آتے ہیں پھر جب وہ فرشتے واپس جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان فرشتوں سے کارگزاری پوچھتے ہیں، کہاں سے آئے ہو؟ وہ پھر بتاتے ہیں، پھر اللہ رب العزت فرماتے ہیں تم گواہ رہنا، میں نے ان بندوں کے سب گناہوں کو معاف فرما دیا۔ فرشتوں کو گواہ بناتے ہیں۔ فرشتے کہتے ہیں: اے اللہ! ان میں سے کچھ لوگ تو وہ تھے جو اس محفل میں شرکت کے لیے آئے مگر کچھ وہ بھی تھے جو راستہ سے گزر رہے تھے اور دیکھنے کے لیے کھڑے ہو گئے، وہ تماش بین تھے، اے اللہ! ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ جو مجلس میں آنے والے لوگ تھے:

"هُمْ رِجَالٌ لَّا يَشْقٰى جَلِيْسُهُمْ"

"یہ میرے وہ بندے ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والا بھی بدبخت نہیں ہوتا۔"

محترم جماعت! جب اللہ تعالیٰ تماش بینوں کی بھی مغفرت فرما دیتے ہیں تو جو ہزاروں میلوں کے سفر کر کے آتے ہوں، اللہ تعالیٰ پھر ان کی مغفرت کیسے نہیں فرمائیں گے؟ اس لیے یہ بات ذہن میں رکھ لیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے جو ہمیں یہاں پہنچا دیا، یہ بات اس کی دلیل ہے کہ ہمارے پروردگار کا ارادہ ہمارے بارے میں خیر کا ہے۔

ایک بوڑھے کی دلچسپ دعا:

ایک مرتبہ غالباً پندرہ شعبان کی رات تھی، لوگ مسجد میں عبادت کر رہے تھے، دعائیں مانگ رہے تھے، اس عاجز کے قریب ایک بوڑھا بندہ بھی دعائیں مانگ رہا تھا، مگر اس نے ایک دعا ایسی مانگی کہ اس دعا کو سن کر بس میری تو رات بنا دی۔ لوگ کہتے ہیں۔

"تم نے میرا دن بنا دیا۔" You made my day

اور میں کہتا ہوں:

"اس نے میری رات بنا دی۔" He made my night

وہ پنجابی زبان میں دعا مانگ رہا تھا۔ تو دعا مانگتے مانگتے کہنے لگا:

"اللہ! میاں! ہک واری جنت وچ وڑن دیویں، اگاں آپے لگا ویساں"

اے اللہ! ایک مرتبہ مجھے جنت میں داخل ہونے دینا، آگے میں خود چلا جاؤں گا"

اللہ اکبر! وہ محبت میں کہہ رہا تھا۔ واہ میرے مولا! بوڑھوں کی باتیں بھی بڑی عجیب ہوتی ہیں۔

اکیلا تو، تو ہی اچھا لگتا ہے:

ایک آدمی کے بال سفید ہو گئے تھے، مگر اس کا دل جوان تھا، اس کی بیوی فوت ہو گئی۔

ایسے بندوں کے لیے بڑی مشکل ہوتی ہے' کیونکہ ان کو اتنی جلدی رشتے نہیں ملتے، اس بے چارے نے کوشش تو بڑی کی' لیکن رشتہ جلدی مل نہیں رہا تھا، جہاں بھی رشتے کا پیغام بھیجتے وہیں سے نہ ہو جاتی، وہ بے چارہ ایک مرتبہ وضو کر کے اٹھا تو اٹھتے ہوئے پنجابی زبان میں کہنے لگا:

اللہ! کلا تاں توہی چنگا لگنا ایں اے

''اے اللہ! اکیلا تو، تو ہی اچھا لگتا ہے''

اللہ نے اس کی دعا قبول کر لی اور اگلے دن اس کی شادی کا معاملہ طے ہو گیا۔ واقعی! ہم نے اس کا تجربہ کیا ہے کہ جس بندے کی شادی میں رکاوٹ ہو' وہ تنہائی میں یہی کہے' اللہ! اکیلا تو تو ہی اچھا لگتا ہے، تو اللہ تعالیٰ آسانی پیدا کر دیتے ہیں۔

ایک بڑھیا کی عجیب دعا:

ایک بڑھیا تھی اس کو کہا گیا: دعا مانگو' وہ قبول ہو جائے گی' مگر دعا ایک ہی ہو' اب وہ لمبی عمر بھی چاہتی تھی اور باقی نعمتیں بھی چاہتی تھی۔ چنانچہ اس نے ایک ہی فقرے میں دعا مانگی۔

''اے اللہ! میں اپنی آنکھوں سے اپنے پوتے کو سونے کے چمچ سے کھاتا دیکھوں''

اب دیکھو! اس بڑھیا کو صحت بھی مل گئی' پوتا ہونے تک زندگی بھی مل گئی' اولاد بھی مل گئی اور اللہ نے اتنا رزق بھی دیا کہ سونے کے چمچ سے اپنے پوتے کو کھاتا بھی دیکھ لیا۔

دل کی تاریں چھیڑا کریں:

ہمیں چاہیے کہ ہم بھی اللہ سے ایسی راز کی باتیں کیا کریں، تنہائی میں بیٹھ کر اپنے رب کو پکارا کریں، دل کی تاریں چھیڑا کریں، اپنے اللہ سے دعائیں مانگا کریں۔ اے اللہ! مجھے اپنا بنا لے۔

ایک عجیب بات:

ایک بات ہے، تو کسی فاسقہ عورت کی لیکن بات اس نے بڑی عجیب کی ہے، کہتی ہے

اس شرط پہ کھیلوں گی پیا! پیار کی بازی
جیتوں تو تجھے پاؤں، ہاروں تو میں تیری

محبت ہے نا محبوب کو حاصل کرنا چاہتی ہے۔

ایک محبت بھری دعا:

ایک اللہ والے تھے، انہوں نے ایک دعا مانگی (محبت کی دعا میں لطف ہی عجیب ہوتا ہے) دعا یہ مانگی:

"یَارَبِّ اَنْتَ تَعْلَمُ اَنِّیْ اُحِبُّ الصَّالِحِیْنَ وَاِنْ لَّمْ اَکُنْ صَالِحًا"

"اے پروردگار! آپ جانتے ہیں کہ میں نیکوں سے محبت کرتا ہوں، اگرچہ میں خود نیک نہ بن سکا"

اب دیکھو کہ محبت کیسی دعائیں کروا رہی ہے۔ یہ باتیں میں اس لیے آپ کی خدمت میں عرض کر رہا ہوں کہ آج رات جب آپ تہجد میں اٹھیں گے تو پھر آپ بھی اسی طرح محبت کے ساتھ اللہ سے مانگنا۔ اگر مانگنے کے ایک دو نمونے آتے ہوں تو پھر آگے ذہن خود بخود کام کرنا شروع کر دیتا ہے۔

وہ بزرگ آگے فرماتے ہیں:

"وَیَارَبِّ اَنْتَ تَعْلَمُ اَنِّیْ اَکْرَہُ الْفَاسِقِیْنَ وَاِنْ کُنْتُ فَاسِقًا"

"اور اے پروردگار! تو جانتا ہے کہ میں فاسقوں سے نفرت تو کرتا ہوں، اگرچہ میں خود بھی فاسق بن بیٹھا"

آگے فرمایا:

”یَارَبِّ لَوْ اَعْلَمُ اَنَّ دُخُوْلَ الْجَنَّةِ یَزِیْدُ فِیْ مُلْكِ شَیْئًا مَا سَئَلْتُكَ الْجَنَّةَ“
اے پروردگار! اگر میں جانتا کہ میرا جنت میں داخل ہونا تیرے ملک میں اضافے کا سبب بنے گا تو میں آپ سے جنت نہ مانگتا۔

پھر فرمایا:

”وَلَوْ اَعْلَمُ اَنَّ النَّجَاةَ مِنَ النَّارِ تَنْقُصُ فِیْ مُلْكِ شَیْئًا مَا سَئَلْتُكَ النَّجَاةَ مِنْهَا“
”اور اگر میں جانتا کہ آگ سے میری نجات آپ کی بادشاہی میں کچھ کمی کر دیتی ہے تو میں جہنم سے کبھی نجات نہ مانگتا“

پھر آگے اور بھی مزے کی بات کی:

”یَارَبِّ اِنْ لَّمْ تَرْحَمْنِیْ اَنْتَ وَمَنْ یَّرْحَمُنِیْ“
”اے پروردگار! اگر تو مجھ پر رحم نہیں کرے گا تو پھر مجھ پر کون رحم کرے گا“

جب اس طرح محبت بھرے انداز سے بندہ اپنے پروردگار سے مانگے تو پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت بھی متوجہ ہوتی ہے۔

ایک حیران کن دعا:

امام اصمعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ قبرستان گیا، میں نے ایک عورت کو دیکھا کہ وہ کسی قبر کے قریب بیٹھی دعا کر رہی تھی۔ دعا کرتی ہوئے اس نے یہ کہا:

”اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ كَائِنٌ قَبْلَ كُلِّ شَیْءٍ وَاِنَّكَ كَائِنٌ بَعْدَ كُلِّ شَیْءٍ وَاِنَّكَ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ فَاِنَّكَ یَارَبِّ قَدْ خَلَقْتَنِیْ اَبَوَیَّ مِنْ قَبْلِیْ ثُمَّ خَلَقْتَنِیْ بَعْدَهُمَا فَاِنَّكَ اَنَسْتَنِیْ بِهِمَا مَاشِئْتَ اَللّٰهُمَّ فَكُنْ لَهُمَا رَاحِمًا وَكُنْ لِیْ بَعْدَهُمَا حَافِظًا“

''اے اللہ! آپ ہر چیز سے پہلے تھے اور ہر چیز کے بعد بھی آپ ہوں گے۔ اور آپ ہر چیز کے خالق ہیں۔ اے اللہ! آپ نے مجھ سے پہلے میرے ماں باپ کو پیدا کیا' پھر ان کے بعد آپ نے مجھے (ان میں سے) پیدا کیا۔ اے اللہ! آپ نے چاہا تو آپ نے مجھے ان والدین سے محبت عطا فرمائی۔ (پھر ان والدین کو مجھ سے جدا فرما دیا) اے اللہ! ان دونوں پر رحیم بن جانا اور ان کے بعد میرے لیے محافظ بن جانا''

امام اصمعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے اس سے یہ ایسی دعا سنی تو میں بڑا حیران ہوا۔ چنانچہ میں نے اسی حیرانی کے عالم میں اسے کہا: اے خاتون! تیرا کلام تو بڑا پر اثر ہے۔ تو وہ کہنے لگی:

''بخدا! میں آپ کی محرم عورت نہیں ہوں' کہ آپ میرے ساتھ اس بے تکلفی کے ساتھ گفتگو کریں''

چنانچہ فرماتے ہیں: مجھے اس کی اس بات کی وجہ سے اتنی حیا آئی کہ میں اس سے بہت دور چلا گیا۔

دیکھیں! اللہ کو چاہنے والے اللہ رب العزت سے کیسی محبت کی باتیں کیا کرتے ہیں۔ اگر ہمیں بھی اللہ تعالیٰ اپنی ذات سے ایسی محبت عطا فرما دیں تو پھر ہمیں بھی مانگنے کا سلیقہ آ جائے گا۔ اور جن کو مانگنے کا سلیقہ آ گیا اللہ تعالیٰ ایسے بندے کے دامن کو ہی بھر دیتے ہیں۔

دوست سے ملاقات کا ادب:

دنیا کا دستور ہے کہ دوست کی ملاقات سے پہلے لوگ خوشبو لگاتے ہیں۔

......دلہن' خاوند کی ملاقات سے پہلے خوشبو لگاتی ہے۔

......دلہا، دلہن کی ملاقات سے پہلے خوشبو لگاتا ہے۔

......یار لوگ دفتر جانے سے پہلے خوشبو لگاتے ہیں۔

نیک اعمال خوشبو کی مانند ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم دنیا میں کثرت سے نیک اعمال کریں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات سے پہلے اپنے آپ کو خوشبو لگانے کی مانند ہے۔

دلہن کو کیوں تیار کرتے ہیں؟ کیوں سجاتے ہیں؟ اس لیے کہ وہ پہلی نظر میں اپنے خاوند کو پسند آ جائے۔ اگر دلہن کو اس لیے سجاتے ہیں تو ہمیں بھی چاہیے کہ ہم بھی اپنی نماز کو حضوری کے ساتھ، توجہ کے ساتھ سجائیں، کیونکہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی سب سے پہلی نظر بندے کی نماز پر پڑنی ہے۔ اس لیے ہم اپنی نمازیں تسلی سے پڑھا کریں، تاکہ ہماری نماز بھی قیامت کے دن اللہ کو پسند آ جائے۔

میرے دوستو! ہم نے کبھی دو رکعت ایسی پڑھی ہیں؟ آج ہی نیت کر لیجیے کہ ہم تہجد میں اٹھیں گے اور تسلی سے دو رکعت پڑھیں گے۔ ایسی کہ اللہ کے سوا ہمیں کسی کا خیال دل میں نہ ہو۔

اللہ رب العزت کا شکوہ:

ایک کتاب میں ایک عجیب بات پڑھی۔ اس میں لکھا ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"عَبْدِیْ قَدْ طَهَّرْتَ مَنْظَرَ الْخَلْقِ سِنِیْنَ"

"اے میرے بندے! تو نے مخلوق کو دکھانے کے لیے اپنے چہرے کو سالوں سجایا"

"فَهَلْ طَهَّرْتَ مَنْظَرِیْ سَاعَةً"

کیا تو نے کبھی اپنے آپ کو میرے لیے بھی سجایا؟

ذرا اس پر غور کیجیے!

"عَبْدِیْ قَدْ طَهَّرْتَ مَنْظَرَ الْخَلْقِ سِنِیْنَ"

میرے بندے!

تو نے انسانوں کی خاطر اپنے آپ کو سالوں تیار کیا"

......دلہن اپنے خاوند کے لیے گھنٹوں بیوٹی پارلر پر تیار ہوتی ہے۔

......خاوند اپنی بیوی کی خاطر غسل کر کے، خوشبو لگا کے تیار ہوتا ہے۔

......لوگ اپنے افسر کی ملاقات کے لیے تیار ہوتے ہیں۔

......ہم مہمان کے آنے کی خبر سنتے ہیں تو اچھے کپڑے پہن کر تیار ہوتے ہیں۔

......کسی تقریب میں جائیں تو وہاں بھی تیار ہو کر جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ آگے فرماتے ہیں:

﴿فَهَلْ طَهَّرْتَ مَنْظَرِیْ سَاعَةً﴾

کیا کبھی تو نے اپنے آپ کو میرے لیے بھی تیار کیا؟

اگر تو اخلاص کے ساتھ بیٹھ کر وضو کرتا تو جب تیرے ہاتھ دھلتے تو تیرے گناہ بھی دھل جاتے۔ تیرے چہرے پر پانی پڑتا تو چہرے کے گناہ دھل جاتے۔ تو وضو سے فارغ ہوتا تو تیرا بدن پاک ہو جاتا، پھر تو مصلے پر توبہ کی نیت کے ساتھ کھڑا ہوتا۔ میرے بندے! جب تیرا سر سجدے میں جھک جاتا تو میری رحمت برستی اور تیرا دل پاک ہو جاتا۔ اے بندے! کیا تو نے کبھی اپنے آپ کو میرے لیے بھی تیار کیا؟ اگر اللہ تعالیٰ ہم سے یہ سوال پوچھ لیں کہ تم سالک بنے پھرتے ہو، تم اپنے آپ کو صوفی صافی کہتے ہو، بتاؤ! کبھی تم نے اخلاص کی ایسی دو رکعت بھی پڑھیں؟ کبھی تم نے مصلے پر اس لیے قدم رکھا کہ میں اپنے رب کے لیے تیار ہو کے آ گیا؟ اس احساس کے ساتھ تو شاید ہم نے کبھی نماز نہ پڑھی ہو۔ اگر کبھی نہیں پڑھی تو آج کی رات تہجد میں اٹھ کر نماز پڑھ لیجیے اور اپنے رب سے کہیے:

''اے اللہ! اس جسم کو ہم نے مخلوق کی خاطر ہزاروں بار سجایا' اللہ! حق تو یہ بنتا تھا کہ آپ کے لیے زیادہ سجاتے' آج بات سمجھ آئی۔ اللہ! آج ہم آپ کے سامنے ساری دنیا کو پیچھے کر کے تکبیر پڑھ کے کھڑے ہیں۔ مولا! آپ کی محبت کی تلاش میں آج مصلے پر ہم اس لیے کھڑے ہو گئے ہیں کہ ہم سجدے میں سر جھکائیں گے' پھر دامن پھیلائیں گے' اللہ! آپ ہمارے دامن کو بھر دیجیے گا۔ ہم تو آپ سے آپ کو چاہنے کے لیے یہاں آئے ہیں۔ اللہ! تیرے بنا بھی کیا جینا؟ آپ کے بغیر زندگی کا کیا مزا؟

جب اس طرح اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگیں گے تو اللہ رب العزت کی رحمت جوش میں آئے گی اور اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کو صاف فرما کر ان کو اپنی رحمت کے نور سے منور فرما دیں گے۔ لہٰذا آج کی اس محفل میں یہ نیت کر لیجیے کہ ہم نے یہاں بقیہ جو وقت بھی گزارنا ہے ہم نے اللہ سے اللہ کی محبت مانگنی ہے کہ اے اللہ! ایسی محبت عطا فرمایئے:

میں جو بھولوں تجھے تو مر جاؤں
تیرا پہرہ ہو میری سانسوں پر

اللہ! ایسی محبت عطا فرما

کسی کو معلوم کہ جان کب نکلی ؟
محو تھے ہم تو یادِ جاناں میں

ہمیں اپنی ایسی یاد نصیب فرما کہ ہمیں جان نکلنے کا بھی پتہ نہ چلے۔

اللہ کو منا لیجیے:

آج اپنے سب گناہوں سے سچی پکی توبہ کر کے اپنے رب سے صلح کر لیجیے۔ آج

تک ہم نے گناہوں کے ذریعے اپنے رب کو ناراض کیا۔ یار کو منانے کے لیے لوگ منتیں کرتے ہیں، سماجتیں کرتے ہیں، پاؤں پکڑتے ہیں۔ آج ہم بھی اپنے اللہ کے سامنے سر سجدے میں ڈال دیں۔ اللہ! یونہی سمجھ لیجیے کہ ہم آپ کے سامنے بچھ گئے، آپ کے پاؤں پکڑ لیے۔ اللہ! آج ہمارے سجدے قبول کر لینا۔ ہمیں اپنے در سے خالی نہ لوٹا دینا۔ رب کریم! ہمیں خالی دامن واپس نہ بھیج دینا۔ میرے مولا! آج ہمیں بات سمجھ میں آئی۔ ہم آپ کو منانا چاہتے ہیں، آپ کو راضی کرنا چاہتے ہیں۔ سالوں ہم نے غفلت میں گزار دیے۔ مولا! آپ نے ہمیں چند ساعتیں یہاں عطا فرمائیں، اللہ! اب اپنی محبت عطا فرما دیجیے۔ اللہ! یہ دل کب دھلیں گے؟ اللہ! یہ باطن کی ناپاکی کب دور ہوگی؟ ہم ناپاک حالت میں آپ کے سامنے قیامت کے دن نہیں اٹھنا چاہتے۔ اللہ! کوئی عورت میلے منہ کے ساتھ اپنے خاوند کے پاس جانا پسند نہیں کرتی، ہم بھی گناہوں کے میلے منہ کے ساتھ قیامت کے دن آپ کے سامنے پیش نہیں ہونا چاہتے۔ اللہ! آج ہمیں دھو دیجیے، اپنا بنا لیجیے، اپنی محبت ہمارے دلوں میں ڈال دیجیے۔ اللہ! ہم اپنی کوتاہیوں کا اقرار کرتے ہیں، میرے مولا! ہم نے کبیرہ گناہ کیے۔ ہم اپنے آپ کو مجرم سمجھتے ہیں اور اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہیں، مگر میرے مولا! آج ہم آپ سے رحم کی اپیل کرتے ہیں۔ اللہ! دنیا کے لوگوں سے رحم کی اپیل کی جائے تو دنیا دار بھی مہربان ہو جاتے ہیں۔ آپ تو رحیم پروردگار ہیں، ہم پر مہربانی فرمائیے۔ اس مجمع میں جتنے بھی مرد آئے ہیں یا جتنی بھی عورتیں آئی ہیں، ان سب کے گناہوں کو بخش دیجیے، فیصلہ فرما دیجیے کہ آپ نے سب کو اپنے مقبول بندوں میں شامل فرما دیا۔ میرے مولا! اگر فرعون کے لیے آپ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ اس کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرنا، اللہ! وہ تو اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى کہتا تھا اور ہم تو سب سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰى کہنے والے ہیں۔ میرے مولا! مہربانی فرما کر ہمارے ساتھ نرمی کا معاملہ

فرما دیجیے۔ ہمارے گناہوں کو معاف فرما دیجیے اور ہمیں اپنے مقبول بندوں میں شامل فرما لیجیے۔ میرے مولا! آئندہ کے لیے ہمیں اپنی حفاظت عطا فرما دیجیے، گناہوں کی ذلت سے بچا لیجیے اور ہمیں طاعات کی عزت عطا فرما دیجیے۔ آمین ثم آمین

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ○

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ○

حسن بے مثال

از افادات

حضرت مولانا پیر حافظ ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہم

مقام: سالانہ اجتماع جھنگ، جامع مسجد زینب معہد الفقیر الاسلامی جھنگ

مورخہ ۲۶ ستمبر ۲۰۰۵ء

اقتباس

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

''اللہ رب العزت نے اپنے پیارے حبیب ﷺ کو حسن بے مثال عطا کیا، لیکن اس حسن کو دنیا میں پورا ظاہر نہیں فرمایا''

امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں:

''لَمْ يَظْهَرْ لَنَا تَمَامَ حُسْنِهِ ﷺ لِاَنَّهٗ لَوْ ظَهَرَ لَنَا تَمَامَ حُسْنِهِ لَمَا اَطَاقَتْ اَعْيُنُنَا رُؤْيَتَهٗ ﷺ''

''اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کے حسن بے مثال کو ہمارے لیے پورا ظاہر نہیں فرمایا، کیونکہ اگر اس سارے حسن کو ظاہر فرما دیتے تو ہماری آنکھوں میں یہ استطاعت ہی نہیں تھی کہ محبوب کا دیدار کر سکیں''

(حضرت مولانا پیر حافظ ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہم)

حسنِ بے مثال

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ ○

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

محبوب کل جہاں:

سید الاولین والآخرین، امام الانبیاء، حضرت محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم محبوب کل جہاں ہیں۔ خالق کے بھی محبوب، مخلوق کے بھی محبوب۔ مثلاً جمادات کے بھی محبوب ہیں چنانچہ نبی علیہ السلام نے فرمایا!

"اُحُدٌ جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهٗ"

"احد ایسا پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں"

۞ ...... نباتات کے بھی محبوب ہیں، استوانہ حنانہ نبی علیہ السلام کی جدائی میں رویا۔

۞ ...... حیوانات کے بھی محبوب ہیں، جب نبی علیہ السلام نے حجۃ الوداع کے موقع پر

قربانی دی تو اونٹوں کو قربانی کے لیے لایا گیا۔ حدیث پاک میں ہے کہ اونٹ ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کے لیے اپنی گردنوں کو لمبا کر دیتے تھے تا کہ آقا ﷺ ہمیں پہلے قبول فرمالیں۔

- ......انسانوں کے بھی محبوب ہیں، صحابہ کرامؓ کی پوری جماعت نبی علیہ السلام کے عشاق کی جماعت تھی۔
- ......جنوں کے بھی محبوب ہیں، اس لیے جنوں نے آ کر آپ ﷺ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور نبی علیہ السلام کے عشاق میں شمولیت حاصل کی۔
- ......فرشتوں کے بھی محبوب ہیں، جبرائیل اور میکائیل علیہما السلام آسمانوں میں نبی علیہ السلام کے وزیر، اللہ کے محبوب ﷺ سے محبت فرمانے والے ہیں۔

اس طرح مخلوق تو ساری مکمل ہوگئی۔ جمادات، نباتات، حیوانات، انسان، جنات اور فرشتے۔ اب رہ گئی اس پروردگار عالم کی ذات بابرکات، تو اس نے تو اعلان فرمادیا: اے میرے محمد ﷺ! آپ میرے محبوب ہیں۔ اس لیے نبی علیہ السلام محبوب کل جہاں ہیں۔

محبتِ رسول ﷺ بڑھانے کا ذریعہ:

آپ ﷺ کی ذات گرامی کے بارے میں علم جتنا زیادہ ہوگا اتنی ہی محبت بڑھے گی۔ اس لیے کوئی آدمی اس وقت تک ایمان والا نہیں ہوسکتا۔ جب تک کہ اس کے دل میں نبی علیہ السلام کی محبت باقی دنیا کی محبتوں پر غالب نہ آجائے۔

"لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ النَّاسِ اَجْمَعِیْنَ"

- "تم میں سے کوئی بندہ بھی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں

اس کے ہاں اس کے باپ اور اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ٹھہروں''

اب اس محبت کو بڑھانے کے لیے آج نبی علیہ السلام کے سراپا کا تذکرہ کرنا ہے۔

زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا؟
کہ میرے نطق نے بوسے میری زباں کے لیے

جب محبوب کا نام آتا ہے تو منہ میں مٹھاس آ جاتی ہے۔

فیض چشم حضور کیا کہنا
ساغر دل چھلک چھلک جائے
نام پاک ان کا ہو؟ لبوں سے ادا
شہد گویا ٹپک ٹپک جائے

کہنے والے نے تو یہاں تک کہا:

ہزار بار بشویم دہن بمشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبیست

''اگر میں ہزار مرتبہ اپنے منہ کو مشک اور گلاب سے دھولوں تو (اے میرے آقا ﷺ!) پھر بھی آپ کا نام نامی، اسم گرامی لینا میرے لیے تو بے ادبی ہی ہے''

بے مثال حسن و جمال:

اللہ رب العزت نے اپنے پیارے حبیب ﷺ کو وہ حسن و جمال عطا کیا کہ جس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

رسول ہاشمی نبیوں میں ختم الانبیا ٹھہرے
حسینوں میں حسیں ایسے کہ محبوبِ خدا ٹھہرے

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال:

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

''اللہ رب العزت نے اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو حسن بے مثال عطا کیا، لیکن اس حسن کو دنیا میں پورا ظاہر نہیں فرمایا''

امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں:

لَمْ یَظْهَرْ لَنَا تَمَامُ حُسْنِهٖ صلی اللہ علیہ وسلم لِاَنَّهٗ لَوْ ظَهَرَ لَنَا تَمَامُ حُسْنِهٖ لَمَا اَطَاقَتْ اَعْیُنُنَا رُؤْیَتَهٗ صلی اللہ علیہ وسلم

''اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کے حسن بے مثال کو ہمارے لیے پورا ظاہر نہیں فرمایا، کیونکہ اگر اس سارے حسن کو ظاہر فرمادیتے تو ہماری آنکھوں میں یہ استطاعت ہی نہیں تھی کہ محبوب کا دیدار کر سکیں''

لہٰذا اللہ رب العزت نے اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن کو کم ظاہر فرمایا چنانچہ اب اس حسن کو الفاظ میں بیان کرنا بہت مشکل کام ہے۔

جمال و حسن کی الفاظ میں تعبیر ناممکن
مجسم نور کی کھینچے کوئی تصویر ناممکن

حسنِ بے مثال کا تذکرہ کرنے کے مقاصد:

آج کی اس محفل میں اسی حسن بے مثال کا تذکرہ کرنے کے دو مقصد ہیں:

۞......ایک مقصد تو یہ ہے ع

ذکرِ حبیب کم نہیں وصلِ حبیب سے

جب آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہوگا تو یہ ایسا ہی ہے جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات۔

۞......اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ہمارے دل جب اچھی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن

وجمال کے بارے میں جان لیں گے تو پھر آنکھ میں دنیا کے حسینوں کی کوئی قدر ہی نہیں رہے گی۔ پھر ساری محبتیں اللہ کے لیے اور پھر اللہ کے پیارے حبیب ﷺ کے لیے ہونگی۔

کوئی لغزش نہ ہو جائے الٰہی! اس سے ڈرتا ہوں
بھروسے پر ترے اس کام کا آغاز کرتا ہوں

چنانچہ دل چاہتا ہے ع

ہوتی رہے ثنا تیرے حسن وجمال کی

حسنِ بے مثال...... صحابہ رضی اللہ عنہم کی نظر میں

آیئے! بچپن سے شروع کرتے ہیں۔

حلیمہ سعدیہؓ کی نظر میں:

حلیمہ سعدیہؓ ارشاد فرماتی ہیں:

جب میں اس بچے کو لینے کے لیے اس گھر میں گئی تو وہ آرام کر رہا تھا اور اس کے اوپر ایک کپڑا اڈالا گیا تھا۔

میں نے سوچا کہ میں بچے کی شکل تو دیکھوں، تو فرماتی ہیں:

فَاَشْفَقْتَ اَنْ اُوْقِظَهْ مِنْ نَوْمِهٖ لِحُسْنِهٖ وَجَمَالِهٖ فَدَنَوْتُ مِنْهُ رُوَيْدًا فَوَضَعتْ يَدِيْ عَلٰى صَدْرِهٖ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا فَفَتَحَ عَيْنَيْهِ يَنْظُرُ اِلَيَّ فَخَرَجَ مِنْ عَيْنَيْهِ نُوْرٌ حَتّٰى دَخَلَ خِلَالَ السَّمَاءِ

”میں اس کے حسن وجمال کو دیکھ کر گھبرائی کہ اس بچے کی کہیں آنکھ نہ کھل جائے۔ چنانچہ میں آہستہ سے اس کے قریب ہوئی اور میں نے بے اختیار اپنا

ہاتھ اس بچے کے سینے پر رکھ دیا۔ وہ بچہ مسکرا دیا اور اس نے میری طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے آنکھیں کھولیں، اس کی آنکھوں سے ایسا نور نکلا کہ وہ اس سے لے کر آسمان تک پھیل گیا''

اللہ کے حبیب ﷺ ابھی بچپن میں ہیں۔ یہ بچپن کے زمانے کے کمالات ہیں حلیمہ سعدیہ فرماتی ہیں:

وَلَمَّا دَخَلْتُ بِهٖ اِلٰی مَنْزِلِی لَمْ یَبْقَ مَنْزِلٌ مِّنْ مَنَازِلِ بَنِیْ سَعْدٍ اِلَّا شَمَمْنَا مِنْهُ رِیْحَ الْمِسْكِ

''جب میں اس بچے کو لے کر اپنے گھر میں داخل ہوئی تو بنو سعد کے گھرانوں میں کوئی گھر ایسا نہیں تھا جس گھر والوں نے اس کی مشک جیسی خوشبو کو نہ سونگھا ہو''

میرے آقا ﷺ کی خوشبو پورے قریے میں پھیل گئی۔

جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی نظر میں:

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے نبی علیہ السلام کے حسن و جمال کو اپنے اپنے انداز میں بیان کیا۔ ہر بندے کے اپنے تاثرات ہوتے ہیں۔ کوئی کسی چیز سے تشبیہ دیتا ہے کوئی کسی چیز سے۔

جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ وہ صحابی ہیں جن کے بارے میں نبی علیہ السلام نے فرمایا:

اِنَّ بِمَكَّةَ اَرْبَعَةَ نَفَرٍ مِّنْ قُرَیْشٍ اَرْبَأُ بِهِمْ عَنِ الشِّرْكِ وَاَرْغَبُ لَهُمْ فِی الْاِسْلَامِ

''مکہ میں چار بندے ایسے ہیں کہ میرا دل چاہتا ہے کہ وہ شرک کو چھوڑ کر دین اور اسلام قبول کر لیں''

یہ نبی علیہ السلام کی تمنا تھی۔ان چار افراد میں سے ایک جبیر بن مطعمؓ بھی تھے۔ان کے والد کا نام مطعم تھا۔یہ جبیر رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام سے بدر کے قیدی چھڑوانے کی بات کرنے کے لیے آئے ،تو نبی علیہ السلام نے ان کو دیکھ کر کہا:

لَوْ كَانَ مُطْعَمْ حَيًّاثُمَّ كَلَمَنِيْ فِيْ هٰؤُلَاءِ النَّتْنٰى لَتَرَكْتُهُمْ لَهٗ

''اگر تمہارے باپ مطعم زندہ ہوتے اور وہ مجھ سے ان کا فر مرداروں کے بارے میں بات کرتے تو میں سب کو آزاد کر دیتا''

نبی علیہ السلام نے مطعم کی اتنی زیادہ اہمیت کیوں بتائی؟

اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے نبی علیہ السلام پر دو احسانات تھے۔

(۱)...... جب قریش مکہ نے نبی علیہ السلام کو شعب ابی طالب میں بند کر دیا تھا تو اس میں سے نکلوانے میں سب سے مرکزی کردار مطعم کا تھا۔

(۲)...... جب نبی علیہ السلام طائف سے واپس تشریف لائے تو اہل مکہ نے آپ ﷺ کو مکہ میں داخل ہونے سے منع کر دیا تھا۔مطعم نے نبی علیہ السلام کو اپنی امان دی تو اللہ کے حبیب ﷺ مکہ تشریف لائے تھے۔

ان دو احسانات کی وجہ سے اللہ کے حبیب ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی۔

طبرانی شریف کی روایت ہے کہ یہ جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اِلْتَفَتَ اِلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِوَجْهِهٖ مِثْلِ شَقَّةِ الْقَمَرِ

''نبی علیہ السلام نے ہماری طرف توجہ فرمائی تو آپ ﷺ کا چہرۂ انور ایسے تھا جیسے کوئی چاند کا ٹکڑا ہوتا ہے''

ان صحابی رضی اللہ عنہ نے چاند کے ٹکڑے کی مثال دی۔

براء بن عازب رضی اللہ عنہما کی نظر میں:

براء بن عازب رضی اللہ عنہما ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کے ہم عمر تھے۔ بدر میں ان کو چھوٹی عمر ہونے کی وجہ سے شرکت کی اجازت نہیں ملی تھی۔ یہ بڑے بہادر تھے۔ مشہور شہر ''رے'' کے فاتح تھے۔ ان سے ۳۰۰ سے زیادہ احادیث مروی ہیں۔ یہ بھی نبی علیہ السلام کے حسن و جمال کو بہت مزے لے لے کر بیان کیا کرتے تھے، وہ فرماتے ہیں:

اَنَّهٗ سُئِلَ اَكَانَ وَجْهُ رَسُوْلِ اللّٰهِ مِثْلَ السَّيْفِ قَالَ: لَا بَلْ مِثْلَ الْقَمَرِ (بخاری شریف)

''ان سے پوچھا گیا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور تلوار کی طرح چمکتا تھا؟''
توانہوں نے جواب میں فرمایا: نہیں وہ تو چاند کی طرح چمکتا تھا۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے چاند کا ٹکڑا کہا اور دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ نے چاند کے ساتھ تشبیہ دی۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا:

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا نام چھ مشہور فقہا صحابہ میں سے ہے۔ نبی علیہ السلام نے ان کے بارے میں فرمایا: ''میری عائشہ آدھا دین ہے۔'' مزید فرمایا: کھانوں میں سے جو ثرید کو فضیلت حاصل ہے وہ عورتوں میں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو حاصل ہے۔ ان کی پاکدامنی کی گواہی خود اللہ رب العزت نے قرآن میں بیان فرمائی۔ یہ حبیبۂ حبیبِ خدا فرماتی ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَحْسَنَ النَّاسِ وَجْهًا وَاَنْوَرَهُمْ لَوْنًا لَمْ يَصِفْهُ وَاصِفٌ اِلَّا شَبَّهَ بِالْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ

نبی علیہ السلام کا چہرہ سب انسانوں سے زیادہ خوب صورت اور ان کا رنگ

سب سے زیادہ منور ہے، کوئی تعریف کرنے والا ان کی تعریف نہیں کر سکتا، اتنا کہہ سکتا ہے کہ ان کی تشبیہ چودھویں رات کے چاند کی طرح دی جا سکتی ہے"

تو ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے چاند کا ٹکڑا کہا۔ دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ نے چاند کہا اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے چودھویں کا چاند کہا۔

ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کی نظر میں:

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام کے نواسے اور صحابی ہیں۔ دونوں شہزادوں کے بارے میں نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

"سَيِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ"

"دونوں جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں"

ایک موقع پر نبی علیہ السلام نے حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کو دیکھا تو فرمایا:

"هُمَا رَيْحَانَتَایَ"

"یہ دونوں میرے پھول ہیں"

جب نبی علیہ السلام نے پردہ فرمایا تو اس وقت حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی عمر مبارک سات سال تھی، ان کو بچپن کی کچھ باتیں تو یاد تھیں، مگر انہیں بڑی عمر کے صحابہؓ سے بات پوچھنے میں زیادہ مزہ آتا تھا کہ میرے نانا جان کیسے تھے؟

ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ ان کے رشتے میں ماموں تھے۔ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی جو پہلی شادی تھی اس سے ان کے ایک بیٹے تھے اس بیٹے کا نام ہند تھا، جب نبی علیہ السلام سے شادی ہوئی تو وہ بیٹے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت میں آ گئے، ایسے بچے کو تربیت کی وجہ سے ربیب کہتے ہیں، یعنی بیوی کے بیٹے، پہلے خاوند سے، گویا رشتے میں تو بیٹے ہی بن گئے۔ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے نبی علیہ السلام کی اولاد بھی ہوئی، گویا فاطمۃ الزہراؓ

کے بھائی بنے۔ ماں ایک تھی، اس لیے حضرت حسن رضی اللہ عنہ ان کو کہتے تھے: میرے ماموں ہند بن ابی ہالہ۔ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

وَكَانَ وَصَّافًا عَنْ حُلْيَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم

''وہ نبی علیہ السلام کے سراپا اور حسن و جمال کو مزے لے لے کر بیان کیا کرتے تھے''

وَاَنَا اَشْتَهِيْ اَنْ يَّصِفَ لِيْ مِنْهَا شَيْئًا اَتَعَلَّقُ بِهٖ

''اور میرے دل کی تمنا رہتی تھی کہ وہ میرے سامنے محبوب کا تذکرہ کریں تاکہ میری محبت نانا جان سے اور زیادہ بڑھ جائے''

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے نبی علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

يَتَلَأْلَأُ وَجْهُهٗ تَلَأْلُؤَ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ

''نبی علیہ السلام کا چہرہ انور اس طرح چمکتا تھا جس طرح کہ چودھویں رات کا چاند چمک رہا ہوتا ہے''

جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی نظر میں:

جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں۔ یہ ایک مرتبہ نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ چودھویں رات کا چاند چمک رہا تھا، مگر منظر اس طرح بنا کہ سامنے ایک طرف اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور ہے اور دوسری طرف چودھویں رات کا چاند ہے۔ اس منظر کو دیکھ کر فرماتے ہیں

فَجَعَلْتُ اَنْظُرُ اِلَيْهِ وَاِلَى الْقَمَرِ

''میں کبھی نبی علیہ السلام کے چہرہ انور کو دیکھتا اور کبھی چودھویں رات کے چاند کو دیکھتا''

فَلَهُوَ عِنْدِیْ اَحْسَنُ مِنَ الْقَمَرِ

''میرے دل نے یہ فیصلہ کیا کہ اے اللہ کے حبیب ﷺ! آپ چودھویں رات کے چاند سے بھی زیادہ حسین ہیں''۔

چاند سے تشبیہ دینا یہ کہاں انصاف ہے
چاند کے منہ پہ چھائیاں، میرے مدنی کا چہرہ صاف ہے

ویسے بھی علما نے لکھا ہے کہ چاند کی روشنی تو مستعار تھی لیکن اللہ کے حبیب ﷺ کے چہرے کا نور ذاتی وصف تھا، اس لیے چاند سے تشبیہ دے ہی نہیں سکتے۔ کسی نے کیا ہی اچھی بات کہی: ؎

کوئی منظر حسین نہیں لگتا
اب تو یہ دل کہیں نہیں لگتا
چاند اچھی طرح سے دیکھ لیا
چاند تجھ سا حسین نہیں لگتا

انہی جابر رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا: کیا نبی علیہ السلام کا چہرہ انور تلوار کی طرح چمکتا تھا؟ تو جواب میں فرمایا:

لَا بَلْ كَانَ مِثْلَ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ

''نہیں بلکہ آقا ﷺ کا چہرہ انور تو چاند اور سورج کی طرح چمکتا تھا''

ایک صحابی عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما ہیں، ان کا عجیب گھرانہ تھا۔ ان کی والدہ سمیہ رضی اللہ عنہا اسلام کی پہلی شہیدہ تھیں۔ جب ان کو ابوجہل اور ابولہب وغیرہ سزا دے رہے ہوتے تو نبی علیہ السلام ارشاد فرماتے:

''صَبْرًا يَا آلَ يَاسِرْ فَاِنَّ مَوْعِدَكُمُ الْجَنَّةُ''

''اے آل یاسر! صبر کرو، تمہارا ٹھکانہ جنت ہے''

نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

''اِنَّ الْجَنَّةَ لَتَشْتَاقُ اِلٰى ثَلٰثٍ عَلِيٍّ وَّعَمَّارٍ وَّسَلْمَانَ''

''تین بندے ایسے ہیں کہ جنت ان کی مشتاق ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عمار رضی اللہ عنہ اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ''

عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے پوتے نے ایک صحابیہ ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا سے نبی علیہ السلام کے حلیہ مبارک کے بارے میں پوچھا تو وہ فرمانے لگیں:

لَوْرَاَيْتَهٗ رَاَيْتَ الشَّمْسَ طَالِعَةً

''اگر کوئی بندہ نبی علیہ السلام کے چہرہ انور کو دیکھتا تو یوں محسوس ہوتا جیسے سورج طلوع ہو رہا ہوتا ہے''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے سے جو انوار ظاہر تھے

انہی انوار کی کچھ بھیک ہے ان چاند تاروں میں

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی نظر میں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما چھٹے نمبر کے صحابی تھے۔ چنانچہ وہ اپنے بارے میں فرماتے تھے:

لَقَدْرَاَيْتَنِيْ سَادِسَ سِتَّةٍ

''میں نے اپنے آپ کو چھٹے نمبر کا مسلمان پایا''

یہ نبی علیہ السلام کے سفر کے خادم تھے۔ نعلین مبارک سنبھالتے تھے، مسواک پیش کرتے تھے، بستر بچھاتے تھے، وضو کرواتے تھے، خیال رکھتے تھے، انہی کو اللہ تعالیٰ نے ابوجہل کا سر کاٹنے کی سعادت عطا کی۔ ایک مرتبہ نبی علیہ السلام نے حکم فرمایا: ابن مسعود!

قرآن سناؤ۔ تو انہوں نے سورۃ نساء کی کچھ آیتیں نبی علیہ السلام کے سامنے پڑھیں۔ وہ فرماتے ہیں:

كُنْتُ اِذَارَاَيْتَ وَجْهَ رَسُوْلِ اللّٰهِ قُلْتُ كَاَنَّهٗ دِيْنَارًا

''جب بھی میں نبی علیہ السلام کے چہرہ انور کو دیکھتا تو مجھے یوں لگتا کہ جیسے چاندی کا کوئی سکہ ہے''

پہلے زمانے میں چاندی کا نیا نیا سکہ بہت چمک دار ہوتا تھا۔ اس زمانے میں چونکہ دینار ہوتے تھے اس لیے انہوں نے دینار کے ساتھ تشبیہ دی۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی نظر میں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سید المحدثین ہیں، وہ فرماتے ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَبْيَضُ كَاَنَّمَا صِيْغَ مِنْ فِضَّةٍ

''اللہ کے پیارے حبیب ﷺ کا جمال ایسا تھا کہ جیسے چاندی سے کوئی چیز ڈھلی ہوئی ہوتی ہے''

جب رسول اللہ ﷺ کا ایسا حسن و جمال ہے تو پھر محبت انہی سے کرنے کا مزہ ہے۔ ہم اگر تصور بھی کریں تو دنیا کی شکلوں کی بجائے اللہ کے حبیب ﷺ کا تصور کریں۔

کسی کی جستجو ہے اور میں ہوں
تجسس چار سو ہے اور میں ہوں
ترے قربان او میرے تصور !
وہ گویا رو برو ہے اور میں ہوں
تجھے ہرگز نہ جانے دوں گا دل سے
خیال یار! تو ہے اور میں ہوں

اگر انسان تہجد کے وقت میں نبی علیہ السلام کا خیال دل میں جمائے تو پھر محبت کی کچھ لہریں اٹھ رہی ہوتی ہیں۔ اسی لیے عاشقوں کے لیے تہجد کا وقت بہترین وقت ہوتا ہے۔

رات کا خاموش منظر اور تصور یار کا
ہے یہی اک وقتِ راحت عشق کے بیمار کا

اس وقت عشق کے بیمار کو راحت مل رہی ہوتی ہے۔

دنیا کا طلب گار رہا ہے نہ رہے گا
سرکار کے قدموں کے نشاں ڈھونڈنے والا
نظروں میں رہے جس کے جمال رخ سرکار
اس شخص کا دنیا میں اجالا ہے اجالا

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی نظر میں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ ایک ایسے صحابی رضی اللہ عنہ ہیں جنہوں نے نبی علیہ السلام کی دس سال تک خدمت کی۔ ان کی والدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے ان کو چھوٹی عمر میں ہی نبی علیہ السلام کی خدمت میں پیش کر دیا، یہ نبی علیہ السلام کے لیے سبزی توڑ کے لاتے تھے۔ چنانچہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کنیت ''ابوحمزہ'' رکھی یعنی سبزی توڑنے والا۔

ایک مرتبہ ان کی خدمت سے خوش ہو کر نبی علیہ السلام نے ان کی عمر میں، مال میں اور اولاد میں برکت کی دعا دی۔ حدیث پاک میں ہے کہ ان کے مال میں ایسی برکت آئی کہ لوگوں کے باغ سال میں ایک مرتبہ پھل دیتے تھے اور ان کا باغ سال میں دو مرتبہ پھل دیتا تھا۔ ان کے پاس سونے کی اینٹیں ہوتی تھیں اور وہ ان اینٹوں کو لکڑی کاٹنے والے کلہاڑے کے ساتھ توڑا کرتے تھے۔ اب سوچیں کہ اگر لکڑی کاٹنے والے کلہاڑے کے ساتھ سونے کو توڑا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تولے ماشے کی بات نہیں تھی۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی اولا میں بھی برکت دی۔ انہوں نے اپنی آنکھوں سے اپنی اولاد اور ان کے بچے ایک سو پچیس (125) کی تعداد میں دیکھے۔ بیٹے، بیٹیاں، پوتے، پوتیاں، نواسے، نواسیاں۔

اللہ رب العزت نے ان کی عمر میں ایسی برکت دی کہ وہ ۱۰۳ سال تک زندہ رہے۔

اللہ تعالیٰ نے تینوں چیزوں میں برکت دی۔

ایک مرتبہ ایک صاحب ان کے ہاں مہمان آئے تو باندی نے ان کے ہاتھ دھلوائے، بعد میں ہاتھ صاف کرنے کے لیے کپڑا نہیں تھا، چنانچہ وہ ایک تولیہ لائیں جو میلا تھا، یہ دیکھ کر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ان کو ڈانٹا کہ میلا تولیہ لے کے آئی ہو۔ وہ کہنے لگی: ابھی لاتی ہوں، وہ دوڑی ہوئی گئیں، سامنے ایک تنور تھا، جس میں آگ جل رہی تھی۔ اس نے وہ تولیہ تنور میں ڈال دیا پھر تھوڑی دیر کے بعد وہ اس کو باہر نکال کر لے آئی تو وہ بڑا صاف ستھرا اور گرم گرم تھا۔ اس نے مہمان کو پیش کیا اور کہا: جی اب آپ اس تولیے سے ہاتھ صاف کرلیں۔ یہ دیکھ کر مہمان حیران ہوا اور پوچھنے لگا: بھئی! یہ مسئلہ کیا ہے؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ ایک مرتبہ نبی علیہ السلام ہمارے گھر میں تشریف لائے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تولیے سے اپنے مبارک ہاتھوں کو صاف کیا تھا۔ اس کے بعد آگ نے اس تولیے کو جلانا چھوڑ دیا۔ چنانچہ جب یہ میلا ہو جاتا ہے تو ہم اس کو آگ میں ڈال دیتے ہیں، آگ میل کچیل تو کھا لیتی ہے مگر تولیے کو نہیں جلاتی اور ہم صاف تولیہ باہر نکال لیتے ہیں۔

وہ انس رضی اللہ عنہ بتلاتے ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَبْيَضَ الْوَجْهِ

"نبی علیہ السلام کا رنگ سفید، گورا چٹا تھا"

ایک لطیفہ یاد آیا۔ ایک نوجوان پٹھان عالم دورہ حدیث کر کے آئے اور انہوں نے درس حدیث دینا شروع کر دیا۔ لوگ تین چار دن تک تو ان کا درس سنتے رہے، پانچویں دن ایک بوڑھا کھڑا ہو گیا۔ اس نے کہا: خبردار! آج کے بعد تو نے درس نہیں دینا۔ اس نے کہا: کیوں؟ میں حدیث کا درس دے رہا ہوں۔ بوڑھے نے کہا: میں نے اتنے دن صبر کیا ہے کہ تو روز بیٹھ کر کہتا ہے: کالا کالا رسول اللہ ﷺ کالا ہو گا تیرا باپ، میرے آقا ﷺ تو گورے چٹے تھے۔ وہ بوڑھے میاں قال قال کو کالا کالا سمجھے۔ یہی انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ ﷺ حَسَنَ الْجِسْمِ

''نبی علیہ السلام کا جسم مبارک بہت خوب صورت تھا''

ابو طفیل رضی اللہ عنہ کی نظر میں:

ابو طفیل رضی اللہ عنہ ایسے صحابی ہیں جو سب صحابہ کے آخر میں فوت ہوئے۔ ان کی وفات ۱۱۰ھ میں ہوئی۔ وہ فرماتے ہیں:

كَانَ اَبْيَضَ مَلِيْحًا

''نبی علیہ السلام سفید تھے مگر ملیح تھے''

ملیح ملح سے نکلا ہے۔ اس کا مطلب ہے نمکین، جیسے کوئی بندہ نمکین چیز کو کھائے تو پھر چھوڑنے کو دل نہیں کرتا۔ ''نمکین چہرہ'' اردو کا ایک لفظ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ چہرہ جس سے نظر ہٹائی نہ جا سکے۔ ایک دفعہ دیکھو تو پھر دیکھنے کو جی چاہے، چنانچہ پھر دیکھے۔ اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ بڑا نمکین چہرہ ہے۔ ابو طفیل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام کا مبارک چہرہ ایسا ہی تھا۔

سچی بات تو یہ ہے کہ:

نازاں ہے جس پہ حسن وہ حسنِ رسول ﷺ ہے
یہ کہکشاں تو آپ ﷺ کے قدموں کی دھول ہے

کسی اور شاعر نے کہا۔

اے کہ تیرا جمال ہے زینتِ محفل حیات
دونوں جہاں کی رونقیں ہیں تیرے حسن کی زکات

نبی علیہ السلام کے حسن کی زکوۃ نکلی تو وہ دنیا میں خوبصورتی بن کے پھیل گئی۔

چنانچہ کسی نے عجیب بات کہی:۔

آپ آئے تو دو عالم میں بہار آئی ہے
پھول مہکے ہیں ستاروں نے ضیا پائی ہے
آپ کے حسن کی قرآن میں خود خالق نے
کئی رخ سے رخِ انور کی قسم کھائی ہے

جس چہرۂ انور کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرمائیں:

﴿قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ﴾ (البقرۃ:۱۴۴)

''میرے محبوب! جب آپ آسمان کی طرف دیکھتے ہیں تو ہم آپ کے چہرۂ اقدس کی طرف دیکھ رہے ہوتے ہیں۔''

پنجابی میں کسی نے نبی علیہ السلام کے حسن و جمال کو الفاظ کی لڑی میں یوں پرویا ہے:

حسنِ بے مثال ویکھ کے، آمنہ دا لال ویکھ کے
حسیناں دے تے مان ٹٹ گئے سوہنے دا جمال ویکھ کے

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی نظر میں:

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مرادِ مصطفیٰ ﷺ ہیں، چالیسویں نمبر پر اسلام قبول کرنے والے

ہیں۔ایک مرتبہ نبی علیہ السلام نے خواب دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بہت لمبی قمیص پہنی ہوئی ہے اور باقی لوگوں نے اپنے جسم کے سائز کے مطابق قمیص پہنی ہوئی ہے۔ جب آپ ﷺ نے خواب سنایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اے اللہ کے نبی ﷺ! اس خواب کی تعبیر کیا ہوگی؟ نبی علیہ السلام نے تعبیر دی کہ یہ قمیص ہر بندے کے دین کی مثال ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اتنا دین عطا کیا کہ تمہاری قمیص سب سے زیادہ لمبی تھی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے تھے:

كَانَ اِسْلَامُ عُمَرَ فَتْحًا وَكَانَتْ هِجْرَتُهٗ نَصْرًا وَكَانَتْ اَمَارَتُهٗ رَحْمَةً

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام کے بارے میں فرماتے ہیں:

بِاَبِيْ وَاُمِّيْ لَمْ اَرَ قَبْلَهٗ وَلَا بَعْدَهٗ مِثْلَهٗ

”میرے ماں باپ قربان، میں نے آپ ﷺ سے پہلے اور بعد میں آپ جیسا کوئی خوبصورت نہیں دیکھا“

یہی حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

وَاَحْسَنُ مِنْكَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَيْنِيْ
وَاَجْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ
خُلِقْتَ مُبَرَّءً امِّنْ كُلِّ عَيْبٍ
كَاَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ

یہاں ایک نکتہ سمجھ لیجیے آپ ﷺ کا حسن و جمال اتنا کیوں تھا؟

توجہ فرمائیے! حدیث پاک میں آیا ہے کہ جب جنتی جنت میں جائیں گے تو ان کی حور و غلمان پر جو پہلی نظر پڑے گی تو ان کے حسن کو دیکھ کر یہ اتنے زیادہ حیران ہونگے کہ

ستر سال تک یہ ٹکٹکی باندھ کر ان کو دیکھتے رہیں گے، ان کو وقت گزرنے کا پتہ ہی نہیں چلے گا، پھر وہ جنت میں رہنا شروع کر دیں گے۔

پھر ایک ایسا وقت آئے گا کہ جنتیوں کو اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا۔ جب ان کو اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا تو نور کی ایک بارش ہوگی اور وہ نور ہر جنتی کے چہرے کے اوپر لگ جائے گا۔ جیسے آندھی میں چہرے پر مٹی جم جاتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کے دیدار کی وجہ سے چہرے پر ایسا نور آ جائے گا کہ جب یہ جنتی واپس لوٹ کر آئیں گے تو جنتی مخلوق ان کو دیکھ کر اتنی حیران ہوگی کہ ستر سال تک وہ ان کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھتی رہ جائے گی۔ جب جنتی لوگ اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے اور اس کی وجہ سے ان کا حسن اتنا ہوگا کہ حور و غلمان بھی ستر سال تک ٹکٹکی باندھ کر ان کو دیکھیں گے تو جس اللہ کے حبیب ﷺ نے اپنی زندگی میں اللہ رب العزت کا دیدار کیا تو سوچیں کہ ان کا حسن کتنا بڑھا ہوگا۔ ان کے حسن و جمال کا کیا عالم ہوگا!

علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''جمع الوسائل'' میں فرماتے ہیں:

وَوَجْهُ التَّشْبِيْهِ حُسْنُ الْوَجْهِ وَصَفَا الْبَشْرَةِ وَسُطُوْعُ الْجَمَالِ لِمَا اُفِيْضَ عَلَيْهِ مِنْ مُّشَاهَدَةِ جَمَالِ الذَّاتِ

''نبی علیہ السلام کے چہرہ انور کے حسن و جمال کی صفائی کی اور چمک کی یہ جو ساری تشبیہات دی جاتی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے جمال ذات کی وجہ سے ان کے چہرے پر نور بہا دیا تھا۔'' اللہ اکبر کبیرا!

یعنی جنتی جنت میں اللہ کا دیدار حاصل کرنے کے بعد جو حسن پائیں گے وہ نبی علیہ سلام کے دنیا کے حسن کا ایک چھوٹا سا حصہ بھی نہیں ہو سکتا۔ اللہ نے اپنے حبیب ﷺ کو ایسا حسن و جمال عطا فرمایا تھا۔

ابنِ عساکر کی روایت:

ابنِ عساکر نے ایک عجیب بات لکھی ہے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ایک مرتبہ میرے ہاتھ سے سوئی گر گئی۔ اندھیرا تھا اور سوئی کا پتہ نہیں چل رہا تھا۔ اتنے میں میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کمرے میں تشریف لائے۔

فَتَبَیَّنَتِ الْاِبْرَۃُ مِنْ شُعَاعِ نُوْرِ وَجْهِهٖ

''جیسے ہی میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہوئے، چہرے کا ایسا نور تھا کہ مجھے اس کی وجہ سے اپنی سوئی نظر آ گئی اور میں نے اپنی وہ سوئی اٹھالی۔''

عبداللہ بنِ عباس رضی اللہ عنہما کی نظر میں:

بیہقی نے ''دلائل النبوۃ'' میں روایت بیان کی ہے۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَرَى بِاللَّيْلِ فِى الظُّلْمَةِ كَمَا يَرٰى بِالنَّهَارِ مِنَ الضَّوْءِ

''(اللہ تعالیٰ کا دیدار حاصل کرنے کے بعد) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بینائی ایسی ہو گئی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے اندھیرے میں اسی طرح دیکھتے تھے جیسے لوگ دن کی روشنی میں دیکھا کرتے تھے''

عمرو بنِ عاص رضی اللہ عنہما کی نظر میں:

مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے۔ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

وَمَا كَانَ اَحَدٌ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَلَا اَجَلَّ فِیْ عَيْنَیَّ مِنْهُ وَمَا كُنْتُ اُطِيْقُ اَنْ اَمْلَأَ عَيْنَیَّ مِنْهُ اِجْلَالًا لَّهٗ

''اور دنیا میں کوئی ایسا نہیں تھا کہ مجھے نبی علیہ السلام سے بڑھ کر اس سے محبت ہوتی، میری آنکھوں میں ان سے زیادہ کوئی بزرگی والا بھی نہیں تھا، اور میں جب جاتا تھا تو آقا ﷺ کے چہرہ انور کا نور اتنا ہوتا تھا کہ مجھے آپ ﷺ کے چہرہ انور کو آنکھ بھر کر دیکھنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی''

حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی نظر میں:

جواہر البحار میں حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:

لَمَّا نَظَرْتُ اِلٰی اَنْوَارِہٖ وَضَعْتُ کَفِی عَلٰی عَیْنَیَّ خَوْفًا مِنْ ذِھَابِ بَصَرِیْ

''میں ایک مرتبہ نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا' میرے آقا ﷺ کے چہرے پر ایسا نور تھا کہ میں نے اپنے ہاتھوں کو اپنی آنکھوں پر رکھ لیا کہ کہیں میری بینائی ہی نہ چلی جائے''

جب دنیا میں سورج کو دیکھیں تو آنکھ تاب نہیں لا سکتی۔ آقا ﷺ کے چہرے کا نور ایسا تھا۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اِنَّ جَمَالَ نَبِیِّنَا کَانَ فِیْ غَایَۃِ الْکَمَالِ لٰکِنَّ اللّٰہَ سَتَرَ عَنْ اَصْحَابِہٖ کَثِیْرًا مِنْ ذٰلِکَ الْجَمَالِ الزَّاھِرِ وَالْکَمَالِ الْبَاھِرِ اِذْ لَوْ بَرَزَ اِلَیْھِمْ لَصَعُبَ النَّظَرُ اِلَیْہِ عَلَیْھِمْ

''اللہ تعالیٰ نے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے اس جمال کو چھپایا تھا۔ اگر وہ جمال ان پر ظاہر کر دیا جاتا تو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی نگاہیں محبوب کے چہرے کی طرف دیکھ ہی نہ سکتیں''

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''نشر الطیب'' میں ایک عجیب بات لکھی ہے وہ فرماتے ہیں:

وَاَمَّا عَدْمُ تَعَشُّقِ الْعَوَامِ عَلَيْهِ كَمَا كَانَ عَلٰى يُوْسُفَ عليه السلام فَلِغَيْرَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى حَتّٰى لَمْ يَظْهَرْ جَمَالُهٗ كَمَا هُوَ عَلٰى غَيْرِهٖ كَمَا اَنَّهٗ لَوْ يَظْهَرْ جَمَالَ يُوْسُفَ عليه السلام كَمَا هُوَ الَّا عَلٰى يَعْقُوْبَ اَوْ زُلَيْخَا

یوسف علیہ السلام کو تو دیکھنے والوں نے دیکھا تو وہ عاشق ہو گئے۔ اب نبی علیہ السلام کے حسن و جمال کو اللہ نے چھپالیا۔ فرماتے ہیں کہ چھپانے کی وجہ اصل میں اللہ تعالیٰ کی غیرت تھی۔ غیرت نے پسند نہ کیا کہ میرے محبوب کے حسن و جمال کو تم میں سے کون دیکھنے کی تاب رکھتا ہے؟ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ نے اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے پورے جمال کو بھی ظاہر نہ ہونے دیا۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نظر میں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

مَنْ رَاٰهُ بَدَاهَةً هَابَهٗ وَمَنْ خَالَطَهٗ مَعْرِفَةً اَحَبَّهٗ يَقُوْلُ نَاعِتُهٗ لَمْ اَرَ قَبْلَهٗ وَلَا بَعْدَهٗ مِثْلَهٗ صلی اللہ علیہ وسلم

''جو شخص نبی علیہ السلام کو اچانک دیکھتا تو وہ مرعوب ہو جاتا' جو نبی علیہ السلام سے میل جول رکھتا وہ محبت کرنے لگ جاتا۔'' وہ ان کی تعریف میں یوں کہتا: ایسا حسین نہ میں نے کبھی پہلے دیکھا اور نہ میں نے کبھی اس کے بعد دیکھا۔

خواہش پری کی ہے نہ تمنا ہے حور کی
آنکھوں کے آگے بس رہے صورت حضور کی

سو بار صدقے ہو کے بھی یہ چاہتا ہے دل
سو بار اور آپ کے قربان جایئے

کہنے والے نے کہا:

ہمیں اس لیے ہے تمنائے جنت
کہ جنت میں ان کا نظارہ کریں گے

محبوبۂ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں:

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: زلیخا اور زنانِ مصر نے یوسف علیہ السلام کو دیکھا تو انگلیاں کاٹیں۔ لَوْرَأَیْنَ جَبِیْنَہٗ اگر وہ میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی کا نور دیکھ لیتیں تو وہ اپنے دل کے ٹکڑے کر لیتیں۔

حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

وَاَحْسَنُ مِنْكَ لَمْ تَرَقَطُّ عَيْنِىْ
وَاَجْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَآءُ
خُلِقْتَ مُبَرَّءً امِنْ كُلِّ عَيْبٍ
كَاَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ

سراپائے انوار کا تذکرہ

یہ تو نبی علیہ السلام کے حسن و جمال کا اجمالی تذکرہ تھا۔ اب ذرا تفصیل میں جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک ترتیب سے سنیے تاکہ تصور بنانا آسان ہو جائے۔

پر جمال قد مبارک:

قد مبارک کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

نبی علیہ السلام کا قد مبارک بہت لمبا نہیں تھا، البتہ جب مجمع میں ہوتے تو دوسروں سے قد نکلتا ہوا معلوم ہوتا تھا۔

نہ پستہ قد نہ لانبے ہی کوئی مفہوم ہوتے تھے
میانہ قد سے کچھ نکلے ہوئے معلوم ہوتے تھے
مگر مجمع میں ہوتے تھے کبھی جب حضرت والا
نمایاں اور اونچا تھا سرو قد بالا

اللہ رب العزت نے مہربانی یوں فرمائی کہ بہت اونچا قد نہیں بنایا تھا کیوں؟ اس لیے کہ وہ بھی عیب کہلاتا ہے۔ ہمارے ہاں اونچے قد والے کو ''لم ڈھینگ'' کہہ دیتے ہیں۔ زیادہ لمبا قد حسن و جمال کے خلاف ہوتا ہے۔ تو نبی علیہ السلام کا مبارک قد میانہ مگر مائل بہ درازی تھا۔ جب مجمع میں ہوتے تھے تو سب سے اونچے نظر آتے تھے۔ اس میں یہ حکمت تھی کہ لوگو! جس طرح ظاہر میں تم سے ان کا قد اونچا نظر آتا ہے حقیقت میں انسانوں میں سب سے زیادہ رتبہ بھی اللہ نے ان کو عطا فرمایا ہے۔

میانہ جسمِ اطہر:

جسمِ اطہر بہت زیادہ فربہ اور موٹا ہرگز نہیں تھا، پیٹ نکلا ہوا نہیں تھا، بہت خوبصورت پرسنیلٹی (شخصیت) تھی۔ چنانچہ ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعضا کی ساخت معتدل، بدن مبارک نہ موٹا نہ ڈھیلا بلکہ گھٹا ہوا مضبوط اور توانا تھا''۔

قربان جاؤں آپ کی اس چال ڈھال کے
رکھ دوں قدم قدم پہ کلیجہ نکال کے

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''نبی علیہ السلام کا جسم اطہر انتہائی خوبصورت تھا''

پرکشش رنگت:

آپ ﷺ کی مبارک رنگت سفیدی مائل تھی۔ ایک ہوتی ہے برص کی سفیدی' وہ بھبھوکی سفیدی ہوتی ہے' وہ اچھی نہیں لگتی۔ اور ایک ہوتی ہے ذرا گندمی مائل سفیدی، وہ خوبصورت لگتی ہے۔ اللہ کے پیارے حبیب ﷺ کی رنگت مبارک ایسی ہی تھی۔

''دلائل النبوۃ'' میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس میں وہ فرماتے ہیں:

''نبی علیہ السلام کا رنگ سفیدی سرخی مائل تھا''

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''نبی اکرم ﷺ کے جسم مبارک کا وہ حصہ جو دھوپ اور ہوا میں کھلا رہتا تھا وہ سرخی مائل معلوم ہوتا تھا اور جو حصہ کپڑوں میں چھپا رہتا تھا وہ سفید اور چمکدار معلوم ہوتا تھا''۔

نہ رنگت سانولی تھی اور نہ تھے اجلے بھبھوکے سے
سفید اور سرخ گورے گندمی تھے اور چمکتے تھے
کبھی جب مسکرادیتے تو بجلی کوند جاتی تھی
در و دیوار پر اک روشنی سی جگمگاتی تھی
نمایاں حسنِ یوسف میں سفیدی تھی صباحت تھی
یہاں سرخی تھی گل گوں رنگ تھا جس میں ملاحت تھی

ہمارے ہاں اگر کوئی ایسا بچہ ہو تو اس کو سیب سے تشبیہ دیتے ہیں۔ گویا محبوب ﷺ کے رنگ مبارک کو سیب سے تشبیہ دے سکتے ہیں۔

خوبصورت سر مبارک:

آپ ﷺ کا سر مبارک کیسا تھا؟ ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ کا سر مبارک اعتدال کے ساتھ بڑا تھا''
یعنی نہ اتنا بڑا کہ عیب بنے اور نہ ہی بالکل چھوٹا۔

موئے مبارک:

مبارک سر پر جو موئے مبارک تھے ان کے بارے میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''رسول اللہ ﷺ کے بال مبارک خوبصورت اور قدرے خمدار تھے، نہ بالکل سیدھے اور نہ ہی زیادہ پیچیدہ۔ جب ان میں کنگھی کرتے تو ہلکی لہریں بن جائیں جیسے ریت کے ٹیلے یا پانی کے تالاب میں ہوا کے چلنے سے لہریں ابھر آتی ہیں۔''

یعنی بال نہ تو ایسے کرلی (گھنگریالے) تھے جیسے حبشہ کے لوگوں کے ہوتے ہیں اور نہ اتنے سیدھے جیسے ہم میں سے بعض لوگوں کے ہوتے ہیں۔ آقا ﷺ کے بال مبارک ایسے تھے کہ ان کے اوپر لہروں کی شکل میں سلوٹیں بن جاتی تھیں۔ جس سے خوبصورتی نمایاں ہو جاتی تھی۔

سینہ گنجان گیسو جس پہ صدقے ہوں دل ودیدہ
ذرا مائل بہ خم بالکل نہ سیدھے ہی نہ پیچیدہ
درازی میں پہنچ جاتے تھے نیچے کان کی لو سے
درخشاں مانگ روشن کہکشاں ہے جس کے پرتو سے

رخ انور:

نبی علیہ السلام کا چہرہ انور گول اور ہلکا سا درازی مائل تھا۔ بالکل بھی گول نہیں تھا۔ لیکن گول درازی مائل تھا، اسی لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كَانَ فِيْ وَجْهِهٖ تَدْوِيْرٌ

''نبی علیہ السلام کے چہرے میں گولائی تھی''

کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''نبی علیہ السلام کا چہرہ مسرت کی حالت میں ایسا چمکتا تھا گویا کہ چاند کا ٹکڑا ہے۔ اس چمک کو دیکھ کر ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی کو پہچان لیتے تھے''

نبی علیہ السلام کے حقیقی چچا حضرت ابوطالب نے نبی علیہ السلام کے حسن و جمال کے بارے میں اشعار کہے۔ ان اشعار میں انہوں نے بڑا ہی عجیب مضمون باندھا۔ ان اشعار میں وہ نبی علیہ السلام کے بارے میں فرماتے ہیں:

''وہ گورے چہرے والا جس کے روئے زیبا کے ذریعہ ابر رحمت کی دعائیں مانگی جاتی ہیں''

ام معبد رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''ہمارے پاس سے ایک ایسا آدمی گزرا جو چمکتے رنگ، دمکتے چہرے والا تھا''۔

وہ گول اور طول کو تھوڑا سا مائل چہرہ انور
مہ و خورشید جس کے سامنے شرمندہ و کم تر
اچانک دیکھ لیتا جب کوئی مرعوب ہوجاتا
مگر اللہ کا محبوب پھر محبوب ہوجاتا

پرنور پیشانی:

اب نبی علیہ السلام کی منور پیشانی کا ذکر سنیے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بے حد روشن جبین تھے۔ جب رات کی تاریکی یا پو پھٹنے کے

وقت آتے تو سیاہ بالوں کے درمیان بالخصوص آپ کی تابناک اور کشادہ پیشانی روشن چراغ کی طرح جگمگا اٹھتی تھی''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی اتنی روشن اور تابندہ تھی گویا اس سے سورج کی کرنیں پھوٹ رہی ہوں''۔

کشادہ اور نورانی مبارک پاک پیشانی
کہ جس سے عاریت شمس وقمر نے لی ہے تابانی

خوبصورت ابرو:

نبی علیہ السلام کے ابرو مبارک کے بارے میں ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابرو قوس کی طرح خمدار، باریک اور گنجان تھے، لیکن دونوں جدا جدا۔ ان کے درمیان ایک رگ کا ابھار تھا جو غصہ آنے پر نمایا ہو جاتا''

یعنی دونوں ابرو الگ الگ تھے، درمیان میں بال نہیں تھے۔ بالکل قوس کی طرح تھے۔ پہلی کے چاند (کریسنٹ) کی طرح تھے۔

گھنے باریک اور خمدار تھے مثلِ کمال ابرو
ذرا کچھ فصل سے دونوں ہلالِ ضوفشاں ابرو
رگ پاک اک دونوں ابروؤں کے درمیان میں تھی
جو غصے میں ابھر آتی تھی تیر اک دوکماں میں تھی

دونوں ابروؤں کے درمیان میں ایک رگ تھی، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی جلال میں آتے اور خاموش ہوتے تو وہ ابھر آتی تھی۔ اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ جیسے دو کمانوں میں ایک تیر پڑا ہوتا ہے ایسے تیر نظر آیا کرتا تھا۔

دلنشین آنکھیں:

نبی علیہ السلام کی دلنشین آنکھوں کے بارے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''نبی علیہ السلام کی آنکھیں سُرمگیں تھیں'' اَکْحَلُ الْعَیْنَیْنِ

یعنی سرمہ ڈالے بغیر ایسے محسوس ہوتا تھا جیسے نبی علیہ السلام نے سرمہ ڈالا ہوا ہوتا تھا۔

چمکدار اور سیاہ پتلی بڑی آنکھیں
کہ بے سرمہ بھی رہتی تھیں ہمیشہ سرمگیں آنکھیں

ام معبد رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں انتہائی سیاہ اور کشادہ تھیں''

ان آنکھوں میں ایسی حیا تھی کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''میں نے نبی علیہ السلام کی آنکھوں میں وہ حیا دیکھی جو مجھے مدینے کی کنواری لڑکیوں کی آنکھوں میں بھی نظر نہیں آتی تھی۔''

اللہ جو حسن دے تو حیا بھی ضرور دے
کس کام کی وہ آنکھ کہ جس میں حیا نہ ہو؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک آنکھوں میں جو پتلی تھی وہ خوب کالی تھی اور جو سفیدی تھی وہ خوب سفید تھی۔ مگر سفیدی کے اندر سرخ ڈورے پڑے ہوئے تھے۔ کسی نے کہا:

نہیں آنکھوں میں آپ کے ڈورے
یہ محبت کا جال ہے شاید

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی حسین آنکھیں عطا فرمائی تھیں کہ

خمار آلود آنکھوں پر ہزاروں میکدے قرباں
حسیں وہ بے پئے رات دن مخمور رہتا ہے

جاذبِ نظر پلکیں:

آپ ﷺ کی مبارک پلکوں کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''نبی علیہ السلام اَهْدَبُ الْاَشْعَار (لمبی پلکوں والے) تھے۔

حسین رخسار:

آپ ﷺ کے رخسار مبارک کیسے تھے؟ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''نبی اکرم ﷺ کے رخسار مبارک ہلکے اور ہموار تھے۔ جن میں ابھار تھا' نہ بلندی''

یعنی رخسار مبارک ایسے نہیں تھے کہ گوشت اوپر آنکھوں پر چڑھا جا رہا ہو' اور نہ ایسے تھے کہ گوشت لٹک رہا ہو' بلکہ ہموار تھے۔

خوبصورت ستواں ناک:

نبی علیہ السلام کی ناک مبارک...... ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''آپ ﷺ کی ناک مبارک بلندی مائل سامنے سے قدرے جھکی ہوئی تھی۔ اس پر نورانی چمک تھی جس کی وجہ سے سرسری نظر میں بڑی اونچی معلوم ہوتی تھی''

نبی علیہ السلام کی ناک مبارک پر ایک خاص نور تھا۔

وہ بینی مبارک جس پہ نور اک جگمگاتا تھا
کہ جو ظاہر میں بینی کی بلندی کو بڑھاتا تھا

دہن دلربا:

پھر آپ ﷺ کا دہن مبارک ہے، جسے منہ کہتے ہیں۔ ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''نبی علیہ السلام اعتدال کے ساتھ فراخ دہن تھے''

بعض لوگوں کے منہ بہت چھوٹے ہوتے ہیں اور بعض لوگوں کے منہ بہت چوڑے ہوتے ہیں۔ نبی علیہ السلام کا دہن مبارک اعتدال کے ساتھ بڑا تھا۔ یہ وہی منہ مبارک ہے جس کے اندر سے اللہ کا قرآن نکلا، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾ (النجم: ۳ تا ۴)

گفتہ او گفتہ اللہ بود

گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

دندان مبارک:

نبی علیہ السلام کے دندان مبارک کیسے تھے؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہنستے تھے تو دندان مبارک سے روشنی سی نمودار ہوتی 'ایسا لگتا کہ دیواریں جگمگا اٹھیں گی''

ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَفْلَجَ الثَّنِيَّتَيْنِ اِذَا تَكَلَّمَ رُاِىَ كَالنُّوْرِ يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ ثَنَايَاهُ

''نبی علیہ السلام کے سامنے والے دانتوں میں تھوڑا سا فاصلہ تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکراتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک سے ایک نور نکلتا تھا''

مداح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امام بوحیری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک کو چمکدار موتیوں سے تشبیہ دی:

كَاَنَّمَا اللُّؤْلُؤُ الْمَكْنُوْنُ فِيْ صَدَفٍ

مِنْ مَّعْدَنَيْ مَنْطِقٍ مِنْهُ وَمُبْتَسَمٍ

فراخی تھی دہن میں اور دو دنداں کشادہ تھے
جمال و حسن میں جو موتیوں سے بھی زیادہ تھے
وہ نوری کوئی سانچا تھا کہ جس میں نور ڈھلتا تھا
بوقتِ گفتگو ریخوں سے چھن چھن کر نکلتا تھا

خوبرو کان:

نبی علیہ السلام کے کان مبارک بھی خوبصورت تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کان مبارک خوبصورت اور متناسب تھے“

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

تَخْرُجُ الْاُذُنَانِ بِبَيَاضِهِمَا مِنْ تَحْتِ تِلْكَ الْغَوَائِرِ
كَاَنَّمَا تُوْقَدُ الْكَوَاكِبُ الدُّرِّيَّةُ بَيْنَ ذٰلِكَ السَّوْدَاء

”نبی علیہ السلام کی مبارک زلفوں میں سے جب کبھی کان ظاہر تھے تو یوں لگتا تھا کہ جیسے اندھیرے میں سے چمکتا ہوا کوئی روشن ستارہ نکل آیا ہو۔“

مونچھیں مبارک:

نبی علیہ السلام کی مبارک مونچھیں کیسی تھی؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں:

”نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لبوں کے زائد بالوں کو کاٹ دیتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اپنے لبوں کے بالوں کو کتر دیا کرتے تھے“

ریش مبارک:

اللہ کے پیارے حبیب ﷺ کی ریش مبارک کے بارے میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

"نبی علیہ السلام کی ریش مبارک کے بال بھر پور تھے"

بعض لوگوں کی پتلی سی داڑھی ہوتی ہے۔ چند بال ادھر اور چند بال ادھر۔ نہیں، ریش مبارک کے بال بھر پور تھے مگر تقریباً ایک قبضہ (مٹھی) کے برابر لمبے تھے۔ اگر اور زیادہ لمبے ہو جاتے تھے تو اللہ کے نبی ﷺ برابر فرما دیتے تھے۔

گردن مبارک:

آپ ﷺ کی گردن مبارک کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے:

"نبی علیہ السلام کی گردن مبارک لمبی، پتلی اور چمکدار تھی، دیکھنے سے چاندی کی صراحی نظر آتی تھی"۔

بلند و دلفریب و خوشنما تھی آپ کی گردن
بت سیمیں کی جیسے ہو تراشی یا ڈھلی گردن

خوبصورت کندھے:

اللہ کے محبوب ﷺ کے مبارک کندھے کیسے تھے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے:

"نبی علیہ السلام کے دوش مبارک بڑے بڑے اور درمیانی جگہ پر گوشت تھا"

یعنی کندھے بڑے بڑے تھے۔ گویا جسم کے اعضا، مضبوط اور بڑے تھے، کمزور نہیں تھے۔

نورانی و معطر بغلیں:

آپ ﷺ کی مبارک بغلیں کیسی تھیں؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"نبی علیہ السلام دعا کرتے وقت اپنے دونوں ہاتھوں کو اتنا اونچا کرتے تھے کہ بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگتی"

ایک صحابی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بغلوں کا پسینہ کستوری سے زیادہ خوشبودار تھا"۔

بغل میں تھی سفیدی جسم اطہر کی طرح تاباں
بدن تھا مشک وعنبر سے بھی خوشبودار بے پایاں

فراخ سینہ بے کینہ:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ مبارک کشادہ (چوڑا) تھا۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"نبی علیہ السلام کا سینہ مبارک کشادہ، مضبوط اور شفاف تھا"۔

تھے چوڑے دونوں شانے، فصل کچھ ان میں زیادہ تھا
ذرا ابھرا ہوا تھا سینہ، پاک اور کشادہ تھا

شکمِ اطہر:

نبی علیہ السلام کا شکمِ اطہر کے بارے میں ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیٹ اور سینہ ہموار تھے"

یعنی پیٹ آگے کو نکلا ہوا نہیں تھا، بلکہ پیٹ اور سینہ ہموار تھے۔ یہ اچھی صحت اور خوبصورتی کی علامت ہوتی ہے۔

شکم اور سینہ ہموار اک نمائش تھی جمالوں کی
تھی سینے سے لکیر اک ناف تک باریک بالوں کی

سینۂ انور سے لے کر ناف تک بالوں کی ایک باریک سی لکیر آتی تھی۔ باقی پورے

جسم پر ایسے بال نہیں تھے، جیسے بعض لوگوں کے زیادہ بال ہوا کرتے ہیں۔ جسمِ اطہر بالکل شفاف تھا۔ جہاں بال ہونے چاہییں، وہاں تھے۔

تھے کچھ بال اوپری حصے میں بازو اور سینے کے
بقیہ کل بدن بے باگ تھا مثل آگینے کے

متوازن ناف:

نبی علیہ السلام کی مبارک ناف متوازن تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک سے لے کر ناف تک ایک باریک لمبی دھاری تھی۔''

بازو مبارک:

نبی علیہ السلام کے بازوئے مبارک کے متعلق سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بازو موٹے اور کلائیاں اعتدال کے ساتھ بڑی تھیں''

جیسے بڑے اور سٹرانگ (مضبوط) مسلز ہوتے ہیں۔ ایسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بازوئے مبارک کے مسلز اتنے سٹرانگ ہوتے تھے۔

خوبصورت اور نرم ہتھیلیاں:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک ہتھیلیاں بہت ہی نرم اور خوبصورت تھیں۔ شمائل میں ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، وہ فرماتے ہیں:

''نبی علیہ السلام کی ہتھیلیاں کشادہ اور پر گوشت تھیں''

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت بخاری شریف میں ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

وَلَا مَسَسْتُ خَزًّا وَّلَا حَرِيْرًا وَلَا شَيْئًا كَانَ اَلْيَنُ مِنْ كَفِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ

''میں نے ریشم کو بھی چھو کر دیکھا، مگر ریشم بھی اتنا نرم نہیں تھا جیسے میرے آقا ﷺ کی ہتھیلیاں تھیں''۔

کف دست اور پنجے پائے اطہر کے کشادہ تھے
گداز و نرم دیبا اور ریشم سے زیادہ تھے

یہ وہ مبارک ہاتھ تھے جن کو اللہ رب العزت نے قرآن میں اپنے ہاتھ سے تشبیہ دی، فرمایا:

يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ

ان صحابہ کے ہاتھوں کے اوپر جو میرے محبوب کا ہاتھ ہے، حقیقت میں ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔

انگشت ہائے دلآویز:

نبی علیہ السلام کی مبارک انگلیاں بہت خوبصورت تھیں۔ بخاری شریف کی روایت ہے۔ ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''نبی علیہ السلام کی انگلیاں موزوں حد تک دراز تھیں''

''یہ وہ مبارک انگلیاں ہیں جن کے اشارے سے اللہ نے چاند کو دو ٹکڑے کر دیا تھا''۔

اشارے سے ٹکڑے ہوئے تھے قمر کے
یہ دستِ نبی کا مقام اللہ اللہ

اعضا کے جوڑ:

نبی علیہ السلام کے اعضا کے جوڑ کیسے تھے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ کے اعضا کے جوڑوں کی ہڈیاں بڑی بڑی تھیں''۔

کلاں تھیں ہڈیاں مربوط اور پرگوشت تھے اعضا

تھے لمبے ہاتھ لمبی انگلیاں متناسب و زیبا

سڈول کمر:

نبی علیہ السلام کی کمر مبارک پتلی سی تھی۔ حضرت معرش کعبی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''نبی علیہ السلام نے جعرانہ سے عمرے کا احرام باندھا۔ جب نبی علیہ السلام نے اوپر کی چادر لپیٹی تو اس وقت مجھے آپ ﷺ کی کمر دیکھنے کا موقع ملا چنانچہ آپ ﷺ کی کمر سفیدی اور چمک میں چاندی سے ڈھلی ہوئی معلوم ہوتی تھی''۔

کسرتی پنڈلیاں:

نبی علیہ السلام کی مبارک پنڈلیاں ٹھوس تھیں۔ جیسے ورزش کرنے والے بندے کی پنڈلیاں ٹھوس ہوتی ہیں۔ لیکن بہت موٹی بھی نہیں تھیں۔ چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''آپ ﷺ کی پنڈلیاں زیادہ بھاری بھرکم اور پرگوشت نہ تھیں''۔

تھیں ان کی پنڈلیاں ہموار اور شفاف

لطافت کا وہ عالم شاخ طوبی جس سے شرمندہ

خوشنما پاؤں:

اللہ کے حبیب ﷺ کے مبارک پاؤں کیسے تھے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''نبی علیہ السلام کے دونوں پاؤں نرم اور پرگوشت تھے''

ترشی ہوئی ایڑیاں:

آپ ﷺ کی ایڑیاں ایسی تھیں جیسے تراشی ہوئی ہوتی ہیں۔ جابر بن سمرہ فرماتے ہیں:

''نبی علیہ السلام کی ایڑیوں پر گوشت کم تھا''۔

قدم آئینہ سا، قطرہ نہ پانی کا ذرا ٹھہرے
تھیں کم گوشت اور ہلکی ایڑیاں تلوے ذرا گہرے

سفید نقرئی بال:

نبی علیہ السلام کے زیادہ موئے مبارک تو سیاہ تھے، مگر کچھ سفیدی بھی تھی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر اور ریش مبارک میں بیس بالوں سے زیادہ سفید نہیں تھے''

یعنی زیادہ سے زیادہ بیس بال سفید تھے۔

سوچیے! وہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنی محبت کے ساتھ تکتے رہتے ہوں گے کہ جنہوں نے بالوں کو بھی گنتی میں لے لیا۔ اللہ اکبر کبیرا! ایسے لگتا ہے کہ وہ ٹکٹکی باندھ کر اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کرتے تھے۔

رفتار باوقار:

نبی علیہ السلام کی رفتار باوقار کیسی تھی؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''نبی علیہ السلام چلتے وقت آگے کی طرف جھکاؤ رکھتے اور مضبوطی سے قدم اٹھاتے، ایسے لگتا تھا جیسے اونچائی سے نیچائی کی طرف اتر رہے ہوں۔''

مہرِ نبوت:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر نبوت کیسی تھی؟ اللہ رب العزت نے اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو ختمِ نبوت کی نشانی کے طور پر ''مہرِ نبوت'' عطا فرمائی تھی۔ سائب بن یزید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''نبی علیہ السلام کے دونوں کندھوں کے درمیان مہر نبوت تھی''

اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما نے نبی علیہ السلام کی وفات کے بعد جب دیکھا تو اس وقت مہر نبوت غائب ہو چکی تھی۔

ابن حبان نے کہا:

''مہرِ نبوت پر محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا''

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق:

''مہرِ نبوت گھٹتی بڑھتی تھی اور اس کا رنگ بھی بدلتا تھا''

سرخ نظر آتی تھی۔

اس لیے جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''مہرِ نبوت کبوتری کے انڈے جیسی سرخ رسولی کی مانند تھی''

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس مہر نبوت کو دیکھنے کے لیے ترستے تھے۔ مثال کے طور پر:

۞ ...... حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا مشہور واقعہ ہے۔ انہوں نے نبی علیہ السلام پر ایمان لانے کے لیے مہر نبوت کو دیکھنا چاہا۔ باقی نشانیاں پوری ہو چکی تھیں۔ نبی علیہ السلام نے دیکھ کر پہچان لیا، چنانچہ جب وہ قریب آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کپڑا ہٹا دیا اور فرمایا: اچھا مہرِ نبوت دیکھنا چاہتے ہو۔ چنانچہ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے مہر نبوت کو دیکھا اور کلمہ پڑھ کر ایمان لے آئے۔

۞ ...... ایک مزے کا واقعہ سنیے! ایک صحابی اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ ذرا جولی فیلو تھے، یعنی صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو باتیں کر کے ہنساتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے نبی علیہ السلام کی محفل میں کوئی بات سنائی تو لوگ زیادہ ہنسنے لگ گئے۔ نبی علیہ السلام نے اپنی مبارک انگلی ان کے پیٹ میں چبھوئی۔ جیسے کوئی پیٹ میں انگلی چبھو کر کہتا ہے: اب بس بھی کرو۔ نبی علیہ السلام نے ان کو اس طرح انگلی چبھو کر چپ کروایا، بات آئی

گئی ہوگئی۔

ایک دن نبی علیہ السلام نے وعظ فرمایا اور آخیر میں فرمایا:

''لوگو! اگر تم میں سے میں نے کسی کا حق دینا ہو تو وہ مجھ سے لے سکتا ہے''

یہ سن کر وہ اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوگئے اور عرض کرنے لگے: اے اللہ کے نبی ﷺ! میرا حق آتا ہے آپ ﷺ کے اوپر۔ پوچھا: کونسا؟ کہنے لگے: جی! ایک مرتبہ آپ ﷺ نے میرے پیٹ میں انگلی چبھوئی تھی اور مجھے درد ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اچھا! تم بھی انگلی چبھو لو۔ کہنے لگے' نہیں اے اللہ کے حبیب ﷺ! میرے جسم پر اس وقت کپڑے پورے نہیں تھے اور آپ ﷺ نے اس وقت اپنی انگلی میرے پیٹ میں چبھوئی تھی اور ڈائریکٹ میرے جسم میں چبھوئی تھی اور آپ کے جسم مبارک پہ تو کرتہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اچھا! میں بھی کرتہ ہٹا دیتا ہوں اور تم انگلی چبھو کر اپنا بدلہ لے لو۔

چنانچہ اب اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ بدلہ لینے کے لیے تیار ہوگئے۔ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما حیران ہیں کہ یہ نبی علیہ السلام کا عاشق اور دیوانہ' اور جان قربان کرنے والا' آقا ﷺ سے بدلہ مانگتا ہے۔ سب صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین حیران ہو کر دیکھ رہے ہیں۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما کا جی چاہتا ہے کہ وہ آگے بڑھ کر کہیں: اسید میرا جسم حاضر ہے' تم میرے جسم پر جو چاہتے ہو چبھو ڈالو' لیکن میرے آقا ﷺ سے بدلہ نہ لو۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا دل بھی یہی چاہتا ہے مگر آقا ﷺ کی ہیبت کی وجہ سے سب خاموش ہیں۔ حیران ہیں کہ یہ چاہتا کیا ہے۔

حدیث پاک میں آیا ہے کہ جب نبی علیہ السلام نے اپنے جسم مبارک سے کپڑا ہٹایا تو

فَاحْتَضَنَهُ فَجَعَلَ يُقَبِّلُ كَشْحَهُ فَقَالَ بِأَبِىْ أَنْتَ وَأُمِّىْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ أَرَدْتُ هٰذَا

''اسید رضی اللہ عنہ آ کر نبی علیہ السلام کی کمر مبارک سے لپٹ گئے اور مہر نبوت کو بوسہ دے کر کہا: اے اللہ کے نبی ﷺ! میں تو اس کو بوسہ دینے کا بہانہ ڈھونڈ رہا تھا'' اللہ اکبر کبیرا

پسینہ مبارک:

نبی علیہ السلام کا مبارک پسینہ کیسا تھا؟ حدیث پاک میں آیا ہے کہ ام سلیم رضی اللہ عنہا بچوں کو بھیجتی تھیں کہ وہ نبی علیہ السلام کے مبارک پسینے کو شیشی میں جمع کریں۔ نبی علیہ السلام نے پوچھا: ام سلیم اسے کیا کرتی ہو؟ عرض کیا:

يَارَسُوْلَ اللّٰهِ عَرَقُكَ نَجْعَلُهٗ فِي طِيْبِنَا وَهُوَ اَطْيَبُ الطِّيْب

''اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے مبارک پسینے کو ہم خوشبو میں ملا لیتے ہیں، اس طرح ہماری خوشبو کی خوشبو میں اضافہ ہو جاتا ہے''

مشہور واقعہ ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی کی شادی کرنی تھی۔ جہیز کا باقی سامان خرید لیا گیا تھا، خوشبو نہیں تھی۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا: تم میرے پسینے کے قطرے لے جاؤ۔ وہ پسینے کے قطرے لے گئے، دلہن کے جسم پر استعمال کیے گئے۔ اس کے بعد اس گھر سے اتنی خوشبو آتی تھی کہ صحابہ اس کو ''خوشبو والا گھر'' کہا کرتے تھے۔

جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: میں ابھی لڑکا تھا۔ نبی علیہ السلام میرے قریب سے گزرے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے رخسار پر ہاتھ رکھا، جس کی وجہ سے ایسی ٹھنڈک پڑ گئی کہ مجھے لگا کہ عطار کی دکان سے ابھی خوشبو لے کر کوئی بندہ باہر نکلا ہے۔

مشک و عنبر کیا کروں اے دوست! خوشبو کے لیے
مجھ کو رخسار محمد کا پسینہ چاہیے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینے میں ایسی خوشبو تھی کہ کہنے والے نے کہا:

پھول کھلتے ہیں پڑھ پڑھ کے صلِ علی
جھوم کر کہہ رہی ہے یہ باد صبا

ایسی خوشبو چمن کے گلوں میں کہاں؟
جو نبی کے پسینے میں موجود ہے

اب ذرا آپ ﷺ کے سراپا کو تصور کی آنکھ سے دیکھیے تو دل کہتا ہے: ؎

سر سے پا تک وہ گلابوں کا شجر لگتا ہے
باوضو ہو کے بھی چھوتے ہوئے ڈر لگتا ہے

شعرا کے ہاں عشقِ رسول ﷺ کا مقام

ایک شاعر نے نبی علیہ السلام کی منقبت میں چالیس ہزار اشعار لکھے۔ کتنے اشعار لکھے؟ چالیس ہزار، اور چالیس ہزار اشعار لکھنے کے بعد آخر میں جو اشعار لکھے ان کا اردو میں ترجمہ ہے: ؎

تھکی ہے فکر رسا اور مدح باقی ہے
قلم ہے آبلہ پا اور مدح باقی ہے
تمام عمر لکھا اور مدح باقی ہے
ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے

چالیس ہزار اشعار لکھنے والے بندے نے بھی کہا کہ میں آپ ﷺ کے حسن و جمال کا حق ادا نہیں کر سکا۔ اب دل کی ایک تمنا ہے اس کو کسی نے شعر میں کہا ہے: ؎

کوئی طلب مجھے زیست میں تو اتنی ہے
نبی کی چاہ ملے اور بے پناہ ملے

جس دل میں نبی علیہ السلام کا تصور ہو وہ مبارک دل ہوتا ہے۔ کہنے والے نے کہا: ؎

اے جنت! تجھ میں حور و قصور رہتے ہیں
میں نے مانا ضرور رہتے ہیں

میرے دل کا طواف کر جنت
میرے دل میں حضور رہتے ہیں

ایک اور شاعر نے تو بہت ہی عجیب شعر لکھا:

آپ سے عشق میرے دل کی شریعت آقا
آپ سے عشق میری جاں کی عبادت آقا
آپ کے ادنیٰ غلاموں کا غلام
ہے شرف میرے لیے اتنی ہی نسبت آقا

شعرا کو بھی عجیب عجیب خیال آتے ہیں۔ چنانچہ ایک شاعر نے اور بھی عجیب بات کہی کہتے ہیں:

محل مینار کیا کرنے ہیں مجھ کو؟
مدینے کے خس و خاشاک لوں گا
ملی جاگیر جنت میں جو کوئی
تو دہلیز شہ لولاک لوں گا

کہ مجھے محل مینار نہیں چاہییں، مجھے تو مدینے کی گلی کے تنکے ہی چاہییں۔ اگر اللہ نے جنت میں مجھے کوئی ملکیت دی تو آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی چوکھٹ کو میں ملکیت کے طور پر لے لوں گا۔

ایک اور شاعر نے کہا:

تمہاری ایک نگاہ کرم میں سب کچھ ہے
پڑے ہوئے سر راہ گزار ہم بھی ہیں
جو سر پہ رکھنے کو مل جائے نعلِ پاکِ حضور
تو پھر کہیں گے کہ ہاں تاجدار ہم بھی ہیں

اللہ اکبر! اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک جوتے سر پر رکھنے کو مل جائیں تو ہم اپنے

آپ کو تاجدار سمجھنے لگ جائیں۔

عشقِ بلالی رضی اللہ عنہ شاعرِ مشرق کی نظر میں:

صحابہؓ کو نبی علیہ السلام سے کیا محبت تھی؟ ذرا اس کا اندازہ چند اشعار سے لگا لیجیے جو اس عاجز کے پسندیدہ اشعار میں سے ہیں۔ کہنے والے کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے وہ عاشق صادق تھے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے بارے میں علامہ اقبال نے ایسے اشعار لکھے کہ لکھنے کا حق ادا کر دیا۔ جب بھی یہ اشعار پڑھتا ہوں تو لکھنے والے کے لیے دل سے بخشش کی دعا نکلتی ہے، فرماتے ہیں: ؎

چمک اٹھا جو ستارہ تیرے مقدر کا
حبش سے تجھ کو اٹھا کر حجاز میں لایا

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام کے خادم تھے، عاشق صادق تھے، غلام بے دام تھے۔ ان کو مخاطب کر کے کہہ رہے ہیں کہ تو تو حبشہ کا رہنے والا تھا، تیرے مقدر کا ستارہ چمکا کہ تجھے حبشہ سے اٹھایا اور تجھے حجاز میں پہنچا دیا۔

ہوئی اسی سے تیرے غمکدے کی آبادی
تیری غلامی کے صدقے ہزار آزادی

نبی علیہ السلام کے ذریعے سے تیرے دل کی آبادی ہوئی۔ یہاں دل کو غمکدہ کہا۔ اے بلال! تیری غلامی پر ہزار مرتبہ آزادی کو قربان کر دیا جائے۔

وہ آستاں نہ چھٹا تجھ سے ایک دم کے لیے
کسی کے عشق میں تو نے مزے ستم کے لیے

جب محبت ہوتی ہے تو اس محبت کی وجہ سے اگر کوئی ستائے تو اس ستانے کا بھی مزہ

آتا ہے۔اے بلال رضی اللہ عنہ! نبی علیہ السلام کے ساتھ عشق کی وجہ سے کافر جو تجھ پہ ستم ڈھاتے تھے تو نے اس ستم کے مزے اٹھائے۔

جفا جو عشق میں ہوتی ہے وہ جفا ہی نہیں
ستم نہ ہو تو محبت میں کچھ مزا ہی نہیں

آگے فرماتے ہیں:

نظر تھی صورت سلمان رضی اللہ عنہ ادا شناس تیری
شراب دید سے بڑھتی تھی اور پیاس تیری

اے بلال رضی اللہ عنہ! جس طرح سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی نظر تھی کہ اس نے نبی علیہ السلام کو پہچان لیا تھا اسی طرح تیری نظر بھی ادا شناس تھی۔تو دید کی شراب پیتا تھا اور تیری پیاس اور بڑھ جاتی تھی۔ایک بار دیکھا ہے اور بار بار دیکھنے کی طلب ہے۔بلال رضی اللہ عنہ کی حالت ایسی ہی تھی۔

مدینہ تیری نگاہوں کا نور تھا گویا
تیرے لیے تو یہ صحرا بھی طور تھا گویا

اے بلال رضی اللہ عنہ! حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طور پر تجلی ملی تھی اور تجھے تو اللہ نے مدینے کے صحرا میں ہی وہ تجلی عطا فرمادی تھی۔

تیری نظر کو رہی دید میں بھی حسرت دید
خنک دلے کہ تپید و دمے نیا سائید

اے بلال رضی اللہ عنہ! تو آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو جتنا دیکھتا تھا تیرے دل میں دیکھنے کی اور حسرت ہوتی تھی۔ٹھنڈا دل جب گرم ہو گیا تو گرم ہونے کے بعد اس کو ایک پل کے لیے بھی آرام نہیں آیا۔تمہارا دل جو ٹھنڈا تھا اسے اللہ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے گرمادیا اور گرمانے کے بعد زندگی بھر اس دل کو قرار نہیں آیا،وہ بے قرار دل تھا۔

تپش ز شعلہ گرفتند و بردل تو زدند
چہ برق جلوہ بخاشاک حاصل تو زدند

آہا! کیا عجیب بات کہی شعلے سے انہوں نے تپش کو لیا اور اس تپش کو تیرے دل پر لا ڈالا۔ شعلے سے مراد ''اللہ کی تجلی'' ہے کہ نبی علیہ السلام نے اللہ کے نور سے محبت کی اس حرارت کو حاصل کیا اور یہ محبت کی حرارت تیرے دل میں ڈال دی۔ تو بھی کیسا ہے کہ تو نے اپنے تنکوں پر جلوے کی بجلی کے انوار کو حاصل کر لیا۔ اللہ اکبر کبیراً۔

ادائے دید سراپا نیاز تھی تیری
کسی کو دیکھتے رہنا نماز تھی تیری

اے بلال رضی اللہ عنہ! جب آپ نبی علیہ السلام کو دیکھتے تھے تو بڑی عاجزی کے ساتھ دیکھتے تھے۔ عاشق کی کیفیت واقعی ایسی ہوتی ہے کہ محبوب کو دیکھتے رہنا ہی اس کی نماز ہوتی ہے۔

اذاں ازل سے تیرے عشق کا ترانہ بنی
نماز اس کے نظارے کا اک بہانہ بنی

اے بلال رضی اللہ عنہ! یہ جو تو اذان دیتا تھا یہ تیرے عشق کا ترانہ تھا۔ اشہد ان محمد رسول اللہ اور پھر فرمایا کہ نماز اس عشق کے اظہار کا ایک بہانہ بنی۔ اللہ اکبر!

خوشا! وہ وقت کہ یثرب مقام تھا اس کا
خوشا! وہ دور کہ دیدار عام تھا اس کا

کیسا دور تھا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار عام تھا۔ جو آتا تھا وہ دیدار حاصل کر کے جاتا تھا۔

اللہ رب العزت ہمیں بھی اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت عطا فرما دے۔ ہم سر سے لے کر پاؤں تک نبی علیہ السلام کی سنتوں سے اپنے آپ کو مزین کر لیں۔ جیسے عورت زیور پہنتی ہے تو وہ سمجھتی ہے کہ میرے حسن میں اضافہ ہو گیا۔ اسی طرح جب انسان

اپنے وجود کو نبی علیہ السلام کے سراپائے انور کے مطابق بناتا ہے تو اس کا حسن اس کے پروردگار کی نظر میں بڑھ جایا کرتا ہے۔

عشقِ نبوی ﷺ میں پر کیف کلام:

ہمارے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے ایک بزرگ خواجہ عبدالمالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ نے عشق نبوی ﷺ پر عجیب اشعار کہے۔ وہ فرماتے ہیں: ؎

ملے قطرہ عشقِ محمد دا ہئ تخت شاہی دی لوڑ نہیں
دل مست رہے وچ مستی دے ہئ عقل دانائی دی لوڑ نہیں
میڈے قلب سیاہ گنہگار دے وچ تیڈی یاد دا ڈیوا بلدا رہے
ول ایں جگ، اوں جگ، قبر حشر کے ہئ روشنائی دی لوڑ نہیں
کر اپنے حبیب دا عشق عطا، جگ سارے توں بے نیاز چا کر
سر جھکدا رہے در تیرے اتے، در در دی گدائی دی لوڑ نہیں
ایں عبد دا عرض قبول تھیوے دربار الٰہی دے اندر
لوں لوں وچ ہووے عشقِ نبی، کسے ہئ آشنائی دی لوڑ نہیں

اللہ رب العزت ہمیں اپنے پیارے حبیب ﷺ کی سچی پکی محبت عطا فرمادے اور قیامت کے دن آپ ﷺ سے محبت کرنے والے گنہگار بندوں میں ہمیں بھی شامل فرمادے۔ (آمین بحرمة سيدالمرسلين)

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ○

صَلُّوْا عَلَیْہِ وَآلِہٖ

امیدیں لاکھوں ہیں لیکن بڑی امید ہے یہ
کہ ہو سگان مدینہ میں میرا نام شمار
جیوں تو ساتھ سگان حرم کے تیرے پھروں
مروں تو کھائیں مدینے کے مجھ کو مور و مار
اڑا کے باد مری مشت خاک کو پس مرگ
کرے حضور کے روضے کے آس پاس نثار

حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی نور اللہ مرقدہٗ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ○

معرفت کے موتی

ازافادات

حضرت مولانا پیر حافظ ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہم

خصوصی مجالس: بعد نماز مغرب سالانہ اجتماع جھنگ

مورخہ ۷ اکتوبر ۲۰۰۴ء

اقتباس

فرمایا: ''نبی علیہ السلام کی صحبت کی وجہ سے صحابہ کرامؓ کو چار نعمتیں نصیب ہوئیں۔

...... یہ یقین ہونا کہ دنیا فانی ہے۔

...... یہ یقین ہونا کہ آخرت باقی رہنے والی ہے۔

...... یہ یقین ہونا کہ ہم لاشیی ہیں۔

...... یہ یقین ہونا کہ اللہ ہی کارساز ہے۔

صحابہ کرام کو یہ چار نعمتیں کامل طریقے سے مل گئی تھیں۔''

(حضرت مولانا پیر حافظ ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہم)

معرفت کے موتی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ: فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ ○ (۶۹: الروم)

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ○ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

آج کی اس محفل میں اپنے اکابر کے کچھ ملفوظات آپ حضرات کو سنانے بھی ہیں اور سمجھانے بھی ہیں۔ ان کے ضمن میں بہت ساری باتیں آپ سیکھ لیں گے۔

اہلِ علم کے القاب:

قرآن مجید میں اُولُوالْعِلْمِ، رَاسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ، اَلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اور اَلْعُلَمَاء کے القاب اہلِ علم حضرات کے لیے استعمال ہوئے۔ کسی عارف نے ان کو اولوالعلم کہا، کسی نے وَالرَّاسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ کہا، کسی نے اَلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ کہا اور کسی نے اَلْعُلَمَاء کہا۔

یہ وہ لوگ نہیں کہ فقط خارجی ذرائع یعنی لغت کی موشگافیوں اور منطق کی باریکیوں سے قرآن سمجھیں۔ زبان دانی سے قرآن کو سمجھنے والے والراسخون فی العلم کے زمرے میں نہیں آتے۔

زبان دانی اور فہمِ قرآن:

ایک آدمی تھا جس نے عربی کو سمجھا۔ اس نے عربی زبان کو اتنا سمجھا کہ اس نے پورے قرآن پاک کا انگلش میں ترجمہ کر دیا۔ جب تک وہ ترجمہ کرتا رہا اس وقت تک وہ کافر رہا۔ یہ تو الگ بات ہے کہ قرآن مجید کے نور نے بعد میں اس کو نورِ اسلام سے منور فرما دیا اور وہ ایمان لے آیا۔ ہمارے علما کے نزدیک اس کا ترجمہ سب سے زیادہ صحیح اور اچھا ترجمہ ہے۔ اس سے پتہ چلا کہ زبان دانی کے ذریعے تو ایک کافر بھی قرآن کو سمجھ سکتا ہے۔

کتنے ایسے پادری ہیں جو عربی زبان جانتے بھی ہیں اور بولتے بھی ہیں۔ اگر آپ ان سے بات کریں تو آپ کو ایسا لگے گا جیسے کوئی عرب بول رہا ہے اور کتنے ہی ایسے لوگ ہیں کہ قرآن کی آیت آپ پڑھیں تو ترجمہ آپ کو وہ بتائیں گے تو زبان دانی کے زور پر قرآن کے ترجمے کو سمجھ لینا' اس سے

﴿ وَالرَّاسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ ﴾ (۷:ال عمران)

کوئی نہیں بن جاتا۔ وہ

﴿الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ﴾ (۱۱:المجادلۃ)

میں داخل نہیں ہوسکتا۔

ہدایت یافتہ فطرت پانے والے:

ایک علم ہوتا ہے اور ایک معلومات ہوتی ہیں۔ ان کے درمیان فرق کو سمجھنے کی کوشش

فرمائیں۔جس بندے کے اندر ایمان کی رتی بھی نہیں‘ اس کے پاس علم نہیں ہوسکتا‘ اس کے پاس فقط معلومات ہوتی ہیں۔تو کافر اور فاسقوں کے پاس فقط معلومات ہوتی ہیں۔ جسے علم کہا جاتا ہے وہ ایک نور ہے جو انسان کے سینے کو منور کرتا ہے۔جس کے پاس بہت ساری معلومات ہوں وہ عالم نہیں کہلا سکتا۔عالم وہ ہوتا ہے جس کے اندر علم کا نور ہوتا ہے۔اس لیے

﴿وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ﴾ (۸:ال عمران)

کا لفظ کافر کے لیے استعمال نہیں ہوسکتا۔ یہ تو ان قدسی روحوں کے لیے استعمال ہوتا ہے جن کی زندگی شریعت وسنت کے مطابق ہوتی ہے اور ان کے پاس ایک نور بصیرت ہوتا ہے اور اس نور کی روشنی میں دین اسلام کو بالکل صحیح طور پر سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ یہی نور فقہا کو نصیب ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ شریعت کے مزاج کو سمجھتے ہیں۔اگر ان کو کسی جز کا تذکرہ قرآن وحدیث میں نہیں ملتا‘ کوئی ایسا مسئلہ ہے کہ وہ منصوص نہیں ہے‘ تو اس کی مثالیں جو قرآن وحدیث میں پہلے سے موجود ہیں ان کو سامنے رکھ کر وہ پھر اجتہاد کرتے ہیں اور مزاج شریعت سمجھنے کی وجہ سے ان کا اجتہاد سوفیصد شریعت کے مطابق ہوتا ہے۔اس اندر کے نور کی وجہ سے وہ دھوکا نہیں کھاتے‘ غلط باتیں ان کے دماغوں میں نہیں آتیں‘ فسق وفجور ان کی طبیعتوں میں راہ نہیں پاتا‘ وہ سلیم فطرت رکھنے والے لوگ ہوتے ہیں‘ وہ نور نبوت سے فیض پانے والے لوگ ہوتے ہیں۔ان کی سوچ بھی شریعت کے مطابق ڈھل چکی ہوتی ہے۔حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک موقع پر فرمایا:

’’مکروہات شرعیہ میرے لیے اب مکروہات طبعیہ بن گئی ہیں‘‘

یعنی جن چیزوں سے شریعت نے کراہت کا حکم دیا‘ طبیعت بھی ان چیزوں سے

کراہت محسوس کرتی ہے۔

یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو مزاج شریعت کو سمجھنے والے ہوتے ہیں۔ لہٰذا فقط لغت' منطق یا زبان دانی کے زور پر قرآن کو سمجھنے کا دعوی کرنے والے وَالرَّاسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ (۷:ال عمران) کبھی نہیں ہو سکتے۔ انہوں نے فقط ظاہری طور پر زبان کو سمجھا ہوتا ہے' اس کے اندر گہرائی تک ان کی پہنچ نہیں ہے۔

چنانچہ اب سنیے۔ اس کے اندر گہرائی تک ان کی پہنچ نہیں ہے۔ قرآن مجید نے جن لوگوں کو اُولُوا الْعِلْمِ ' رَاسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ ' اَلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمِ یا اَلْعُلَمَاءِ کہا۔ یہ وہ لوگ نہیں جو فقط خارجی ذرائع یعنی اپنی لغت کی موشگافیوں اور منطق کی باریکیوں سے قرآن کو سمجھیں۔ بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ایک نور نسبت حاصل ہوتا ہے جو ان کے سینے کو کھول دیتا ہے۔ اس لیے قرآن عظیم الشان میں فرمایا گیا۔

﴿بَلْ هُوَ اٰيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ﴾

اب وہ ایات بینات کیا ہیں؟ یہ وہ نعمت ہے جو ان کو والراسخون فی العلم کا مصداق بناتی ہے۔ جس بندے کو یہ نور نسبت نور ایمان اور نور یقین حاصل ہو جاتا ہے اسے فرقان نصیب ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ فُرْقَانًا﴾ (۲:الطلاق)

''اور جو تقوی کو اختیار کرتا ہے اللہ اس کے لیے فرقان بنا دیتا ہے''

یعنی اس کو فرقان عطا کر دیتا ہے۔ یہ فرقان ایک ایسا نور ہے جس کے حاصل ہونے کے بعد انسان فرق بین الحق والباطل آرام سے کر لیتا ہے۔ یوں سمجھیں کہ کمرے روشنی ہے' اب آپ کو اس میں دوست اور دشمن میں تمیز کرنی بڑی آسان ہے۔ نفع دینے والی چیز اور نقصان دینے والی چیز میں پہچان کرنی بڑی آسان ہے۔ کوئی مسئلہ ہی نہیں رسی الگ

نظر آئے گی اور سانپ الگ نظر آئے گا۔ لیکن اگر کمرے میں اندھیرا ہو تو رسی اور سانپ کے فرق کا پتہ ہی نہیں چلتا۔ ہوسکتا ہے کہ دشمن کو آپ دوست سمجھ کر اس سے مصافحہ کرنے لگیں' اندھیرا جو ہے۔ اسی طرح جن لوگوں کے سینوں میں یہ نور نسبت نہیں ہوتا اور وہ فقط لغت اور زبان دانی کی بنیاد پر مطالب قرآن سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں' یہ ایسا ہی ہے کہ وہ اندھیرے میں پہچان کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ رسی کون سی ہے اور سانپ کون سا ہے اور جن کے دلوں میں وہ نور ہوتا ہے تو وہ نور ان کے لیے اس کی پہچان کرنا آسان کر دیتا ہے۔ یہ نور داخلی چیز ہے۔

پتہ چلا کہ خارجی ذرائع سے قرآن کو نہیں سمجھا جاتا' بلکہ اندر کے نور سے قرآن کو سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ داخلی علم والے کے لیے مطالب سمجھنا ایسا ہے جیسے دن کے وقت راستے پر چلنا اور خارجی علم والے کے لیے مطالب سمجھنا ایسا ہے جیسے رات کے وقت راستے کو ٹٹولنا۔ ہدایت یافتہ فطرت' کتاب اللہ کے مفہوم کو بگڑنے نہیں دیتی۔ وہ نور والے لوگ ہدایت یافتہ فطرت پا لیتے ہیں۔ ان کو بات اس انداز سے سمجھ آتی ہے جو مزاج شریعت کے مطابق ہوتی ہے۔

مکتوبات مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے معارف

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوبات میں جا بجا گراں قدر اور پر حکمت باتیں رقم فرمائی ہیں۔ ان میں سے حکمت کے چند موتی آپ کی بھی جھولی میں ڈالے جائیں کیا بعید ہے کہ ان میں سے کوئی موتی آپ میں سے کسی کے دل کی دنیا بدل ڈالے۔

ترک دنیا سے کیا مراد ہے؟

فرمایا: ''ترک دنیا کا مطلب یہ ہے کہ اپنی طبیعت کو کسی خاص شے کی جانب مائل نہ

ہونے دے۔''

یعنی کسی چیز کی عادت نہ پڑے۔ نہ کھانے میں کوئی چیز ایسی ہو جو اس کی کمزوری بنے اور نہ ہی کوئی ایسا کام ہو جو اس کی کمزوری بنے۔ اللہ کی نعمت ملی تو استعمال کر لی' نہ ملی تو پروانہیں۔ کئی لوگ ایسے بھی تو ہوتے ہیں کہ اگر ان کو آئس کریم کھانے کو نہ ملے تو پھر سونگھتے پھرتے ہیں کہ کہاں سے اس کی خوشبو مل سکتی ہے۔

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا: حضرت! ٹھنڈے کی عادت ہے یا گرم کی عادت ہے؟ فرمانے لگے: اگر سچ بتاؤں تو مجھے کھانے کی بھی عادت نہیں ہے' البتہ جب ضرورت پڑتی ہے تو پھر کھانا پڑتا ہے۔

چنانچہ ترکِ دنیا کا مطلب ''ترکِ لذاتِ دنیا'' ہے اور ترکِ لذاتِ دنیا کا مطلب یہ ہے کہ شریعت کے دائرے سے ہٹ کے جو لذتیں ہیں ان کو چھوڑنا اور جو دائرۂ شریعت کے اندر ہیں ان لذتوں کو حاصل کر کے اللہ کا شکر ادا کرنا' عبادت ہے۔ یہ چیز ترکِ دنیا میں شامل نہیں ہے۔

اچھے کپڑے پہنو اور اللہ کا شکر ادا کرو' ثواب ملے گا۔ اسی طرح میاں بیوی ایک دوسرے کو دیکھیں' مسکرائیں اور دل بھی خوش ہو تو یہ اللہ کے ہاں عبادت لکھی جاتی ہے۔ چنانچہ روایت میں آتا ہے کہ جب کوئی خاوند اپنی بیوی کو دیکھ کر مسکراتا ہے اور بیوی خاوند کو دیکھ کر مسکراتی ہے تو اللہ رب العزت ان دونوں کو دیکھ کر مسکراتے ہیں۔ بھئی! اللہ تعالیٰ اللہ تعالیٰ ہے نا' کوئی باپ تو نہیں ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس بات پر خوش ہوتے ہیں کہ میرا بندہ اور پھر بندی میرے حکموں کے مطابق آپس میں محبت پیار کی زندگی گزار رہے ہیں۔

ادائے فرض کی لذت:

فرمایا: ''جو لذت انسان کو ادائے فرض کے وقت نصیب ہوتی ہے اس لذت میں نفس

کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔''

یہ ممکن ہی نہیں کہ ادائے فرض کی لذت میں نفس اس چیز کو پسند کرے۔ نفس کبھی اللہ کی فرمانبرداری کو پسند نہیں کر سکتا۔ امارہ نفس کبھی بھی اطاعت خداوندی پر خوش نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ﴾ (۵۳: یوسف)

وہ برائی کی طرف ہی مائل ہوتا ہے۔ تو وہ تمام لذتیں جو شریعت کے حکم کے مطابق ہیں وہ لذتیں حاصل کرنا عین عبادت ہے۔ چنانچہ ان کے ملنے پر ہم اللہ کا شکر ادا کریں۔

○ ...... ٹھنڈا پانی پئیں اور اللہ کا شکر ادا کریں۔

○ ...... گرم روٹی کھانے کو ملے تو اللہ کا شکر ادا کریں۔

○ ...... پلاؤ کھانے کو ملے تو اللہ کا شکر ادا کریں۔

○ ...... گرم چائے پینے کو ملے تو اللہ کا شکر ادا کریں۔

یہ سب اللہ کی نعمتیں ہیں۔ ان نعمتوں کی وجہ سے سلوک کا راستہ نہیں رکتا کہ فلاں کو چائے کی عادت ہے اس لیے وہ سلوک نہیں طے کر سکتا۔ نہیں خدا کے بندے! یہ چیزیں ضروریات زندگی ہیں اور دائرہ شریعت کے اندر ہیں۔ جب شریعت نے ان چیزوں کے استعمال کی اجازت دے دی ہے تو یہ چیزیں رکاوٹ کیسے بن سکتی ہیں؟ ہاں! ایسی عادت نہ ہو کہ جن کے پورا نہ ہونے کی وجہ سے فرائض میں بھی کوتاہی ہو جائے۔ جیسے چائے نہیں پی تو نماز بھی نہیں پڑھ رہے، اس لیے ایسی عادت نہیں ہونی چاہیے۔ پنجابی میں کہتے ہیں:

پیٹ نہ پیاں روٹیاں تے سبھے گلاں کھوٹیاں

چنانچہ ایسی عادت بھی نہیں ہونی چاہیے۔ فاقہ ہے یا جو مرضی ہے، لیکن اگر نماز کا وقت ہے تو نماز ادا کریں۔

بعض لوگوں کو کوئی خاص مشروب پینے کی عادت ہوتی ہے ہمیں ایک نوجوان ملا۔ وہ کہنے لگا: پچھلے آٹھ سال سے میں نے کبھی پانی پیا ہی نہیں، مجھے پانی کے ذائقے کا ہی پتہ نہیں۔ میں نے کہا: کیا پیتے ہو؟ کہنے لگا: کوک، مجھے کہنے لگا: کیا آپ کوک پئیں گے؟ میں نے کہا: میرا گلا چوخ ہوتا ہے۔

دنیا کی حقیقت:

ترک دنیا کی حقیقت ہمارے ذکر و سلوک کے میدان میں سبزی اور گوشت کی مانند ہے اور باقی اوراد و وظائف کی حیثیت، نمک مرچ اور گھی کی مانند ہے۔ اگر نمک مرچ اور گھی نہ ہو تو ابال کر بھی سبزی کام آ جاتی ہے، ابلا ہوا گوشت بھی کام آ جاتا ہے۔ لیکن گوشت اور سبزی نہ ہو تو فقط نمک مرچ اور گھی کام نہیں آتے۔ اس لیے جو بندہ اوراد و وظائف تو بڑے کرتا ہو مگر دنیا کی ناجائز لذتوں کو ترک نہ کرے تو وہ سلوک نہیں طے کر رہا ہوتا۔ اب اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ ترک دنیا کرنی ہے اس لیے پھٹے ہوئے کپڑے پہنو۔ بلکہ اس کا کیا مطلب ہے؟ وہ بھی سمجھ لیں۔

اللہ تعالیٰ نے شریعت کو ایسا حسن و جمال دیا ہے کہ ہر بندہ اپنی حیثیت کے مطابق سنت پر عمل کرے۔ مثال کے طور پر: نبی علیہ السلام کی دو سنتیں ہیں۔ ایک سنت تو یہ ہے کہ آپ ﷺ نے پیوند لگا کرتہ پہنا اور ایک سنت یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے یمن کا بنا ہوا جبہ پہنا، چادر پہنی، جو سینکڑوں نہیں، بلکہ ہزاروں دیناروں کی تھی۔ تو قیمتی لباس بھی زیب تن فرمایا اور پیوند والا لباس بھی زیبِ تن فرمایا، اب دونوں سنتیں بن گئیں۔

دیکھیں! زندگی میں ایک انسان غریب ہوسکتا ہے اور دوسرا امیر۔ اب اگر فقط قیمتی لباس پہننا سنت ہوتا تو غریب تو سنت سے ہی محروم ہو جاتا۔ اور اگر فقط پھٹا ہوا لباس یا پیوند والا لباس پہننا سنت ہوتا تو امیر کہتا کہ یہ تو میرے لیے قابلِ عمل ہی نہیں ہے، اس طرح

دین نا قابلِ عمل کہلاتا۔ تو یہ شریعت کا حسن ہے کہ یہ سب کے لیے قابل عمل ہے۔ لہٰذا جس کو اللہ نے تنگی کا حال دیا وہ پیوند لگا کپڑا پہن کر سنت کو پورا کر لے اور جس پر اللہ نے نعمتوں کی بارش کر دی ہے وہ نیا کپڑا پہن کر مسنون دعا پڑھے اور نبی علیہ السلام کی سنت پر عمل کر لے۔ اب غریب کو یہ کہا کہ تم قیمتی کپڑے والی سنت پر عمل کرو' یہ اس کے لیے بوجھ ہے جو وہ اٹھا نہیں سکتا اور امیر کو یہ کہنا کہ تم فقط پیوند والے کپڑے پہنو' وہ اس کے لیے مصیبت ہے تو شریعت کا حسن و جمال دیکھیں کہ اس نے دونوں کے لیے عمل کا میدان دیا ہے۔

نئی ایسی بچیاں جو اچھے گھروں کی ہوتی ہیں۔ مثال کے طور: پر خاوند ڈاکٹر ہے اور وہ اپنی بیوی کو صاف ستھرا دیکھنا پسند کرتا ہے۔ اب اگر اس کی بیوی کہے کہ میں نے تو سادہ زندگی گزارنی ہے لہٰذا میں نے ہفتے میں ایک دفعہ نہانا ہے اور حالت یہ ہو کہ اس کے جسم سے بو آ رہی ہو' تو کیا اس کا گھر بس جائے گا؟ ایک تو خاوند ڈاکٹر ہے اور پھر اس کی طبیعت بھی نفیس ہے اور پھر بیوی کے جسم سے بو آ رہی ہے' تو گھر میں جھگڑا ہی ہونا ہے پھر تو اس نے اس کو کہنا ہی ہے کہ میں دوسری کو لا رہا ہوں اور یہ پھر بھاگے گی تعویذ لینے کے لیے۔ حضرت صاحب! تعویذ بنا دیں' میرا خاوند دوسری شادی کرنا چاہتا ہے۔ بھئی! جب آپ اپنے خاوند کو گھر میں محبت پیار نہیں دیں گی تو پھر وہ دوسری شادی نہیں کرے گا تو کیا کرے گا۔ تم شکر کرو کہ وہ دوسری کی بات کر رہا ہے' تیسری کی نہیں کر رہا۔

شریعت نے زندگی میں آسانیاں رکھی ہیں۔ ایسی بچی جس کے پاس رزق کی بھی کمی نہیں۔ اس کا میاں بھی نفیس طبیعت رکھتا ہے' اس کا گھر بھی خوبصورت اور اچھا ہے' تو کیا اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ یہ کہے کہ میں تو پھٹا ہوا لباس پہن کر پھروں گی' یا جب تک پھٹ نہیں جائے گا میں کپڑے کو نہیں اتاروں گی' اس کے لیے یہ سنت نہیں ہے۔

اس میں حکمت کیا ہے؟ اس میں حکمت یہ ہے کہ امیر کے لیے شریعت نے اچھا لباس

اس لیے سنت کہا کہ یہ نیا نیا لباس پہنے اور پرانا لباس اتار کے غربا میں صدقے کی نیت سے تقسیم کرے اس کو اس طرح نئے لباس کی سنت پر عمل نصیب ہو جائے گا اور اللہ غریبوں کا کام بنا دیں گے۔

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ ایک فقیہ تھے ان کا خرچہ ایک بندے نے اپنے ذمے لیا ہوا تھا وہ کوئی بڑا ہی عقلمند بندہ تھا۔ اس نے کہا تھا: حضرت! آپ دین کا کام کریں، اور آپ کا خرچہ میرے ذمے ہے۔ چنانچہ وہ سال کے تین سو پینسٹھ جوڑے بنا کے دیتا تھا اور حضرت روز نیا جوڑا پہنتے اور پہلا جوڑا صدقہ کر دیا کرتے تھے۔ اس طرح سال میں تین سو پینسٹھ غریبوں کا کام بن جاتا تھا۔

ہم تو خود کہتے ہیں کہ یہ ملوں والے کیوں دوسرے دن لباس پہنتے ہیں؟ ایک دن بنوائیں، پہنیں اور پھر کسی غریب کو پہنا دیں۔ اس غریب کا اس لباس میں سال گزر جائے گا تو جو بندہ Afford (برداشت) کر سکتا ہے وہ اس سنت پر عمل کرے۔ بات سمجھ رہے ہیں نا؟

بعض مستورات تو ہر وقت یہی سوچتی رہتی ہیں کہ جی فلاں عورت تو سلوک میں آگے بڑھ نہیں سکتی اس لیے کہ وہ تو بڑا ہی صاف ستھرا لباس پہنتی ہے۔ بھئی! صاف ستھرا لباس پہننا سلوک میں رکاوٹ نہیں ہے۔ ہاں! اگر وہ گھر میں گندی بنی رہتی ہے اور دکھاوے کے طور پر یہ چیز پہنتی ہے تو پھر یہ ریاکاری ہے۔ اور اگر آپ اس کو دن میں دیکھیں، رات میں دیکھیں، صبح دیکھیں، شام دیکھیں، ہر وقت صاف ستھرا دیکھیں تو پھر یہ تو اللہ کی نعمت ہے۔

مجھ سے ایک مرتبہ ایک عورت نے پوچھا: حضرت! فلاں عورت تو ہر وقت اچھا لباس پہنتی ہے، صاف ستھرا پہنتی ہے، وہ سلوک میں آگے کیسے بڑھ سکتی ہے؟ میں نے پھر اسے یہ بات سمجھائی اور سمجھانے کے بعد میں نے کہا کہ آپ کو تو شکر ادا کرنا چاہیے کہ چلو دنیا میں

کچھ خاوند تو ایسے ہیں جو اپنی بیویوں کو صاف ستھرا بھی رکھتے ہیں۔ کیا تم چاہتی ہو کہ تمہارا خاوند سال میں صرف ایک سوٹ بنا کے دے؟ اب کہنے لگی نہیں نہیں نہیں، میں بھی تو آخر بناتی ہوں۔ اب جب اپنے اوپر بات آئی تو اب بات سمجھ میں آ گئی۔ تو لوگ چونکہ مزاج شریعت کو نہیں سمجھتے، اس لیے وہ اس چیز کو سلوک کی راہ میں رکاوٹ سمجھ لیتے ہیں۔ لہٰذا یاد رکھیے کہ دائرہ شریعت کے اندر رہتے ہوئے کوئی بھی بندہ کام کرے گا تو وہ سلوک کے راستے میں رکاوٹ نہیں بن سکتا۔

سالک کی محرومی کا سبب:

فرمایا: معارف کا ظہور سالک کی محرومی کا سبب بنتا ہے۔ انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی کیفیات کو دوسروں سے چھپائے، فقط اپنے شیخ کو بتائے۔ بالفرض کسی کا قلب جاری ہوا، اگر وہ لوگوں کو بتاتا پھرے کہ میرا قلب جاری ہے تو عین ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس نعمت کو واپس ہی لے لیں۔ اگر کسی طرح پتہ چل جائے تو اور بات ہے، خود نہیں بتانا چاہیے۔

اس میں حکمت کیا ہے؟ حکمت یہ ہے کہ یہ کیفیات اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کے پاس امانت ہوتی ہیں، یہ بندے اور اللہ کے درمیان راز ہوتی ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ یہ پسند نہیں فرماتے کہ اس راز کو بندہ دوسروں کے سامنے کھولتا پھرے۔

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''باطن کی ملنے والی نعمتیں دلہن کی مانند ہوتی ہیں، کوئی بھی اپنی دلہن دوسرے کو دکھانا پسند نہیں کرتا۔''

اب کچھ ناسمجھ پوچھنا شروع کر دیتے ہیں جی آپ کو کشف حاصل ہے؟ جی! آپ کو ذکرِ قلبی حاصل ہے؟ پوچھنے والا بھی غلطی کر رہا ہے اور بتانے والا اس سے بھی بڑی غلطی کر رہا ہے۔ ایسی باتیں راز ہوتی ہیں اور راز کا راز میں رہنا ہی اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہوتا ہے۔

کبھی کبھی اہل اللہ سے غلبۂ حال میں ایسی باتیں منہ سے نکل جاتی ہیں کہ کچھ باتیں کھل جاتی ہیں، مگر اس پر وہ بعد میں افسوس بھی کرتے ہیں کامل وہی ہے جو کسی حال میں بھی راز فاش نہ ہونے دے۔ کامل وہ ہوتا ہے کہ اندر سے اسے سب کیفیات حاصل ہوں اور ظاہر میں وہ بالکل عام بندے کی طرح رہے، کسی کو سمجھ بھی نہ لگے کہ یہ بھی کوئی صاحبِ نسبت بندہ ہے یا کون ہے۔

ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے ایک مچھلی پکڑنے والے کو دیکھا تو وہیں کھڑے ہو گئے۔ وہ آدمی چھوٹی چھوٹی مچھلیاں پکڑ رہا تھا۔ انہوں نے اس سے کہا: تو بڑی مچھلیاں کیوں نہیں پکڑتا؟ اس نے کہا: آپ پکڑ کے دکھا دیں۔ فرمانے لگے: لاؤ! میں تمہیں اڑھائی من کی مچھلی پکڑ کے دکھاتا ہوں۔ چنانچہ جب انہوں نے جال پھینکا تو واقعی اڑھائی من کی مچھلی اس جال میں آ گئی۔ جب جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کو اس بات کا پتہ چلا تو یہ سن کر انہوں نے بڑا افسوس کیا اور فرمانے لگے: کاش! ابوالحسن نوری جال پھینکتا اور اس کے جال میں کوئی سانپ پھنس جاتا اور وہ سانپ ابوالحسن نوری کو ڈس لیتا۔ اس لیے کہ اب پتہ نہیں اس کے پاس یہ کیفیات موت تک سلامت بھی رہیں گی یا نہیں رہیں گی، کیونکہ وہ اظہار کر بیٹھا ہے۔

اس سے اندازہ کریں کہ ہمارے مشائخ اپنی کیفیات کو کس حد تک دوسروں سے اوجھل رکھا کرتے تھے۔

ہمارے حضرت پیر سید زوار حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ کو ایک مرتبہ کتابت (خوشنویسی) سیکھنے کا شوق ہوا۔ ان کے قریب ایک کاتب تھے ان کا نام تھا محمد اعلیٰ۔ آپ ان کے پاس کتابت سیکھنے کے لیے تشریف لے گئے۔ جب کتابت سیکھنے گئے تو تین چار سال تک روز ان کے پاس جاتے رہے، سیکھتے اور آ جاتے۔ حاجی اعلیٰ صاحب ان کو ایک عام بندہ ہی

سمجھتے رہے۔ چار سال تک روزانہ جاتے رہے اور ان کو ان کی شخصیت کے بارے میں کچھ پتہ نہ چلا۔

حاجی اعلیٰ صاحب فرماتے ہیں: حضرت مولانا بدر عالم مدنی رحمۃ اللہ علیہ جو بڑے شیخ الحدیث گزرے ہیں، انہوں نے ''ترجمان السنہ'' کتاب بھی لکھی ہے، ایک مرتبہ وہ تشریف لائے اور میں نے ان کی اپنے ہاں دعوت کی۔ جب حضرت نے آنا تھا تو میں نے دل میں سوچا کہ یہ (حضرت سید زوار حسین شاہ) بھی میرے پاس آتے ہیں، بھلے آدمی ہیں، کم گو ہیں، چلو ان کو بھی دعوت پہ بلا لیتا ہوں۔ چنانچہ میں نے شاہ صاحب کو بھی دعوت دے دی اور انہوں نے بھی جواب میں کہہ دیا کہ میں آ جاؤں گا۔ بہر حال حضرت تشریف لائے اور سب نے مل کر کھانا کھایا۔

کھانا کھانے کے بعد نماز کا وقت ہو گیا۔ حضرت سید زوار حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا چہرہ ویسے ہی وجیہ تھا، خوبصورت تھا اور پرنور چہرے والے تھے۔ چنانچہ جب مولانا بدر عالم نے شاہ صاحب کو دیکھا تو فرمایا:

''آپ بھی تو مولوی نظر آتے ہیں، آپ نماز کیوں نہیں پڑھا دیتے؟''

تو شاہ صاحب نے نماز پڑھائی۔

جب ان کے پیچھے نماز پڑھی تو سلام پھیرنے کے بعد مولانا بدر عالم رحمۃ اللہ علیہ کو پسینے آئے ہوئے تھے۔ میں نے دیکھا کہ حضرت کی طبیعت دگرگوں ہے۔ چنانچہ میں نے پوچھا: حضرت خیریت تو ہے؟ فرمانے لگے: حاجی صاحب! اگر محفل میں کوئی صاحبِ نسبت بندہ موجود ہو تو پہلے بتا دینا چاہیے تاکہ دوسرا بندہ بے ادبی کا مرتکب تو نہ ہو۔ آپ نے مجھے بتایا ہی نہیں، اللہ اکبر! نماز میں ان کو باطن کی بصیرت سے پتہ چلا کہ امام بننے والا بندہ صاحبِ نسبت ہے۔ میں نے کہا: حضرت! مجھے تو نہیں پتہ، یہ تو چار سال سے میرے

پاس آ رہے ہیں۔ انہوں نے فرمایا تم پتہ کرو، یہ بندہ صاحب نسبت نظر آتا ہے۔

جب مولانا بدر عالم رحمۃ اللہ علیہ چلے گئے تو پھر میں نے کھود کرید کرنا شروع کی تو مجھے پتہ چلا کہ ان کو تو کتنے سالوں سے نسبت حاصل ہے۔ شیخ نے ان کو اجازت و خلافت دی ہوتی ہے۔ مگر انہوں نے پتہ ہی نہیں چلنے دیا۔

فرماتے ہیں کہ یہ عمل ایسا تھ کہ جس نے مجھے متوجہ کیا اور پھر اگلے دن میں نے کہا: حضرت! اب تک میں آپ کا استاد بنا رہا اور آپ میرے شاگرد بنے رہے، آج میں شاگرد بنتا ہوں اور آپ استاد بن کے مجھے اس طرح خفیہ زندگی گزارنا سکھا دیجیے۔ چنانچہ پھر وہ حضرت کے مرید بنے اور ماشاءاللہ بہت ہی مقرب بنے۔

جو کامل ہوتے ہیں وہ اپنے آپ کو ایسے چھپاتے ہیں۔ اس لیے کاملین کو بعض اوقات پہچاننا بڑا مشکل ہوتا ہے۔ انبیائے کرام میں یہی صفت ہوتی تھی، کافر لوگ ان کو دیکھتے تھے اور ان کو لگتا تھا کہ ان کی بالکل عام سی زندگی ہے۔ وہ حیران ہو کر کہتے:

هٰذَا الرَّسُوْلُ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْأَسْوَاقِ (۷ الفرقان)

"یہ کیسے رسول ہیں جو کھانا کھاتے ہیں اور بازاروں میں پھرتے ہیں"

سالک بھی وہی اچھا ہوتا ہے جو ظاہر میں ایک عام بندہ نظر آئے۔ مگر اس کے اندر ولایت کی بڑی بڑی کیفیات ہوں۔

روحانی ضیافت:

حدیث مبارکہ میں ہے:

"مَنْ زَارَ حَيًّا وَلَمْ ...... مِنْهُ شَيْئًا فَكَاَنَّمَا زَارَ مَيِّتًا"

"جس نے کسی زندہ کی زیارت کی اور اس زندہ نے اس کو کھانے کو کچھ بھی پیش نہ کیا تو یہ ایسا ہی ہے جیسے اس نے کسی مردہ کی زیارت کی"

چنانچہ شریعت یہ بات پسند کرتی ہے کہ جب کوئی ملنے آئے تو اس کو کچھ پیش کرو‘ اس کی ضیافت کرو‘ کیونکہ وہ مہمان ہے۔ بھلے پانی کا ایک گلاس ہی پیش کردو۔ جس نے پینے کے لیے پانی کا پیالہ مہمان کے سامنے رکھ دیا اس نے مہمان نوازی کا ایک ادنی درجہ پورا کردیا۔

یہ حدیث پاک تو ظاہری ضیافت کے بارے میں ہے۔ مگر اہل اللہ فرماتے ہیں: نہیں یہ حدیث پاک مشائخ کے اوپر بھی لاگو ہوتی ہے۔ لہٰذا ان کو چاہیے کہ اگر ان کو کوئی بندہ ملنے کے لیے آئے تو وہ آنے والوں کو روحانی ناشتہ بھی کروایا کریں‘ لہٰذا مشائخ سے جو بھی ملنے آتا ہے‘ وہ اس پر توجہ ضرور ڈالتے ہیں۔ ظاہر کا ناشتہ اپنی جگہ‘ اس کے ساتھ ساتھ باطن کا ناشتہ بھی ضرور کروا دیتے ہیں۔ گویا اہل اللہ ہر آنے والے کی روحانی ضیافت ضرور کرتے ہیں۔

اعلانیہ نصیحت میں قباحت:

فرمایا: اعلانیہ نصیحت کرنا‘ درحقیقت ملامت کرنے کے مترادف ہے۔ اعلانیہ غلطی کی اعلانیہ نصیحت کردے اور خفیہ غلطی کی خفیہ نصیحت کردے۔ کیونکہ کسی کو رسوا کرنا تو مقصود نہیں ہوتا۔

حضوری کی کیفیت:

فرمایا: ”حضوری کا ہر وقت میسر ہونا بہت مشکل ہے۔“

آپ نے حنظلہ رضی اللہ عنہ والی حدیث سنی ہوگی جس میں انہوں نے فرمایا:

”نَافَقَ حَنْظَلَۃ نَافَقَ حَنْظَلَۃ“

اس وقت نبی علیہ السلام نے بھی یہی فرمایا تھا کہ یہ گاہے گاہے کیفیات ہوتی ہیں۔ تو یہ کیفیات ہوتی تو گاہے گاہے ہیں‘ لیکن اگر چند لمحے بھی نصیب ہوجائیں تو باقی وقت راحت کے ساتھ گزر جاتا ہے۔ وہ کیفیت اگر ایک دفعہ بھی مل جائے تو سمجھو کہ ایک مہینہ

آسانی سے گزر گیا، وہ ایسی کیفیت ہوتی ہے۔

صاحبِ نسب...... باعثِ عافیت:

فرمایا: ''ایک صاحب نسبت کی وجہ سے ساری جماعت عافیت میں رہتی ہے'' آپ نے تو دیکھا ہی ہوگا کہ اگر کسی مجمع میں ایک بھی صاحبِ نسبت ہو تو اس کے پاس وقت گزارنے والے لوگ، سارے کے سارے پرسکون ہوتے ہیں۔ یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے کسی نے خوشبو لگائی ہوئی ہو اور پاس بیٹھنے والوں کو بھی خوشبو آ رہی ہوتی ہے۔

نفس سے مجادلہ کی فضیلت:

فرمایا: ''نفس سے ایک گھڑی کا مجادلہ ستر سال کی عبادت سے افضل ہے'' نفس کے ساتھ مجادلہ کرنے کا کیا مطلب؟ مطلب یہ ہے کہ نفس کے ساتھ بحث کرنا، اس کو دلیل دینا کہ تمہاری یہ تمنا میں نے پوری نہیں کرنی۔ نفس کہے گا: نہیں، میں نے یہ چاہت پوری کرنی ہے۔ اس سے کہنا کہ یہ چاہت پوری نہیں ہونی۔ نفس سے اس طرح کا ایک گھڑی کا مجادلہ ستر سال کی عبادت سے افضل ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی علیہ السلام سے پوچھا: انسان کب خراب ہوتا ہے؟ تو نبی علیہ السلام نے فرمایا: ''جب وہ اپنے آپ کو دوسروں سے افضل سمجھنے لگ جاتا ہے اس وقت انسان بگڑ جاتا ہے''

انقلاب کا ذریعہ:

فرمایا: ''لسان قال کے بجائے لسان حال ہی انقلاب کا ذریعہ بنتی ہے''

ایک ہوتی ہے لسانِ قال اور ایک ہوتی ہے لسانِ حال۔ ان دونوں میں فرق ہوتا ہے۔ لسانِ قال اس کو کہتے ہیں کہ فقط زبان سے الفاظ نکلیں اور لسانِ حال کا مطلب یہ

ہے کہ کہنے والے کا عمل بھی اس کے مطابق ہو۔

آپ ذرا اس بات کو اس مثال سے سمجھیں۔ آپ بیٹھے ہیں اور آپ کا ایک قریبی دوست پیار سے کہتا ہے۔ آؤ یار! نماز پڑھیں۔ تو آپ کا دل فوراً آمادہ ہو جائے گا اور آپ مسجد میں آ جائیں گے اور اگر آپ کے پاس کوئی ٹیپ چل رہی ہو اور اس میں سے آواز آ رہی ہو' آؤ یار! نماز پڑھیں آؤ یار! نماز پڑھیں' آؤ یار! نماز پڑھیں' تو کیا ٹیپ سے آواز سن کر آپ کی طبیعت نماز پڑھنے کے لیے آمادہ ہو جائے گی؟ طبیعت آمادہ نہیں ہوگی۔ اس لیے کہ ٹیپ تو ایک بے جان چیز ہے اور انسان جاندار ہے۔ تو جس طرح بے جان چیز سے آواز نکلے تو وہ اثر نہیں ڈالتی' البتہ احساس و کیفیات رکھنے والا بندہ کہے تو وہ متاثر کر دیتا ہے۔ بالکل اسی طرح جب کسی بندے میں عمل نہ ہو' فقط لسانِ قال ہو تو وہ بھی دوسرے بندے پر اثر نہیں کرتی اور جس کا اپنا عمل ہو اس کی لسانِ حال سے ایسی بات نکلتی ہے کہ بندے کے اوپر اثر ہو جاتا ہے۔ اس لیے ہمارے مشائخ پہلے خود عمل کرتے تھے اور بعد میں دوسروں کو عمل کے لیے کہتے تھے۔ آپ ذرا ایک بات کسی کو کہیں' وہ نہیں مانے گا اور اگر وہی بات اس کو کوئی شیخ کہہ دے تو وہ اس کو فوراً ماننے کے لیے تیار ہو جائے گا۔ اس لیے کہ اہل اللہ کی زبان میں ایسی تاثیر ہوتی ہے کہ ان کی زبان سے نکلی ہوئی بات سے سننے والے کو عمل کی توفیق نصیب ہو جاتی ہے۔

بلا عذر وظائف ترک کرنے کا وبال:

فرمایا: ''جب کوئی سالک بلا عذر (غفلت کی وجہ سے) وظائف کو ترک کر دیتا ہے تو یا تو اس پر کوئی ابتلاء آزمائش نازل ہوتی ہے یا کم از کم حرام شہوات کی طرف اس کی طبیعت مائل ہو جاتی ہے''

کچھ دوست جو یہ کہتے ہیں کہ جی! نظر کا پرہیز نہیں ہے' ان میں اصل میں وظیفے کی

پابندی نہیں ہوتی۔ اگر وظائف کی پابندی ہو اور انسان اللہ سے مدد مانگے تو اللہ تعالیٰ میل شہوت بحرام سے انسان کی نجات عطا فرما دیتی ہے۔

دو بیش بہا وظیفے:

اگر کسی انسان کو مخلوق میں سے کسی کے ساتھ نفسانی، شیطانی، شہوانی محبت ہے اور وہ محبت دل سے نکلتی نہیں، چاہت کے باوجود محبت جان نہیں چھوڑ رہی تو ہمارے مشائخ نے اس کے لیے دو عمل بتائے ہیں:

(۱)......ایک عمل تو یہ ہے کہ وہ روزانہ سو مرتبہ پڑھا کرے:

لَا مَرْغُوْبِیْ اِلَّا اللّٰہ، لَا مَطْلُوْبِیْ اِلَّا اللّٰہ، لَا مَحْبُوْبِیْ اِلَّا اللّٰہ، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

ان چار جملوں کو اس طرح کر کے دن میں سو مرتبہ دل پہ ضرب لگائے۔ اگر وہ روزانہ سو مرتبہ اس کی ضرب لگائے گا تو اللہ تعالیٰ شیطانی، شہوانی محبت سے نجات عطا فرما دیں گے۔

(۲)......دوسرا عمل یہ ہے کہ روزانہ عصر کے بعد اگر پانچ مرتبہ سورہ نباء (عَمَّ یَتَسَآءَلُوْنَ (۱:النباء) پڑھ دی جائے تو اس سورت کے اندر اللہ تعالیٰ نے ایسی تاثیر رکھی ہے کہ نفسانی محبتوں کو یہ دل سے نکال دیتی ہے۔

رویتِ باری تعالیٰ کی کیفیت کیسی ہو گی؟

فرمایا: دنیا میں جو کیفیت انسان کی نماز کی ہو گی وہی کیفیت آخرت میں اس کی رویتِ باری تعالیٰ کی ہو گی۔

کیا مطلب؟ کہ اگر ایک آدمی دنیا میں اس طرح نماز پڑھے کہ اس کے اندر دنیا کا کوئی وسوسہ (خیال) نہ آئے، اس بندے کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا ایسا دیدار ہو گا کہ اس کے اوپر کوئی پردہ نہیں ہو گا۔ دنیا میں جتنے خیال نماز میں آئیں گے، اگر آخرت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہو بھی گیا تو وہ تمام خیالات نورانی پردوں کی شکل میں اللہ تعالیٰ کے چہرۂ انور کے

سامنے آ جائیں گے۔ بھئی! پردے سے دلہن کا چہرہ دیکھنا اور چیز ہے اور پردہ اٹھا کے چہرہ دیکھنا کوئی اور چیز ہے۔ اس لیے دل میں یہ تمنا ضرور رکھنی چاہیے کہ اے اللہ! ہمیں ایسی نماز کی توفیق عطا فرما کہ جس میں دنیا کا کوئی بھی خیال نہ آئے۔

چنانچہ جب بھی انسان نماز پڑھے تو کوشش کرے کہ قیام اور سجود لمبا کرے۔ دیکھیں! اگر تو کوئی کام ہو، مصروفیت ہو تو پھر اس صورت میں اگر مختصر بھی پڑھے گا تو اجر پورا ملے گا۔ لیکن اگر وقت بھی ہے اور سکون اور تسلی کے ساتھ انسان نماز پڑھ سکتا ہے تو پھر قیام اور سجود کو لمبا کرے، اس لیے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ انسانوں میں رزق کو تقسیم کرتے ہیں اسی طرح انسانوں میں اپنی حمد و ثنا کی توفیق کو بھی تقسیم کرتے ہیں۔ تو جیسے دنیا میں ہم کھلا رزق مانگتے ہیں ایسے ہی یہ بھی مانگیں کہ اللہ! ہمیں اپنی حمد و ثنا کی ایسی توفیق بھی نصیب فرما کہ بس قیام کے بعد رکوع میں جانے کو جی ہی نہ کرے۔ ہمارے مشائخ کہتے تھے:

...... آج تو رکوع کی رات ہے۔

...... آج قیام کی رات ہے۔

...... آج سجدے کی رات ہے۔

وہ ساری ساری رات قیام، رکوع اور سجدے میں گزار دیتے تھے۔

ظاہر میں بلا، حقیقت میں سببِ رضا:

جو انسان سلوک کے راستے پر چلتا ہے اس پر مصیبتیں آتی ہیں۔ ایک آدمی نے نبی علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا: اے اللہ کے محبوب ﷺ! میں اللہ تعالیٰ سے اور آپ ﷺ سے بڑی محبت رکھتا ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ نے فرمایا: اگر تم محبت رکھتے ہو تو پھر مصیبتوں اور پریشانیوں کے لیے تیار ہو جاؤ۔

اب یہاں ایک سوال ذہن میں پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کی طرف

مصیبتیں اور پریشانیاں بھیجتا کیوں ہے؟ اور حدیث پاک میں بھی ہے:

''اِذَا اَحَبَّ اللّٰہُ عَبْدًا اِبْتَلَاہُ''

''جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتے ہیں تو اس پر کوئی بلا نازل کر دیتے ہیں'' کوئی ذہنی پریشانی' کوئی جسمانی بیماری' یا کوئی مالی تنگی' کسی نہ کسی صورت میں اس پر مصیبت نازل کر دیتے ہیں۔ تو سالک کے ذہن میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہے؟ دنیا میں تو انسان جس کو دوست بنائے اس کو نعمتیں دیتا ہے' لیکن یہاں معاملہ اور ہے' کہ دوستوں کو غم بانٹتے ہیں۔

مشائخ فرماتے ہیں کہ خوشیاں اور لذتیں اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑی ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو فرماتے ہیں جاؤ! میرے فلاں فلاں نافرمان کے پاس چلی جاؤ۔ پھر پیچھے غم اور مصیبتیں رہ جاتی ہیں وہ کہتی ہیں اللہ! ہم کہاں جائیں؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں تم میرے دوستوں کے پاس چلی جاؤ۔ ایسا کیوں ہے؟

اس کی دو وجوہات ہیں۔ توجہ سے بات سمجھیے۔

پہلی وجہ:

ایک وجہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس دنیا میں چھوٹی موٹی پریشانیاں اور مصیبتیں بھیج دیتے ہیں اور ان کو بہانہ بنا کر اپنے اس بندے کو وہ قرب عطا کرتے ہیں جو اپنے عملوں سے وہ حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ اس کی ترقی ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو اپنے قریب کر لیتے ہیں۔

دوسری وجہ:

دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بلائیں اس لیے بھیجتے ہیں تا کہ میرے بندوں کو دنیا میں انقطاع کلی نصیب ہو جائے اور یہ مجھ سے کلی طور پر واصل ہو جائیں۔

جب ان کو انقطاعِ کلی نصیب ہو جاتا ہے تو پھر ان کا دنیا سے دل ہی اچاٹ ہو جاتا ہے۔

چنانچہ کبھی رشتے داروں نے غیبت کی، کسی نے حسد کیا، کسی نے فلاں کیا، اس لیے بندہ سب سے نظریں ہٹا کے اور اللہ سے لو لگا کے کہتا ہے: دنیا میں میرا کوئی بھی نہیں۔ بھئی! اسی لیے تو یہ آزمائش ہوتی تھی۔ جب آپ نے زبان سے یہ الفاظ کہے کہ دنیا میں میرا کوئی بھی نہیں، یہی الفاظ کہلوانے کے لیے تو اللہ تعالیٰ نے یہ سب حالات بھیجے تھے۔ وہ یہ چاہتے تھے کہ تم سن لو اور سمجھ لو کہ میرے سوا دنیا میں تمہارا کوئی نہیں ہے۔ اور اگر یہ غم نہ آتے تو تم تو دنیا والوں سے امیدیں لگائے رکھتے اور تمہیں انقطاعِ کلی حاصل نہ ہوتا۔

اللہ تعالیٰ جو اپنے پیاروں پر یہ بلائیں اور مصیبتیں نازل فرماتے ہیں تو ان کا مقصد کیا ہوتا ہے؟ تاکہ انسان کو انقطاعِ کلی حاصل ہو جائے، تبتل کامل نصیب ہو جائے اور انسان اللہ کے ساتھ پورے طور پر واصل ہو جائے۔ اس لیے اس بلا یا مصیبت کا آ جانا بھی اللہ کی رحمت ہے۔ وہ ظاہر میں بلا ہے، حقیقت میں مٹھائی ہوتی ہے۔ وہ نمک کے غلاف میں لپٹی ہوئی مٹھائی ہوتی ہے۔

ایمانِ حقیقی کب حاصل ہوتا ہے؟

فرمایا: ''منازلِ سلوک طے کرنے سے مقصود ایمانِ حقیقی کا حاصل ہونا اور یہ ایمانِ حقیقی حاصل نہیں ہوتا، مگ [illegible] اور بقا کے بعد''

جب تک انسان کو فنا اور بقا کے درجات حاصل نہیں ہو جاتے اس وقت تک اس کو ایمانِ حقیقی کی حلاوت نصیب نہیں ہو سکتی۔ فنا اور بقا کا حاصل کرنا کتنا ضروری ہے۔ فنائے قلبی اسے کہتے ہیں کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف دھیان ہی نصیب نہ ہو۔ اللہ ہی کی طرف اس کا کامل دھیان ہو۔

خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ اور احیائے سنت:

خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ ہمارے سلسلے کے بڑے مشائخ میں سے تھے۔ اللہ نے ان کو دین کا بھی سلطان بنایا تھا اور دنیا کا بھی سلطان بنایا تھا۔ ان کے گھوڑوں کی وہ میخیں جن کے ساتھ گھوڑے باندھے جاتے تھے وہ چاندی کی بنی ہوتی تھیں۔ چاندی کے کیل بنے ہوتے تھے اور سریے بنے ہوتے تھے، جن کو زمین میں گاڑ کر ان کے گھوڑے باندھے جاتے تھے اور ان کے کمروں میں قالین بچھے ہوتے تھے۔

مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ نے سوچا کہ میں جاتا ہوں اور جا کر حضرت کو ملتا ہوں۔ چنانچہ جب ملنے کے لیے پہنچے تو دیکھا کہ حضرت قالین پر بیٹھے ہوئے ہیں اور ارد گرد کا سارا ماحول شاہانہ ہے۔ جب انہوں نے یہ منظر دیکھا تو کہنے لگے:

نہ مرد است آں کہ دنیا دوست دارد

''وہ مرد نہیں ہو سکتا جو دنیا کو دوست رکھے''

یعنی وہ مرد خدا نہیں ہو سکتا۔

مولانا جامی یہ کہہ کر واپس آ گئے اور فیصلہ کر لیا کہ نہ تو میں نے ان کے ہاتھ پر بیعت ہونا ہے اور نہ ہی میں نے ان کی محفل میں بیٹھنا ہے، کیونکہ یہ تو دنیا دار ہیں۔ واپسی پر تھکے ہوئے تھے چنانچہ دوپہر کے وقت قیلولہ کی نیت سے ایک مسجد میں جا کر سو گئے، اسی نیند کی حالت میں انہوں نے خواب دیکھا کہ قیامت کا دن قائم ہے، مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کھڑے ہیں، اتنے میں حق مانگنے والوں کا ہجوم ہو گیا، انہوں نے مولانا سے حق لینے تھے، انہوں نے آ کر کہا: آپ نے ہماری غیبت کی، آپ نے یہ دینا ہے، آپ نے وہ دینا ہے۔ وہ حق مانگنے والے اتنے ہو گئے کہ اگر ساری زندگی کی نیکیاں بھی دے دیتے تو ابھی ان کا حق پورا نہیں ہوتا تھا۔ اس صورت حال کی وجہ سے مولانا بڑے پریشان ہوئے۔

اسی پریشانی کے عالم میں کیا دیکھا کہ ایک طرف سے گھوڑے پر سوار ایک آدمی آ رہا ہے اور اس کے پیچھے ہزاروں لوگ ہیں۔ جب قریب ہو کر دیکھا تو وہ عبیداللہ احرار تھے۔ انہوں نے مولانا جامی کو دیکھا تو کھڑے ہو گئے کہنے لگے: مولانا! کیا بات ہے، پریشان کیوں ہیں؟

عرض کیا: حضرت! حق والے حق مانگتے ہیں، میرے پاس اتنی نیکیاں بھی نہیں کہ وہ دے کر جان چھڑا سکوں۔ حضرت نے فرمایا: بھئی! ہماری طرف سے مولانا کا حق ادا کر دو، ہمارے کھاتے میں سے ان کی پیمنٹ کر دو یہ کہہ کر مولانا چلے گئے اور مولانا جامی کی آنکھ کھل گئی۔

بیدار ہوتے ہی مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ سمجھ گئے کہ بات ایسی نہیں جو میں سمجھا ہوں، کوئی اور بات ہے، میں جاتا ہوں اور ان سے پھر ملتا ہوں۔ اب مولانا جامی پھر آئے اور حضرت سے آ کر مصافحہ کیا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت خواجہ صاحب کو کشف کے ذریعے سے معاملہ بتا دیا۔ چنانچہ جب مولانا نے مصافحہ کیا تو انہوں نے پوچھا: مولانا! جب پہلی دفعہ آئے تھے تو کیا کہا تھا؟ بتا دیں۔ جب حضرت نے اصرار کیا تو کہا: حضرت! میں نے پہلے غلط سمجھا تھا اور میں نے اس وقت یہ کہا تھا:

نہ مرد است آں کہ دنیا دوست دارد

''وہ مرد نہیں جو دنیا کو دوست رکھے''

تو حضرت نے شعر کا دوسرا مصرعہ کہہ کر شعر مکمل کر دیا اور فرمایا:

اگر دارد برائے دوست دارد

''اگر دنیا ہو بھی سہی تو اللہ کے لیے ہونی چاہیے''

یعنی اپنے لیے نہیں ہونی چاہیے۔اور پھر فرمایا:

مولانا!''سونے چاندی کی میخیں زمین میں گاڑنے کے لیے ہوتی ہیں انسانوں کے دلوں میں گاڑنے کے لیے نہیں ہوا کرتیں''

اس کے بعد مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ حضرت سے بیعت ہو گئے۔ وقت کے بادشاہ بھی حضرت خواجہ عبیداللہ احرار سے بیعت تھے۔

ہم نے جا کر ان کا مزار اور ان کی جگہ دیکھی ہے وہ ایک شاہانہ محل نظر آتا ہے۔ وہ فرمایا کرتے تھے:

''اگر میں دنیا میں پیری مریدی کرتا تو کسی پیر کو کوئی مرید نہ ملتا' مگر مجھے تو کسی اور مقصد کے لیے بھیجا گیا ہے''

کسی نے پوچھا: حضرت! کون سے مقصد کے لیے؟

فرمانے لگے:

''مجھے اللہ نے سنت کے احیا کے لیے بھیجا ہے''

چنانچہ وہ بہت ہی زیادہ متبع سنت بزرگ تھے۔ ان کا ایک مقولہ مکتوبات میں امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

(۱)''اگر ہمیں تمام احوال و مواجید (یعنی حالات' وجد اور کیفیات) دے دیں' لیکن حقیقت کو اہل سنت والجماعت کے عقائد کے ساتھ آراستہ نہ کریں تو ہم اس میں خرابی کے سوا اور کچھ نہیں مانتے''

(۲)اور یہ بھی کہتے تھے: اگر ساری دنیا کی کیفیات ہم سے لے لیں اور ہمارے ظاہر کو اہل سنت والجماعت کے عقائد سے آراستہ کر دیں تو ہم اس میں خوبی کے سوا کچھ نہیں جانتے''

سالکین کو فائدہ کیسے ہوتا ہے؟

فرمایا: ذکر کا مقصد غفلت کو دور کرنا ہے' بعض کو اسمِ ذات کے ذکر سے فائدہ ہوتا ہے اور بعض کو نفی اثبات سے فائدہ ہوتا ہے۔ کچھ طبیعتیں ایسی ہوتی ہیں جن کو ذکر اسم ذات سے فائدہ ہوتا ہے اور کچھ لوگوں کو نفی اثبات سے فائدہ ہوتا ہے' مگر یہ دونوں کیفیات مبتدی کے لیے ہیں یعنی میرے اور آپ کے لیے ہیں۔ جو متوسط ہوتے ہیں یعنی سلوک کے درمیان میں ہوتے ہیں ان کی ترقی قرآن مجید کی تلاوت کی کثرت سے ہوتی ہے اور جوان سے بھی اونچے جاتے ہیں اور منتہی بن جاتے ہیں' ان کی ترقی لمبی نماز کے ذریعے سے ہوتی ہے۔ تو ابتدا میں ترقی ذکر کے ذریعے' درمیان میں ترقی تلاوت قرآن کے ذریعے اور انتہا میں ترقی نماز کے ذریعے سے ہوتی ہے۔

ذکر قلبی کے فوائد:

فرمایا: "ذکر قلبی احکام شریعت بجالانے میں انسان کو مدد دینے والا اور نفس امارہ کی سرکشی کو دور کرنے والا ہے"

مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور اہتمام سنت:

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے سنت کا اتنا اہتمام سکھایا کہ انسان حیران ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر:

(۱)...... "دوپہر کے وقت سنت قیلولہ کی نیت سے تھوڑی دیر سو جانے پر وہ اجر ملتا ہے جو ہزاروں شب بیداریوں پر بھی انسان کو نصیب نہیں ہوتا"

اب اس سے اندازہ لگائیں کہ اس بات سے انسان کے دل میں سنت کی کتنی عظمت پیدا ہوتی ہے۔

ایک اور جگہ پر فرماتے ہیں: (اگر ممکن ہوتا تو میں اس بات کو سونے کی سیاہی سے لکھتا)

''ہمارے مشائخ شرع شریف کے نفیس موتیوں کو بچوں کی مانند وجد و حال کے جوز ومبیذ کے بدلے میں نہیں دیتے۔''نص سے فص کی طرف مائل نہیں ہوتے' فتوحات مدنیہ سے فتوحات مکیہ کی طرف التفات نہیں کرتے' ہر رقاص کی طرف مائل نہیں ہوتے'ان کا کارخانہ بلند ہے''

دیکھیں! احکام شریعت کو نفیس موتیوں کا نام دیا۔ اس سے ان کی کتنی عظمت ظاہر ہوتی ہے۔ فارسی میں جوز ومبیذ' اخروٹ اور منقہ کو کہتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ انسان کی یہ کیفیات' یعنی وجد کی کیفیت' حال کی کیفیت اور ذکر کی کیفیت احوال و مواجید ہیں۔ یہ احوال و مواجید اخروٹ اور منقہ کی طرح ہیں اور احکام شریعت کیا ہیں؟ نفیس موتی ہیں' تو بھئی! کوئی بندہ اخروٹ اور منقہ کے بدلے نفیس موتی دے سکتا ہے؟ وہ ہرگز ایسا سودا نہیں کرے گا۔ لہٰذا صحیح سالک شریعت کے احکام کو چھوڑ کر وجد و حال کے پیچھے کبھی نہیں جائے گا۔

اور آگے فرماتے ہیں:

''نص سے فص کی طرف مائل نہیں ہوتے''

نص کہتے ہیں' قرآن وحدیث کو اور فص سے مراد عربی کی ایک کتاب فصوص الحکم ہے تو جہاں تصوف کی بات قرآن وحدیث سے ٹکراتی ہے تو یہ صوفیا کس کو چھوڑتے ہیں؟ تصوف کی بات کو چھوڑ دیتے ہیں اور قرآن وحدیث کی بات کو لے لیتے ہیں۔

پھر فرماتے ہیں:

''فتوحات مدینہ سے فتوحات مکیہ کی طرف التفات نہیں کرتے''

فتوحات مدنیہ سے مراد نبی علیہ السلام کی احادیث ہیں اور فتوحات مکیہ ابن عربی کی

تصوف پر ایک کتاب ہے۔

پھر آگے فرماتے ہیں:

''ہر رقاص کی طرف مائل نہیں ہوتے''

کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو وجد میں آ کر ذرا جھومنا شروع کر دیتے ہیں۔ ان کو وہ رقاص کہہ رہے ہیں کہ یہ رقص کرنے والے ہیں۔

اس سے اندازہ لگائیے کہ انہوں نے اتباع سنت کا کتنا اہتمام سکھایا۔

اس سلسلے میں انہوں نے ایک اور ایسی بات لکھی ہے جسے پڑھ کر دل خوش ہو گیا۔

فرماتے ہیں:

''حدیث پاک میں ہے:

''حَاسِبُوْا قَبْلَ اَنْ تُحَاسَبُوْا''

''تم اپنا محاسبہ کرو اس سے پہلے کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے'' فقیر (مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ) کے نزدیک سونے سے پہلے سو بار تسبیح، تحمید اور تکبیر (یعنی سبحان اللہ، الحمد للہ اور اللہ اکبر، جو تسبیحات فاطمہ کہلاتی ہیں) کا پڑھ لینا محاسبہ کا حکم رکھتا ہے''

چنانچہ جس بندے نے سونے سے پہلے سو بار تسبیحات فاطمہ کو پڑھ لیا گویا اس حدیث پر اس کا آٹومیٹک عمل ہو گیا۔ کیا عجیب بات کہی ہے!!

کلمے کا تکرار کرنے کی عجیب وجہ:

فرمایا: ''لوگ کلمے کا تکرار اس لیے کرتے ہیں کہ انہیں ہر طرف حق نظر آئے، مگر مشائخِ نقشبند اس لیے تکرار کرتے ہیں کہ انہیں جو کچھ بھی نظر آئے وہ اسے غیر جانیں۔

یہ بھی عجیب بات کہی، ذرا فرق دیکھیں کہ دوسرے لوگ کلمے کا تکرار اس لیے کرتے ہیں کہ انہیں ہر طرف حق نظر آئے اور ہم کلمے کا تکرار اس لیے کرتے ہیں کہ ہمیں ہر طرف

غیر ہی نظر آئے' یہ بھی غیر ہے' یہ بھی غیر ہے' یہ بھی غیر ہے' ہر ایک کی نفی کرو' جب سب مخلوق کی نفی کر دو گے تب اللہ کی ذات سے وصل نصیب ہو جائے گا۔

اسی لیے حضرت نقشبندی بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''جو کچھ دیکھا گیا' سنا گیا' یا جانا گیا' سب اللہ کا غیر ہے' لا (کلمہ) کے نیچے لا کر اس کی نفی کر دینی چاہیے''

تو جو چیزیں انسان دیکھ سکے' سن سکے یا سمجھ سکے' کیا وہ خدا ہو سکتی ہیں؟ ہرگز نہیں ہو سکتیں۔ لہٰذا ہم کلمہ پڑھتے ہیں وہ اس لیے نہیں پڑھتے کہ ہمیں ہر طرف حق نظر آئے' ہم اس لیے پڑھتے ہیں کہ ہمیں جو بھی نظر آئے وہ ہمیں غیر نظر آئے' دل کہہ دے کہ جو ہمارا اصل خدا ہے' وہ ہمارے دیکھنے سے' سننے سے اور سوچنے سے بھی اعلیٰ اور بالا ہے۔

قربِ الٰہی کا انمول ذریعہ:

فرمایا: ''کلمے کے ذکر سے بڑھ کر کوئی چیز فائدہ مند نہیں' کلمہ غضب کے اسباب کو ختم کر کے رب کے قریب کر دیتا ہے''

کیا آپ جانتے ہیں کہ غضب کے اسباب کیا ہیں؟ یہاں غضب سے مراد ''دنیا کی محبت'' ہے اللہ تعالیٰ نے جب سے دنیا کو پیدا کیا' کبھی ایک مرتبہ بھی محبت کی نظر سے دنیا کو نہیں دیکھا۔ تو یہ دنیا مبغوض ہے بلکہ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

''اَلدُّنْیَا مَلْعُوْنٌ''

''دنیا ملعون ہے''

یہ جو فرمایا کہ کلمے کا ذکر غضب کے اسباب کو ختم کرتا ہے' تو اس سے مراد یہ ہو گا کہ یہ محبت دنیا کو دل سے ختم کرتا ہے اور بندے کو اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیتا ہے۔

صحبت صلحا کی فضیلت:

''صحبت میں ایک ساعت رہنا' مجاہدوں کے کئی چلوں سے بہتر ہے۔ خدا سے شرمانا چاہیے۔ آپ ہزار دنوں میں سے ایک دن بھی صحبت کے لیے نہیں نکالتے''

خواہشاتِ نفسانی موجود ہونے کی دلیل:

ایک اور عجیب مضمون سنیے۔ فرماتے ہیں:

''جب کوئی شخص احکام شریعت پر عمل کرنے میں دشواری محسوس کرے گا۔ یہ اس کے اندر خواہشات نفسانی کے موجود ہونے کی دلیل ہے''

جب اندر سے خواہشات نفسانی ختم ہو جائیں گی تو احکام شریعت پر عمل کرنے میں کوئی رکاوٹ محسوس نہیں ہوگی۔ بھئی! جب کوئی اٹھنے' بیٹھنے اور بھاگنے میں تنگی محسوس کرے تو یہ اندر کی بیماری کی دلیل ہے۔ کوئی کہے کہ مجھ سے چلا نہیں جاتا' تھک جاتا ہوں تو ڈاکٹر کہے گا تم بیمار ہو۔ کوئی کہے کہ مجھ سے وزن نہیں اٹھایا جاتا' تو ڈاکٹر کہے گا تم بیمار ہو۔ اسی طرح جب کوئی شخص احکام شریعت پر عمل میں دشواری محسوس کرے گا تو یہ اس کے اندر خواہشات نفسانی کے موجود ہونے کی دلیل شمار کی جائے گی۔

بقا کے بعد علوم کی واپسی:

فرمایا: ''فنا کے وقت سارے علوم سالک کے ذہن سے جاتے رہتے ہیں' مگر بقا کے بعد سب علوم واپس آجاتے ہیں''

یعنی نسیان ہوتا تو ہے مگر تھوڑے سے وقت کے لیے اور پھر اللہ تعالیٰ ان سب علوم کو بڑھا کر بندے کو واپس لوٹا دیتے ہیں۔

فنا سے پہلے اور بقا کے بعد نفس کی حقیقت:

فرمایا: فنا سے پہلے نفس‘ شیطان سے زیادہ شریر ہوتا ہے اور بقا کے بعد نفسِ مطمئنہ بن کر فرشتوں سے افضل ہو جاتا ہے۔ اس بات کو یاد کر لیں بہت اہم ہے۔

اتباعِ شریعت تمام کمالات کی بنیاد ہے:

کوئی شخص کمالاتِ ولایت اور کمالاتِ نبوت کے حاصل ہونے کے بعد بھی اتباعِ شریعت سے بری نہیں ہو سکتا۔ شریعت بنیاد ہے تمام کمالات حاصل کرنے کی۔ جیسے بنیاد کے بغیر مکان نہیں بن سکتا‘ اسی طرح شریعت کی اتباع کے بغیر کمال حاصل نہیں ہو سکتا۔

دل کی تڑپ:

بھئی! کیا آپ تھک گئے ہیں؟ میں نے آپ کو سنانا تو ہے۔ خوش ہو کے سنیں تب بھی سنانا ہے اور اگر تنگ ہو کے سنیں تب بھی سنانا ہے۔

ہمارے حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ سیالکوٹ میں ایک دوست کے ہاں مہمان گئے۔ وہ حضرت کے بڑے عاشق صادق تھے۔ وہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو صبح ناشتہ بھی اچھا کرواتے‘ دوپہر کو بھی اور شام کو بھی اچھا کھانا کھلاتے۔ اتنی خدمت کرتے کہ کوئی حد نہیں۔ انہوں نے کئی دنوں تک حضرت کو خوب کھلایا‘ پلایا‘ سلایا اور آرام دیا۔ ایک دن حضرت رحمۃ اللہ علیہ کہنے لگے: ”حاجی صاحب! جب بیل یا گھوڑے کو انسان اچھا کھلائے تو پھر کام بھی تو اچھا لینا چاہیے‘ مقصد یہ تھا کہ کوئی پروگرام بھی تو رکھو۔ یہ کیا کہ کھلا پلا کے فارغ کر دیا جائے“

بھئی! کام تو آپ سے لینا ہے‘ قابو جو آئے ہوئے ہیں۔ سال میں یہ دو دن ہی تو ہمیں ملتے ہیں۔ پہلے تین دن تو چونکہ جنرل اجتماع ہوتا ہے اس لیے سب اپنے اپنے کام میں لگے ہوتے ہیں۔

بہرحال! دل کی تڑپ یہ ہے کہ آپ کو صحیح تصوف پہنچ جائے۔ جو نعمت ہم نے اپنے بڑوں سے پائی وہ ہم آپ تک بھی پہنچا جائیں تا کہ ہمیں بھی اس نعمت کا حق ادا کرنے والوں میں شامل کرلیا جائے۔

یہ باتیں آپ کو پورے مکتوبات کا مطالعہ کرنے پر بھی شاید نہ ملتیں۔ آپ کو اس بات کا ابھی اندازہ نہیں ہے کہ کتنا مطالعہ کرنے کے بعد مکتوبات میں سے ہیرے موتی نکال کر آپ کے سامنے ٹو دی پوائنٹ باتیں کی جارہی ہیں۔

درود شریف اور ذکرِ قلبی کا ثواب:

خود ساختہ ذکر سے درود شریف کا پڑھنا افضل ہے۔ جبکہ ذکرِ قلبی کا اجر وثواب درود شریف کے اجر وثواب سے کئی گنا زیادہ ہوتا ہے، تاہم دونوں کا ثواب نبی علیہ السلام کو برابر پہنچتا ہے۔

خود ساختہ ذکر اس ذکر کو کہتے ہیں جو انسان از خود کرنا شروع کر دے۔ چاہے وہ ذکر سبحان اللہ کا ہے، کلمے کا ہے یا جو بھی ہے۔ پیرومرشد نے نہ بتایا ہو، بلکہ خود ہی کرنا شروع کر دے۔ ایسا خود ساختہ ذکر کرنے سے درود شریف کا پڑھنا افضل ہوتا ہے اور آگے فرمایا کہ ذکر قلبی کا اجر وثواب درود شریف کے اجر وثواب سے کئی گنا زیادہ ہوتا ہے لہٰذا کوئی یہ نہ سمجھے کہ درود شریف پڑھیں گے تو نبی علیہ السلام کو ثواب پہنچے گا اور ذکرِ قلبی کریں گے تو نہیں پہنچے گا۔ چنانچہ جو بندہ ذکرِ قلبی میں مشغول رہے وہ یہ نہ سوچے کہ میں درود شریف تھوڑا پڑھتا ہوں، مجھے تو حضرت صاحب نے بس سو دفعہ صبح اور سو دفعہ شام درود شریف پڑھنے کو کہا ہے، میں تو اسے بڑھاتا ہوں، نہیں نہیں ذکرِ قلبی کی برکات کچھ اور ہیں۔ اس سے باطنی ترقی ملتی ہے اور اس باطنی ترقی کی وجہ سے انسان کے لیے معارف تفسیر و حدیث کو سمجھنا آسان ہوتا ہے۔

ولی کو ولایت کا علم ہونا ضروری نہیں:

فرمایا: نبی کو نبوت کا علم ہونا ضروری ہے مگر ولی کو ولایت کا علم ہونا ضروری نہیں۔

کئی اولیا ایسے گزرے ہیں جن کو اپنی ولایت کی خبر نہیں تھی۔

مصیبت بھی نعمت ......مگر کیسے؟

فرمایا: دنیا کی مصیبتیں دوستوں کے لیے انعام کی مانند ہوتی ہیں۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ بندے کو تکلیفیں پہنچیں اور بندہ ان کو انعام سمجھے؟

اس کو ایک مثال سے سمجھیں تاکہ پتہ چل جائے کہ واقعی یہ انعام کی مانند ہوتی ہیں۔ ایک بندہ تھا' جس کا بیٹا گھر سے روٹھ کے چلا گیا۔ اب یہ بے چارہ اس کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے سارا دن شہر میں پھرتا رہا' حتیٰ کہ پھرتے پھرتے اس کو رات ہوگئی۔ رات کے دو بجے یہ باغ کے قریب سے گزر رہا تھا کہ اس کو پولیس والے نے پکڑ لیا۔ پولیس والے نے اس کو چور سمجھا' آوارہ سمجھا' اب اس نے اس سے پوچھا: کون ہو؟ اس نے کہا: میں ویسے ہی پھر رہا ہوں۔ پولیس والے نے اس کو دو چار ڈنڈے لگائے۔ پھر وہ کہنے لگا: اب میں دوسرے کو بھی بلاتا ہوں اور مل کر تمہاری مرمت کرتے ہیں' پھر پتہ چل جائے گا کہ تو کون ہے۔ اب جب وہ دوسرے کو بلانے گیا تو وہاں سے بھاگ کر جان بچانے کے لیے باغ میں گھس گیا۔ جب باغ میں گھس کر اندھیرے میں ایک جگہ جا کر بیٹھا تو دیکھا کہ وہاں اس کا بیٹا چھپا ہوا تھا۔

اب جب اس کی بیٹے سے ملاقات ہوگئی تو وہ پولیس کے اس ڈنڈے کو یہ انعام سمجھے گا یا سزا سمجھے گا؟ انعام سمجھے گا۔ وہ کہے گا اللہ کا شکر ہے کہ پولیس والے نے مجھے دو چار ڈنڈے لگا دیے' اگر وہ ڈنڈے نہ لگاتا تو میں تو باغ میں جاتا ہی نہ۔ مجھے کیا پتہ تھا کہ وہاں میرا بیٹا چھپا ہوا ہے۔ تو جس طرح بیٹے کے مل جانے پر اس نے پولیس کے ڈنڈے کو اپنے

لیے انعام سمجھا اسی طرح اللہ کا وصل نصیب ہونے پر سالک اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی ہوئی تکالیف کو اپنے لیے انعام سمجھتا ہے۔

اتباعِ سنت اور محبتِ شیخ کی فضیلت:

فرمایا: ''دو باتوں میں فرق نہ آئے تو کوئی غم نہیں۔ ایک اتباعِ سنت اور دوسرا محبتِ شیخ'' اگر اتباعِ سنت میں کوئی فرق نہ آئے اور محبتِ شیخ میں بھی کوئی فرق نہ آئے تو کیفیات جیسی بھی ہوں ان سے بندے کو گھبرانے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ کیا ٹھوس بات کہی! اگر ان دو باتوں میں فرق آ جائے تو پھر بڑے غم کی بات ہوگی۔ اس کا مطلب یہ ہوگا:

Something is seriously wrong some where.

کہیں نہ کہیں کوئی گڑبڑ ضرور ہے۔

کفر کی ظلمت کیسے دور ہوتی ہے؟

فرمایا: ''کفر کی ظلمت بہت زیادہ ہوتی ہے توجہ سے دور نہیں ہوتی۔ دو چیزوں سے دور ہوتی ہے یا تو سچی توبہ سے یا پھر نارِ جہنم سے''

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک خادم تھا اس کا بھائی بیمار ہو گیا۔ اللہ کی شان کہ وہ سکرات موت کے قریب پہنچ گیا' علامات موت ظاہر ہونا شروع ہو گئیں۔ حضرت کا خادم بھاگا ہوا آیا اور کہنے لگا: حضرت! میرے بھائی کا آخری وقت ہے' آپ مہربانی فرما کر اس موقع پر کچھ توجہات ڈال دیں تا کہ اس کا خاتمہ اچھا ہو جائے۔

خدام کی ایسی باتوں کو قبول کرنا ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت اس کے ساتھ اس کے گھر تشریف لے گئے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے بیٹھ کر اس کے بھائی پر بہت دیر تک توجہ کی' مگر اس کے دل کی حالت میں کوئی فرق نہ آیا۔ وقت کا مجدد الف ثانی' اتنی بڑی شخصیت' وہ

فرماتے ہیں کہ جب میں نے پورا زور لگادیا' مگراس کے دل پر کچھ بھی اثر نہ ہوا تو میں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوا۔ میرے مولا! معاملہ کیا ہے؟ پھر مجھ پر راز کھولا گیا کہ اس کی دوستی کفار کے ساتھ تھی اور اس دوستی کی وجہ سے اس کے دل پر ایسی ظلمت تھی جو توجہ کے ساتھ بھی کبھی زائل نہیں ہو سکتی تھی۔ ایسی ظلمت یا تو توبہ سے دھل سکتی ہے یا پھر نارِ جہنم میں جا کر دھل سکتی ہے۔

قابلِ تردید باتیں:

فرمایا: ''کشف و الہام سے جو باتیں کتاب وسنت کے ان معانی کے خلاف نظر آئیں جو جمہور علمائے حق نے کیے ہیں' وہ سب کی سب قابل تردید ہیں ان کو رد کر دینا چاہیے۔''

علمائے حق کا نورِ ہدایت:

فرمایا: ''اگر علمائے حق کا نور ہدایت نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پا سکتے''

یہ بھی ذکر میں داخل ہے:

فرمایا: ''احکام شرعیہ کے مطابق تمام حرکات وسکنات کرنا' ذکر کرنے میں داخل ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول معتبر ہے نہ کہ ابوبکر شبلی اور ابوالحسن نوری کا۔''

جفائے محبوب کی لذت:

فرمایا: ''جفائے محبوب' وفائے محبوب سے زیادہ لذت بخش ہوتی ہے'' یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب انعامات مل رہے ہوتے ہیں' اس کے بجائے جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے تکالیف مل رہی ہوتی ہیں' اس وقت میں سالک کی ترقی زیادہ ہو رہی ہوتی ہے۔

بدعت کی حقیقت:

فرمایا: ''بدعت' دین کے حسن وکمال کی نفی ہوتی ہے۔''

عقلِ معاد اور لذاتِ فانیہ:

فرمایا: ''عقلِ معاد (دور اندیش عقل) لذاتِ باقیہ کو چھوڑ کر لذاتِ فانیہ کی طرف توجہ نہیں کرتی۔''

تصوف' اضطراب کا دوسرا نام کیسے؟

فرمایا: ''تصوف اضطراب کا دوسرا نام ہے''

جو پکا صوفی ہوتا ہے وہ مضطرب ہوتا ہے۔ اس کا ہر وقت اللہ کی طرف دھیان رہتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی طرف بڑھنا اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے کوشش کرنا' اس کا مقصودِ زندگی ہوتا ہے۔ گویا اس کے دل میں ایک آگ لگی ہوتی ہے۔ اس آگ کا دوسرا نام تصوف ہے۔ جب یہ اندر کی آگ ٹھنڈی ہو جاتی ہے تو پھر تصوف بھی رخصت ہو جاتا ہے۔ تو صوفی کے سینے میں اللہ تعالیٰ کی محبت کے انگارے ہوتے ہیں۔ جب یہ انگارے بجھ جائیں اور راکھ بن جائے تو بندے کا تصوف میں کوئی حصہ نہیں رہتا۔ اضطراب ہوگا تو راتوں کو اٹھے گا' اللہ کو منائے گا اور غمزدہ رہے گا۔ نبی علیہ السلام متواصل الحزن تھے' یعنی زیادہ وقت غمگین رہا کرتے تھے۔

کامیابی کا واحد راستہ:

فرمایا: ''سید الطائفہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کامیابی کے سب راستے بند ہیں' سوائے اس راستے کے جس پر نبی علیہ السلام چلے ہیں''

وسیلۂ نبوی ﷺ کی اہمیت:

فرمایا: ''اذکار واذکار بے توسل سرکار دو عالم ﷺ غیر مفید ہیں''

یعنی کوئی یہ نہ سمجھے کہ ذکر کرنے سے مجھے اللہ سے ڈائریکٹ فیض مل جائے گا۔ بلکہ امتی کو جو کچھ بھی ملے گا' وہ محبوب ﷺ کے سینہ اقدس سے ہو کر ملے گا۔

مرد کون ہوتا ہے؟

فرمایا: ''شیخ ابو سعید ابوالخیر فرماتے تھے کہ ہوا میں اڑنا کوئی کمال نہیں' مکھی بھی ہوا میں اڑتی ہے۔ پانی پہ تیرنا کوئی کمال نہیں' تنکا بھی پانی پہ تیرتا ہے۔ تھوڑی دیر میں زمین کا زیادہ سفر کر لینا بھی کوئی کمال نہیں' کہ شیطان بھی پلک جھپکنے میں دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک پہنچ جاتا ہے بلکہ مرد وہ ہے جو مخلوق کے درمیان نشست و برخاست رکھے' پھر بھی اللہ تعالیٰ سے غافل نہ ہو''

مرد کون ہے؟ ہوا میں اڑنے والا مرد نہیں' پانی پہ چلنے والا مرد نہیں' یہ کوئی ایسی خاص باتیں نہیں' اصل بات یہ ہے کہ مرد وہ ہے جو مخلوق کے درمیان نشست و برخاست رکھے' لیکن پھر بھی وہ اللہ تعالیٰ سے ایک لمحہ کے لیے بھی غافل نہ ہو۔

سالک کی صفات:

فرمایا: ''سالک کے اندر چند صفات لازمی ہونی چاہییں: حوادث سے متذبذب نہ ہو' عیوب غیر پر نظر نہ کرے' اپنے کو دوسرے مسلمانوں سے ترجیح نہ دے' مساکین کے ساتھ ہم نشینی رکھے' سلف صالحین کے حالات سامنے رکھے' غیبت سے بچے' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرے۔''

مومن کون ہوتا ہے؟

فرمایا: ''جو حسنات کا شوق رکھے اور سیئات کا خوف رکھے' حدیث کے مطابق وہ شخص مومن ہوتا ہے''

طریقت کی کیا مجال:

فرمایا: ''طریقت کی کیا مجال ہے کہ وہ شریعت کا انحراف کرے''

لذت عبادت ایک عطیہ ہے:

فرمایا: ''لذت عبادت ایک عطیہ ہے' تحصیل طاعات (عبادت کرنے) میں کوشش کرے' مگر امید نجات اللہ تعالیٰ کی رحمت سے وابستہ رکھیں''

اطاعت حق' ذاکر ہونے کی دلیل:

فرمایا: ''جو سالک کسی امر میں اللہ تعالیٰ کے حق کا مطیع ہے وہ اس حالت میں ذکر ہے۔ جو سالک کسی کام میں اللہ تعالیٰ کا مطیع ہے تو اس کام کے دوران وہ ذاکر ہے۔'' یعنی جتنی دیر میں کوئی بندہ شریعت کے مطابق کام کر رہا ہوتا ہے اتنی دیر تک وہ ذاکرین کی فہرست میں لکھا جاتا ہے۔

خوابوں کی حیثیت:

فرمایا: ''منامات پر اعتبار نہ کرے۔ اگر کوئی خواب میں دیکھے کہ وہ بادشاہ بن گیا تو وہ صبح اٹھ کر بن تو نہیں جاتا۔ بالفرض وہ بن بھی جائے تو کون سا قیامت کا عذاب اس سے دور ہو گیا''

ہمارے بعض دوستوں کو خوابوں کا بہت شوق رہتا ہے۔ کچھ تو خوابوں کے شہزادے

ہی ہوتے ہیں۔ روزانہ سے نیا خواب سن لو۔

جب جنون طلب شعلہ زن ہوتا ہے:

فرمایا: جب جنون طلب شعلہ زن ہوتا ہے تو زبان عذر بند ہو جاتی ہے' یعنی پھر بندہ کوئی عذر نہیں کرتا۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ جیسے انسان کہتا ہے کہ جی یہ وجہ تھی کہ مراقبہ نہ کر سکا' یہ وجہ تھی کہ تسبیحات نہ پڑھ سکا' یہ وجہ تھی نہ تکبیر اولیٰ میں نہ پہنچ سکا۔ یہ سارے عذر اس لیے ہوتے ہیں کہ اس کے باطن میں محبت کا شعلہ بھڑکا نہیں ہوتا۔ جب محبت کا شعلہ بھڑک جاتا ہے تو پھر زبانِ عذر بند ہو جاتی ہے' عذر ختم ہو جاتا ہے اور طلب' تڑپ میں بدل جاتی ہے۔ پھر قانونی تعلق کی بجائے جنونی تعلق ہو جاتا ہے۔

انفاسِ رحیمیہ سے معارف

شاہ عبدالرحیم دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے والد گرامی تھے' ان کے کچھ ملفوظات ''انفاس رحیمیہ'' سے پیش کیے جاتے ہیں' وہ بھی سن لیجیے۔ ان ملفوظات میں تصوف کی بجائے علمی باتیں زیادہ ہونگی۔

عوام الناس میں زبان کا پرہیز:

فرماتے ہیں: مجلس عام میں خلافِ جمہور کوئی بات زبان پر نہ لاؤ' اگرچہ وہ بات نی نفسہ صحیح ہو۔ اس لیے کہ عوام کا مجمع ہے' علما کا نہیں۔ عوام الناس میں کوئی بات ایسی نہیں کرنی چاہیے جو جمہور علما کی بات کے خلاف ہو۔

اگر کبھی تکلف کرنا بھی پڑے تو......

فرمایا: چلنے پھرنے' اٹھنے بیٹھنے میں تکلف کے ساتھ قوی لوگوں کا انداز اختیار کرنا چاہیے۔ یعنی اگر کبھی تکلف کرنا بھی پڑے تو چلنے پھرنے' اٹھنے بیٹھنے میں بندے کو صحت مند

نظر آنا چاہیے' بیمار نہیں نظر آنا چاہیے اور کئی تو بیمار ہوتے بھی نہیں اور وہ لوگوں کو دیکھ کر کچھ کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ تو تکلف کے ساتھ طاقت ور لوگوں کا انداز اختیار کرنا چاہیے۔ اگر اپنی طبیعت کے خلاف ہمت کے ساتھ بھی چلنا پڑے تو پھر بھی ایسے چلے کہ یہ بڑا صحت مند ہے۔

اگر طالب حق بیگانوں میں چلا جائے تو:

فرمایا: ''طالب حق اگر بیگانوں میں چلا جائے تو اس کو چاہیے کہ وہ جلدی اٹھ جائے۔''

اگر طالب حق لاعلمی کی وجہ سے ایسے رشتہ داروں میں چلا گیا جہاں غفلت کی باتیں ہو رہی تھیں' غیبت ہو رہی تھی' یا خلاف شرع گپیں لگ رہی تھیں تو وہاں سے جلدی اٹھ جائے۔ بیگانوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو نیکی والے نہ ہوں' بلکہ دوسرا ذوق رکھنے والے ہوں۔

قید ہستی سے آزادی کی فضیلت:

فرمایا: ''اگر شیخِ کامل نے طالب صادق پر ایک بار توجہ کر کے قید ہستی سے آزاد کر دیا تو کافی ہے' مشغول بحق رہے' موت سے پہلے کام مکمل ہو جائے گا''

یعنی شیخ نے اگر ایک دفعہ انجن اسٹارٹ کر دیا ہے تو پھر گھبرانے کی بات نہیں ہے۔ تعلق رکھے اور لگا رہے' اللہ تعالیٰ ان توجہات کی برکت سے موت سے پہلے پہلے کام مکمل کروا دیں گے۔

اس بات کو یاد کر لیجیے:

فرمایا: ''سالہا سال قبض کی کیفیت رہے تب بھی ناامید نہ ہو' کیا عجب کہ اس استقامت کی برکت سے ایک لمحے میں نعمت عظمیٰ نصیب ہو جائے'' اس بات کو یاد کر لیجیے۔

سالک اپنے آپ کو مبتدی سمجھے:

فرمایا: ''سالک ہر وقت اپنے آپ کو مبتدی سلوک کی ابتدا کرنے والا سمجھے' اشغال ایسے شوق سے کرے کہ جیسے ابھی حکم ملا ہے''

اختیار سے چھوڑ دے:

فرمایا: ''سالک جس چیز کو کل مجبوری سے چھوڑے گا' آج اس کو اختیار سے چھوڑ دے''

سپردگی:

فرمایا: ''مقصود حاصل کرنے کے لیے اہل اللہ کے سامنے اپنے آپ کو مکمل سپرد کر دے''

نقوش طریقت سے معارف

شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی ایک کتاب ''نقوش طریقت'' ہے اس میں سے بھی چند ملفوظات سن لیجیے۔

غلبہ حال میں ناروا کلمات کا صدور:

فرمایا: غلبہ حال میں ناروا کلمات کا نکل جانا معذور ہی ہے۔ جیسے بوڑھے کا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ ہے:

بنی اسرائیل کا ایک بوڑھا تھا جو کہہ رہا تھا: اللہ! مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ کی بیوی نہیں' بچے نہیں' آپ میرے پاس آ جائیں' میں آپ کو کھانا کھلاؤں گا' سر دھلاؤں گا' کنگھی کروں گا۔ فرماتے ہیں کہ وہ بھی محبت میں کہہ رہا تھا' اس کو پتہ نہیں تھا۔ اس طرح اہل محبت کی زبان سے بھی ایسے الفاظ نکل جاتے ہیں۔

اسمِ اعظم اللہ ہے:

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک فرمان نقل کرتے ہیں:

فرمایا: ''اسمِ اعظم ''**اللّٰہ**'' ہے۔ بشرطیکہ دل میں اللہ کے سوا کچھ نہ ہو'' کیسی پیاری بات کہی! امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مذہب تھا۔ وہ بھی فرماتے تھے کہ اسمِ اعظم ''**اللّٰہ**'' ہے۔

ہمارا دل چونکہ غیر سے بھرا پڑا ہے اس لیے ہماری زبان سے اللہ کا لفظ نکلتا ہے تو اثر ہی کوئی نہیں ہوتا۔

چونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمادیا:

﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾ (الرعد:۲۸)

اس لیے اللہ تعالیٰ کے جتنے بھی صفاتی نام ہیں ان کا آپ لاکھ ذکر کرلیں' ان سے آپ کو وہ سکون نصیب نہیں ہوگا جو آپ کو اسمِ ذات (اللہ) کے ذکر سے سکون نصیب ہوگا۔

تو فرماتے ہیں: دوسرے اسما کی بجائے اللہ کے نام کے ذکر سے سکون زیادہ ملتا ہے۔

فنا اور بقا کا کمال:

فرمایا: ''فنا اور بقا کا کمال یہ ہے کہ محبت کے ساتھ اتباع شریعت بھی نصیب ہوجائے''

موت کے وقت عادی عمل کا اجرا:

ایک بزرگ تھے' وہ موت کے وقت انگلیاں ہلا رہے تھے۔ عام بندوں کو پتہ نہ چلا کہ یہ کیا کر رہے ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر نے ان کی بیوی سے پوچھا: یہ موت کے وقت یوں انگلیاں کیوں ہلا رہے تھے؟ وہ کہنے لگی: اس راز کو میں سمجھتی ہوں' ان کا انگلیوں کے اوپر تسبیح

پڑھنے کا اہتمام تھا۔ زندگی بھر وہ اس معمول پر کاربند رہے اور بے ہوشی کے عالم میں بندے کا جو عادی عمل ہوتا ہے وہ خود بخود انسان کے ہاتھوں سے صادر ہو جاتا ہے۔

اب یہاں سے یہ بات سمجھ میں آئی کہ جو بندہ آج کلمے کا کثرت سے ذکر کرے گا' لا الہ الا اللہ' پڑھے گا' ایک دن میں ہزاروں مرتبہ ذکر کرے گا' تو عادت ہونے کی وجہ سے موت کے وقت اس کی زبان سے بلا ارادہ کلمہ جاری ہو جائے گا۔

ایک صاحب نے طوطا پالا اور اس کو اللہ اللہ کا نام سکھایا۔ اب وہ طوطا اللہ اللہ کہتا' لوگ بڑے خوش ہوتے اور وہ دور دور سے اس کو دیکھنے کے لیے آتے۔ اللہ تعالیٰ کی شان دیکھیں کہ ایک دن اس نے طوطے کو پنجرے میں تو ڈالا مگر اس کا دروازہ بند کرنا بھول گیا۔ جب وہ ادھر ادھر ہوا تو پیچھے سے بلی صاحبہ تشریف لے آئیں۔ اس نے جب پنجرے کا دروازہ کھلا دیکھا تو اس نے طوطے کی گردن پکڑی اور بھاگ گئی۔

اس کو اس وقت پتہ چلا جب طوطے نے ٹیں ٹیں کرنی شروع کر دی۔ چنانچہ وہ بھاگ کر اس کے پیچھے گیا مگر بلی لے کر بھاگ چکی تھی۔ اس کو طوطے کے مرنے کا بڑا افسوس ہوا' چنانچہ کئی دنوں تک بڑا غمزدہ رہا۔

ایک دن وہ ایک اللہ والے سے ملا اور ان کو اس نے واقعہ سنایا۔ انہوں نے سمجھایا: بھئی! جو ہونا تھا وہ ہو گیا' اب کیا غمزدہ ہوتے ہو۔ یہ کہنے لگا: حضرت! چلو یہ تو کوئی بات نہیں' موت تو آنی تھی' اس کو بلی لے گئی تو کوئی بات نہیں لیکن یہ بات بڑی عجیب ہے کہ میں نے اس طوطے کو ساری عمر اللہ اللہ کا لفظ سکھایا اور وہ اللہ اللہ ہی کہتا تھا لیکن جب بلی اس کو لے کر بھاگی تو وہ اللہ اللہ کے بجائے ٹیں ٹیں کرتا جا رہا تھا' حیرت تو مجھے اس بات پر ہے۔ اب ان بزرگوں نے اس کو سمجھایا' فرمانے لگے: دیکھو! اس طوطے کی زبان پر تو اللہ اللہ تھا مگر اس کے دل میں ٹیں ٹیں تھی۔ اور موت کے وقت وہی کچھ نکلتا ہے جو انسان کے

دل میں ہوتا ہے۔

بھئی آج اگر ہم اپنے دل میں اللہ کو بسائیں گے تو موت کے وقت بے اختیار کلمہ زبان سے نکل آئے گا۔

اجازت وخلافت کی اصل:

فرمایا: ایک حدیث پاک میں ہے کہ ایک مرتبہ بہت سی عورتیں جمع تھیں، مگر نبی علیہ السلام کو فرصت نہ تھی، چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ نیابتاً بیعت کرلیں۔ اجازت وخلافت کی اصل یہی حدیث ہے۔

نبی علیہ السلام نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ میں مصروفیت کی وجہ سے جا نہیں سکتا، لہٰذا آپ چلے جائیں اور ان کو نیابتاً بیعت کرلیں۔ اسی طرح یہ جو اجازت وخلافت دی جاتی ہے وہ بھی اسی لیے دی جاتی ہے کہ اب کام بڑھ چکا ہے اور میں ہر جگہ پر تو وقت دے نہیں سکتا، لہٰذا آپ لوگ جائیں اور ان لوگوں کو نیابتاً بیعت کرلیں۔

وساوس اور ان کا علاج:

ایک بات بڑی قیمتی ہے: ایک ہوتا ہے وسوسہ شیطانی اور ایک ہوتا ہے وسوسہ نفسانی۔ اگر اس بات میں فرق کرنا ہو کہ یہ وسوسہ کس کی طرف سے ہے تو اس کا معیار یہ ہے کہ انسان اس وسوسہ کی نفی کرے۔ اگر تو وہی وسوسہ بار بار آ تا رہے، بار بار آ تا رہے تو یہ پہچان ہے کہ یہ وسوسہ نفسانی ہے اور اگر اس کے بجائے کوئی اور وسوسہ آنے لگ جائے تو پتہ چل جاتا ہے کہ یہ وسوسہ شیطانی ہے۔ اس لیے کہ شیطان کا یہ مقصد ہوتا ہے کہ بندہ کوئی نہ کوئی گناہ کرلے۔ بڑا گناہ نہیں کرتا تو چلو اس سے چھوٹا کرلے۔ وہ بھی نہیں کرتا تو چلو اس سے بھی چھوٹا کرلے۔ وہ کہتا ہے۔ کہ کچھ تو کرواتا ہے یعنی وہ کہیں نہ کہیں بندے کی تشکیل ضرور کرنا چاہتا ہے۔

چنانچہ جب بھی کوئی وسوسہ آئے تو آپ اس وسوسے کو روکیں۔ نفس چونکہ ضدی اور اڑیل ہے اور یہ کہتا ہے کہ میں نے یہ کام کر کے رہنا ہے' بار بار وہی وسوسہ آئے گا۔ اس لیے یہ وسوسہ نفس کی طرف سے ہوگا۔ اور بدل کر نیا وسوسہ آئے تو یہ کس کی طرف سے ہوگا؟ شیطان کی طرف سے۔

وسوسہ شیطانی اور وسوسہ نفسانی کا علاج کیا ہے؟

☆......وسوسہ شیطانی کا علاج ذکر و اذکار ہیں۔ قرآن مجید سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طَآئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا﴾ (۲۰۱: الاعراف)

تو وسوسہ شیطانی کا علاج کیا ہے؟ ذکر اللہ

☆......اور وسوسہ نفسانی کا علاج ''خواہشات کو توڑنا اور اللہ کے سامنے رونا دھونا''

مکتوبات رشیدیہ سے معارف

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی ایک کتاب ''مکتوبات رشیدیہ'' ہے اس میں سے بھی چند ملفوظات سن لیجیے۔

سونے سے پہلے تہجد پڑھنا:

فرمایا: ''اگر تہجد پڑھنے سے دن کے کاموں میں نقصان ہوتا ہو تو پھر پڑھ کے سونا افضل ہوتا ہے''

یہ بات کون کہہ رہے ہیں؟ فقیہِ وقت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر تہجد پڑھنے سے دن کے کاموں میں نقصان ہوتا ہے' یہاں احتمال کی بات نہیں ہو رہی' بلکہ نقصان ہونے کی بات ہو رہی ہے۔ اس لیے اس بندے کے لیے

افضل یہ ہے کہ وہ تہجد پڑھ کے سوئے۔

(یہاں حضرت مولانا خلیل الرحمٰن انوری مدظلہٗ نے سوال پوچھا: حضرت! دن کے کاموں میں یا دین کے کاموں میں؟ تو حضرت دامت برکاتہم نے فرمایا: دن کے کاموں میں۔ پھر وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ دن میں بھی بندہ دین ہی کے کام تو کرتا ہے۔ ایک آدمی رزق حلال کے لیے جاتا ہے اور ڈیوٹی پوری نہیں دے سکتا تو فریضے میں کمی ہو جاتی ہے اور اگر دین کے کام میں جاتا ہے تو وہ پھر ویسے ہی دین کا کام ہے)

جب ذکر ذات کا خیال قائم ہو جائے:

فرمایا: ''جب ذکر ذات کا خیال قائم ہو جائے تو زبان کے ذکر کی حاجت نہیں رہتی'' یعنی جب دھیان ہی ہر وقت اسی کا ہے تو زبان سے نام لینے کی پھر ضرورت نہیں رہتی۔

طریقت کا مقصود:

فرمایا: ''طریقت کا مقصود یہ ہے کہ عام لوگ جن چیزوں کا سرسری علم رکھتے ہیں وہ سالک کو یقین کامل کے ساتھ حاصل ہو جائیں''

صحبتِ نبوی کا فیض:

فرمایا: ''نبی علیہ السلام کی صحبت کی وجہ سے صحابہ کرامؓ کو چار نعمتیں نصیب ہوئیں۔

...... یہ یقین ہونا کہ دنیا فانی ہے۔

...... یہ یقین ہونا کہ آخرت باقی رہنے والی ہے۔

...... یہ یقین ہونا کہ ہم لاشیئی ہیں۔

...... یہ یقین ہونا کہ اللہ ہی کارساز ہے۔

صحابہ کرام کو یہ چار نعمتیں کامل طریقے سے مل گئی تھیں۔''

تصوف میں لگے رہنا چاہیے:

فرمایا: ''بندے کو تصوف میں لگے رہنا چاہیے۔ اول تو نسبت نصیب ہو جائے گی' ورنہ نیکوکاری کی جماعت میں تو شمولیت یقینی ہو جائے گی''

سلوک کا مقصد:

فرمایا: ''سلوک کا مقصد یہ ہے کہ معاصی سے نفرت ہو اور اطاعت سے رغبت ہو جائے''

حصولِ نسبت کی علامت:

فرمایا: ''حصول نسبت کی علامت یہ ہے کہ اپنے آپ کو رب کائنات کے رو برو محسوس کرے اور معاصی کے خیال سے شرم طاری ہو جائے''

ذکر کے لیے فرصت کا انتظار کیوں؟

ذکر کے لیے فرصت کا انتظار نہ کرے۔ شیطان ہرگز فرصت نہ ہونے دے گا۔ بلکہ وہ کسی نہ کسی کام میں الجھائے رکھے گا۔ اس لیے ذکر کے لیے فرصت کی تلاش میں نہ پڑے۔

سالکین کی رہنمائی سے معارف

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک کتاب '' سالکین کی رہنمائی'' ہے اس میں سے بھی چند ملفوظات سن لیجیے۔

ثمرات کا انتظار:

فرمایا: ''ذکر کے وقت سالک کو ثمرات کا منتظر نہیں ہونا چاہیے' فقط اللہ کی رضا کا منتظر ہونا چاہیے''

عُجب سے حفاظت کیسے؟

فرمایا: ''عُجب سے حفاظت کے لیے سوچیں کہ جو نعمت ملی، وہ بغیر استحقاق کے ملی، یہ میرا کمال نہیں بلکہ یہ فضل خدا ہے۔ اگر دوسرے فضیلتوں سے خالی نظر آتے ہیں تو ممکن ہے کہ ان کو ایسے کمالات ملے ہوں جو میری نظر میں پوشیدہ ہوں''۔

غیبت کا علاج:

فرمایا: ''غیبت کے وقت یہ خیال کرو کہ دوسرا شخص میرے نیک اعمال کا حق دار بنے گا'' یہ غیبت کا انوکھا علاج ہے کہ جب بندہ غیبت کر رہا ہو تو سوچے کہ دوسرا شخص میرے نیک اور مقبول اعمال کا حق دار بن جائے گا۔ تو جب وہ یہ سوچے گا کہ کمائی میری ہے اور جائے گی دوسرے کے پاس، تو پھر غیبت سے بچ جائے گا۔

نیک اعمال کرنے کی وجہ:

اچھا بھئی! بتائیں کہ انسان کی بخشش عمل پر ہوگی یا رحمت کی وجہ سے ہوگی؟

(سب سامعین نے بیک زبان کہا) اللہ کی رحمت کی وجہ سے۔

(پھر حضرت اقدس دامت برکاتہم نے فرمایا) پھر ذکر، مجاہدے کی کیا ضرورت ہے؟ مشائخ نے فرمایا: نیک اعمال مغفرت کے لیے ہی نہیں کیے جاتے بلکہ مالک کا مملوک پر حق بھی ہوتا ہے۔

بدگمانی کا علاج:

فرمایا: ''اگر کسی سے بدگمانی ہو تو اس کے لیے دعائیں کرو، بدگمانی ختم ہو جائے گی''

نماز میں یکسوئی پیدا کرنے کا بہترین نسخہ:

فرمایا: ''نماز میں یکسوئی کے لیے ہر رکن کو معانی کے استحضار کے ساتھ تسلی سے ادا کرے۔'' اللہ تعالیٰ نماز کے اندر یکسوئی عطا فرما دیں گے۔

مقصود کا مشاہدہ:

فرمایا: ''اول تو مقصود کا مشاہدہ نصیب ہو ورنہ کام میں کوتاہی کا مشاہدہ تو ہونا ہی چاہیے'' مقصود کون ہے؟ اللہ تعالیٰ۔ اگر اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ نصیب نہ ہو تو اس بات کا مشاہدہ تو ہونا ہی چاہیے کہ میری نماز ٹھیک نہیں ہے۔

انتقام لینے کا علاج:

فرمایا: ''انتقام لینے کا جذبہ اس طرح ختم ہوتا ہے کہ چند روز انسان صبر کر لے''

ماسویٰ کا تعلق کب مذموم بنتا ہے؟

فرمایا: ''ماسویٰ کا وہ تعلق جو طاعات میں کمی کا سبب بنے مذموم ہے ورنہ مذموم نہیں''

حسد کا علاج:

فرمایا: ''جس بندے سے حسد ہو مجمع میں اس کی تعریف کرے اور کبھی کبھی اس کو ہدیہ دیتا رہے'' ہم تو اس کو ہڈیاں دینے کے لیے بھی تیار نہیں ہوتے۔

زہد کسے کہتے ہیں؟

فرمایا: ''دنیا کی رغبت میں کمی ہونے کا نام ''زہد'' ہے''

عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی فضیلت:

فرمایا'' ابنِ عیینہ کہتے ہیں کہ میں نے صبح و شام کا جائزہ لیا' عبداللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ

اور صحابہ کی زندگیوں میں صحبت نبوی کے سوا کوئی فرق نظر نہ آیا۔''

ابنِ عیینہ ایک محدث ہیں' وہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے عبداللہ ابنِ مبارک کی زندگی کو حدیث کے آئینے میں دیکھا تو ان کی زندگی میں اور صحابہ کرامؓ کی زندگیوں میں صحبتِ نبوی کے سوا مجھے کوئی فرق نظر نہ آیا۔

توجہ کا فیض:

آپ حضرات جب تک تو یہاں محفل میں ہوتے ہیں اس وقت تک تو ویسے ہی سامنے ہوتے ہیں اور جب محفل نہیں ہوتی تو توجہات اس وقت بھی چلتی رہتی ہیں۔ یہ عاجز آپ سے علیحدہ نہیں ہوتا۔ ایک لمحہ کے لیے بھی مجمع کا تصور یا دھیان جدا نہیں ہوتا' اس لیے آپ جہاں بھی بیٹھے ہوں' جس حال میں بھی بیٹھے ہوں' اپنے دلوں کی طرف متوجہ رہیں' اس سے آپ کو ہر وقت توجہ کا فیض ملتا رہے گا۔

چنانچہ ان اوقات کو غنیمت سمجھیں' اللہ تعالیٰ ہمیں اپنا قرب عطا فرمائے گا۔ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف کشش میں تھوڑا سا بھی اضافہ کسی وجہ سے نصیب ہو گیا تو آپ اس عمل کا اجر دنیا میں نہیں دے سکتے۔ تو کیا پتہ کہ آپ متوجہ الی اللہ رہیں اور اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی اور زیادہ کشش عطا فرما دیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ○

تمنا درد دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کے ارادات ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

ترستی ہے نگاہ نا رسا جس کے نظارے کو
وہ رونق انجمن کی ہے انہیں خلوت گزینوں میں

کسی ایسے شرر سے پھونک اپنے خرمن دل کو
کہ خورشید قیامت بھی ہو تیرے خوشہ چینوں میں

محبت کے لیے دل ڈھونڈ کوئی ٹوٹنے والا
یہ وہ مے ہے جسے رکھتے ہیں نازک آبگینوں میں

سراپا حسن بن جاتا ہے جس کے حسن کا عاشق
بھلا اے دل حسیں ایسا بھی ہے کوئی حسینوں میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ○ (البقرۃ:۱۳۸)

منافق کا انجام

از افادات

حضرت مولانا پیر حافظ ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہم

خصوصی مجالس: بعد نماز مغرب سالانہ اجتماع جھنگ

مورخہ ۷ اکتوبر ۲۰۰۴ء

اقتباس

جیسا ظاہر ہوتا ہے باطن ویسا بن جائے اس کے لیے محنت درکار ہوتی ہے۔ جب انسان اپنے نفس کی اصلاح کرتا ہے تب قول اور فعل کا تضاد ختم ہوتا ہے۔ اس لیے کہنے والے نے کہا:

نہنگ و اژدھا و شیر نر مارا تو کیا مرا ؟
بڑے موذی کو مارا نفس امارہ کو گر مارا

نفس امارہ کو اگر مار لیا تو بڑے موذی کو مار لیا۔

خرد نے کہہ بھی دیا لاالہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

اصل یہ ہے کہ انسان کا من سنور جائے۔ تن کو سنوارنا آسان ہے لیکن من کو سنوارنا مشکل کام ہے۔

(حضرت مولانا پیر حافظ ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہم)

منافق کا انجام

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ: فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ صِبْغَۃَ اللّٰہِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰہِ صِبْغَۃً ○ (البقرۃ:۱۳۸)

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ○ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

اشیا کی صورت اور حقیقت:

ہر چیز کی ایک صورت ہوتی ہے اور ایک حقیقت ہوتی ہے کئی مرتبہ دیکھا گیا کہ دو چیزوں کی صورت تو ایک جیسی ہوتی ہے لیکن حقیقت میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر:

☆......دو الفاظ لکھنے میں بالکل ایک جیسے ہیں۔ایک شیر اور دوسرا شیر۔ یہ ایک ہی طرح لکھے جاتے ہیں۔صورت دونوں الفاظ کی ایک ہے لیکن حقیقت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔شیر کہتے ہیں اس جانور کو جو انسان کو کھا لے اور شِیر کہتے ہیں اس دودھ کو جس کو

بچہ بھی پی لیتا ہے۔

☆.....کئی مرتبہ دیکھا کہ پتلا بانس ہو اور گنا ہو تو دونوں شکل میں ایک جیسے ہوتے ہیں۔ان کی ظاہری شکل سے آپ اندازہ نہیں لگا سکتے کہ یہ دونوں مختلف چیزیں ہیں۔ایک مٹھاس سے خالی ہوتا ہے اور دوسرا مٹھاس سے بھرا ہوتا ہے۔

اسی طرح شکل میں تو دو انسان ایک جیسے ہوتے ہیں لیکن دل کی کیفیت کی بنا پر ایک مومن ہوتا ہے اور دوسرا کافر ہوتا ہے۔

گر بصورت آدمی انسان بودے
احمد و بوجہل ہم یکساں بودے

اگر فقط شکل کی بنیاد پر کسی کو انسان کہا جاتا تو ابوجہل اور ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ دیکھنے میں تو انسان کی شکل والے تھے۔

باطن پر محنت کرنے کی ضرورت:

جیسا ظاہر ہوتا ہے' باطن ویسا بن جائے اس کے لیے محنت درکار ہوتی ہے۔ جب انسان اپنے نفس کی اصلاح کرتا ہے تب قول اور فعل کا تضاد ختم ہوتا ہے۔اس لیے کہنے والے نے کہا:

نہنگ و اژدھا و شیر نر مارا تو کیا مرا ؟
بڑے موذی کو مارا نفس امارہ کو گر مارا

نفس امارہ کو اگر مار لیا تو بڑے موذی کو مار لیا۔

خرد نے کہہ بھی دیا لاالہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

اصل یہ ہے کہ انسان کا من سنور جائے۔تن کو سنوارنا آسان ہے لیکن من کو سنوارنا

مشکل کام ہے۔

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا
اپنے افکار کی دنیامیں سفر کرنہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شبِ تاریک سحر کر نہ سکا

ساری دنیا کو قمقموں سے روشن کرنے والا انسان اپنے من کی دنیا میں اندھیرے لیے پھرتا ہے۔

خودفراموشی' خدافراموشی ہے:

اس میں رکاوٹ کیا ہوتی ہے؟ انسان کی اپنی سستی اس میں رکاوٹ ہوتی ہے۔ کیونکہ دو چیزیں اکٹھی نہیں ہوسکتیں، خداطلبی اور بلاطلبی۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ ایک آدمی کے اندر طلب بھی نہ ہواور پھر وہ یہ کہے کہ مجھے خدا مل جائے۔ اس کے لیے محنت کرنی پڑتی ہے۔ ورنہ تو انسان خودفراموش بنتا ہے۔ حقیقت میں خدافراموش بن جاتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو ہی بھول گیا۔ دوسرے لفظوں میں وہ اپنے مالک کو بھول گیا۔

من کی صفائی:

من کو صاف کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔ آپ دیکھیں! اللہ تعالی نے انسان کے دل کو اپنا گھر فرمایا اور اللہ تعالی نے فرمایا کہ نہ میں زمینوں میں سماتا ہوں' نہ آسمانوں میں سماتا ہوں' میں مومن بندے کے دل میں سما جاتا ہوں۔ بھئی! گندہ گھر تو کسی کو بھی اچھا نہیں لگتا۔ آج کی عورت تین گھنٹے اپنے گھر کو صاف کرتی ہے۔ پوچھیں کہ اتنی محنت کیوں کررہی ہو؟ تو جواب دے گی کہ اگر خاوند نے گھر کو گندہ پایا تو وہ ناراض ہوگا۔ اگر عام خاوند کی بیوی بھی اپنے گھر کو صاف کرنا اپنی ذمہ داری سمجھتی ہے تو کیا ہم پروردگار کی خاطر

اپنے دل کے گھر کو صاف نہیں کر سکتے!؟ یہ دل خدا کا گھر ہے۔قلبِ عبداللہ' عرش اللہ ہے۔اللہ کا عرش ہے۔

یہاں طالب علم کے ذہن میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب دل اللہ کا گھر ہے تو پھر اللہ تعالیٰ خود اسے کیوں نہیں صاف کر دیتے؟ جب وہ اس گھر کے مالک ہیں تو اس گھر کو خود صاف کر دیں۔علماء نے اس کا جواب لکھا ہے: جب کوئی کرایہ دار ہو تو پھر گھر کی صفائی اس کرایہ دار کے ذمے ہوا کرتی ہے۔اسی طرح یہ دل اس وقت ہمارے پاس ادھار کا مال ہے۔اس کو صاف کرنا بھی ہماری ہی ذمہ داری ہے۔

شیطان کو دور بھگانے کا طریقہ:

ذکر سے انسان کا دل صاف ہوتا ہے۔جس طرح ابرہہ بیت اللہ شریف کو جلانے کے لیے چلا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ابابیل بھیجے تھے کہ تم پتھر پھینک کر ان کو ختم کر دو' اسی طرح شیطان کی مثال بھی ابرہہ کی مانند ہے، یہ اس دل پر (جو اللہ تعالیٰ کا گھر ہے) قبضہ کرنے کے لیے قدم بڑھاتا ہے۔اس لیے مومن کو چاہیے کہ وہ لا الہ الا اللہ کی ضربیں لگائے' یہ شیطان کے لیے کنکریاں مارنے کی مانند ہو جاتا ہے۔ اس سے شیطان دفع دور ہو جاتا ہے۔

من کو سنوارنے کے دو اصول:

ہر بندے کے دل میں یہ چاہت ہوتی ہے کہ میں سنور جاؤں' نیک بن جاؤں' اچھا ہو جاؤں۔یہ کیسے ممکن ہو؟ اس کے لیے دو بڑے آسان اصول یہ ہیں:

(۱) روزمرہ کے کاموں میں سنت کا اہتمام:

آدمی اپنے روزانہ کے کاموں پر نظر دوڑائے تو کچھ ایسے کام ہیں جن کو وہ زندگی میں بار بار کرتا ہے۔ ہر بندے کی زندگی میں دس سے پندرہ کام ایسے ہونگے جن کو وہ روزانہ

دوہراتا ہے۔مثال کے طور پر:

☆......کھانا۔وہ دن میں کئی مرتبہ کھاتا ہے۔

☆......پینا۔وہ دن میں کئی مرتبہ مشروبات پیتا ہے۔

☆......بیت الخلا جانا۔ایک دن میں کئی مرتبہ بیت الخلا میں جانے کی ضرورت پیش آتی ہے۔

☆......وضو کرنا۔نمازی بندے کو ایک دن میں کئی مرتبہ وضو کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔

☆......نماز پڑھنا۔ایک دن میں کئی مرتبہ نماز پڑھتے ہیں۔

☆......گھر میں آنا اور جانا۔اس کی ہر روز ضرورت پیش آتی ہے۔

☆......غسل کرنا۔اس کی بھی ضرورت پیش آتی ہے۔

☆......کپڑے بدلنا۔

☆......سونا اور جاگنا۔

☆......اہل خانہ کے ساتھ وقت گزارنا

یہ وہ کام ہیں جو ہر بندہ روزانہ کئی مرتبہ کرتا ہے۔ایسے دس سے پندرہ کاموں کو انسان کوشش کر کے سنت کے مطابق بنالے۔ہمت کر کے، کوشش کر کے، سیکھ کے اپنی ان عادات کو عبادات بنالے۔بھئی! کھانا تو کھانا ہی ہوتا ہے، دستر خوان لگا کے کھائے، بیٹھ کے کھائے، نیچے بیٹھنے میں کوئی معذوری ہو تو شریعت اجازت دیتی ہے کہ پھر کسی اونچی جگہ پر بیٹھ جائے۔لیکن کھڑے ہو کر کھانا، چل پھر کے کھانا، جیسے آج کل کے شادی بیاہ میں

﴿يَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ﴾ (محمد:۱۲)

لوگ ایسے کھانا کھارہے ہوتے ہیں جیسے جانور چارہ کھارہے ہوتے ہیں۔انسان اس سے بچے اور کھانا سنت کے طریقے پر کھائے۔دائیں ہاتھ سے کھائے، قریب سے

کھائے، لقمے کو چبا چبا کے کھائے۔ کھانے کے جو آداب کتب میں لکھے ہیں ان کو پڑھے اور اپنے کھانے کو سنت کے مطابق بنا لے۔ اب جب دن میں کئی مرتبہ کھانا کھائے گا تو یہ عمل سنت کے مطابق ہونے کی وجہ سے خود بخود عبادت بن جائے گا۔

پانی پینا ہے تو بھئی! سنت کے مطابق پی لیں۔ کھڑے ہو کر کیوں پیتے ہیں؟ بیٹھ کر پییں۔ ایک سانس میں کیوں پیتے ہیں؟ سنت کے مطابق تین سانس میں پییں۔ پینے کے بعد کی دعا بھی پڑھ لیں تو یہ پانی پینا بھی عبادت بن جائے گا۔

بیت الخلا جانا ہے تو داخل ہونے کی دعا بھی اور باہر نکلنے کی دعا بھی یاد کر لیں۔ جاتے ہوئے اپنا بایاں قدم اندر رکھیں اور باہر نکلتے ہوئے دایاں قدم پہلے باہر رکھیں۔ سنت کے مطابق بیت الخلا جانے پر وہ ثواب ملتا ہے جو غیر سنت طریقے پر نفلیں پڑھنے پر انسان کو نہیں ملا کرتا۔ بھئی! بیت الخلا میں جانا تو روز پڑتا ہے۔ بندہ دن میں کئی مرتبہ باتھ روم Use کرتا ہے۔ بلکہ کچھ لوگ تو بیت الخلا میں اس طرح جاتے ہیں جیسے بیت الخالہ ہوتا ہے۔ وہاں جا کے بیٹھ جاتے ہیں۔

وضو ہر انسان کرتا ہے۔ یہ ایمان والوں کی بات ہو رہی ہے۔ یہ سنت کے مطابق وضو کر لے، اس طرح وضو عبادت بن جاتا ہے۔

نماز تو پڑھنی ہی ہے۔ اس کو سنت طریقے کے مطابق پڑھے۔ تحریمہ کے وقت ہتھیلیاں کیسے ہونی چاہییں، انگلیاں کیسے ہوں، قیام میں کیسے کھڑے ہوں، رکوع میں کیسے، سجدے میں کیسے، التحیات میں کیسے ہوں۔ سنت کے طریقے کو سیکھ کر اس کے مطابق ان اعمال کو کر لینا، اس عمل کے اجر کو بڑھا دیتا ہے۔

گھر سے نکلنے کی دعا اور گھر میں واپس آنے کی دعا یاد کر لینی چاہیے۔

کپڑے بدلنے کی دعا بھی یاد کر لیں۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ جو بندہ کپڑے بدلنا چاہے اور وہ بسم اللہ پڑھ کر کپڑے بدلے تو اس کے اور جنوں کے درمیان اللہ تعالیٰ

ایک پردہ ڈال دیتے ہیں جس کی وجہ سے جن اس کے بدن کو نہیں دیکھ سکتے۔ بسم اللہ کے الفاظ پڑھنے کی برکت دیکھیے۔

رات کو سوتے وقت سونے کی دعا پڑھ کر سوئیں، بیدار ہوتے وقت بیدار ہونے کی دعا پڑھیں۔

تو جن کاموں کو ہم دن میں بار بار کرتے ہیں' اگر ان کو سنت کے مطابق بنالیں تو ہماری زندگی کا ایک بڑا حصہ سنت کے مطابق بن جائے گا۔ اور بار بار ان کاموں کے کرنے کی وجہ سے کوئی مشکل بھی نہیں ہوگی۔

(۲)...... بڑوں سے پوچھ کر چلنے کی عادت ڈالنا:

دوسرا کام یہ کریں کہ اپنے بڑوں سے پوچھ کر چلنے کی عادت ڈالیں۔ اس میں دین اور دنیا' دونوں کا فائدہ ہے۔ جو انسان اپنے بڑوں سے پوچھ کر چلے اس کے لیے دین اور دنیا دونوں کا فائدہ ہوتا ہے۔ اگر بڑوں سے پوچھ کر کام نہیں کریں گے تو شیطان ہمیں گمراہی کے راستے پر ڈال دے گا۔ یہ ذہن میں رکھیں کہ شیطان ہمارا اعلانیہ دشمن ہے اور اللہ رب العزت نے بھی ہمیں بتلا دیا ہے:

﴿اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَکُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا﴾ (فاطر:۶)

''بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے تم بھی اسے دشمن سمجھ کے رکھو''

یہ ایسا بد بخت دشمن ہے جو نہ تھکتا ہے نہ سوتا ہے اور نہ ہی بندے سے ناامید ہوتا ہے۔ آپ حیران ہونگے کہ ایک دفعہ نبی علیہ السلام رات کی نماز ادا فرمارہے تھے۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بتایا: آج شیطان میرے سامنے ایک جانور کی شکل میں آیا میں اس وقت نماز پڑھ رہا تھا تو اس نے آکر چھلانگیں لگانا شروع کر دیں۔ وہ میری نماز میں خلل تو نہیں ڈال سکتا تھا کیونکہ اللہ نے اسے روکا ہوا تھا' مگر وہ اتنا بھی کرنے

سے باز نہ آیا کہ چھلانگیں لگانے سے کچھ توجہ تو نماز سے ہٹے گی۔

اب ذرا غور کیجیے کہ جن کے ساتھ اللہ رب العزت کی اتنی مدد اور اتنی حفاظت تھی، ان کے ساتھ بھی شیطان اپنی شیطانیت سے باز نہیں آیا۔ وہ جانتا تھا کہ میں نماز سے تو توجہ ہٹا نہیں سکتا لیکن یہ سوچنے لگا کہ جو کر سکتا ہوں وہ کیوں نہ کروں۔ چنانچہ جانور کی شکل میں آ کر اس نے اچھلنا کودنا شروع کر دیا کہ تھوڑی سی توجہ نماز سے ہٹ کر میری طرف ہو جائے گی۔

ایک حدیث پاک کو امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوبات میں بھی نقل فرمایا ہے: ایک مرتبہ نبی علیہ السلام نے نماز پڑھائی جہری نماز تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ النجم کی تلاوت فرمائی۔ اس میں یہ آیت پڑھی:

﴿اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى﴾ (النجم: ۱۹ تا ۲۰)

جب یہ آیت پڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ دیر کے لیے سانس لینے کے لیے وقف کیا تو اس دوران شیطان نے ملتی جلتی آواز بنا کر یہ کہا کہ تم ان بتوں کی بھی پوجا کرو اور خدا کی بھی پوجا کرو۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جب یہ سنا تو وہ بڑے حیران ہوئے کہ اب تک تو ہمیں توحید کی تعلیم مل رہی تھی اور اب ہمیں یہ کیا تعلیم دی جا رہی ہے؟

چنانچہ جب نماز مکمل ہوئی تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے نبی علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا: اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! کیا نئی آیات اتر آئی ہیں؟ فرمایا: نہیں، میں نے تو یہ تلاوت نہیں کی۔ پھر اللہ رب العزت نے جبرئیل علیہ السلام کو بھیجا اور انہوں نے آ کر کہا: اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! جب تھوڑی دیر کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وقفہ فرمایا تھا تو اس وقت شیطان نے صحابہ رضوان اللہ علیہم کو دھوکا دینے کی خاطر ملتی جلتی آواز میں یہ الفاظ کہے ہیں اور یہ شیطان کا دھوکا ہے۔

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ یہ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام کی

موجودگی، صحابہ رضوان اللہ علیہم جیسی روحانیت اور نماز جیسی قرب الی اللہ کی کیفیت، اگر اس میں بھی شیطان دھوکا دینے سے باز نہیں آتا تو پھر ہمارا کیا حال ہے!! ہم کس کھیت کی گاجر مولی ہیں!!اس لیے یہ بات ذہن میں رکھیں کہ شیطان ہر بندے کو دھوکا دینے کے لیے ہر وقت تیار رہتا ہے۔کوئی بندہ شیطان سے مطمئن نہیں ہوسکتا۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ ایک ایسا دشمن ہے جو رشوت قبول نہیں کرتا۔کئی دشمن تو ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو رشوت دی جائے تو جان چھوڑ دیتے ہیں لیکن یہ رشوت بھی قبول نہیں کرتا۔ ہاں! جب یہ پورے ایمان پر ڈاکہ ڈال لیتا ہے تب کہتا ہے کہ اب مجھے تیری کوئی پروا نہیں ہے۔اس سے پہلے بندے کی جان نہیں چھوڑتا۔ چنانچہ ہمیں پوری زندگی اس بد بخت سے بچنے کی ضرورت ہے۔

شیطان کا طریقۂ واردات:

اس کا ایک طریقۂ واردات یہ ہے کہ جو بندہ جس گناہ کے قریب ہو اس سے وہی گناہ کروالیا جائے۔ بات سمجھنے کی ہے، توجہ فرمائیے...... مثال کے طور پر:

☆......ایک بندہ سخی ہے اور ایک بندہ ذرا محتاط خرچ کرنے والا ہے۔ اب ان دونوں کے لیے اس کا رویہ مختلف ہے۔ جو سخی ہوگا اس کو یہ فضول خرچی سکھائے گا۔اس لیے کہ اس کے دل میں سخاوت کا جذبہ ہوتا ہے، چنانچہ اس کے لیے خرچ کرنا آسان ہوتا ہے۔اس طرح اس کے لیے اسراف والے گناہ میں پڑنا آسان ہے۔اور جو محتاط طبیعت کا مالک ہے اس کو وہ کنجوسی سکھائے گا۔اس سے بخل والا گناہ کروائے گا۔

☆......اگر کوئی بندہ نیک ہے تو اس کے اندر عجب (خود پسندی) پیدا کرے گا۔ نیک جو ہوا۔اب وہ نیکی تو چھڑوا نہیں سکتا۔اس لیے وہ عجب اور خود پسندی پیدا کر کے اس کے عمل کو ضائع کروائے گا۔اور دوسری طرف اگر کوئی آدمی بدکار ہے تو اس آدمی کے دل

میں ناامیدی اور ڈپریشن پیدا کر دے گا۔ اس کے اندر احساس گناہ تو پہلے ہی ہوتا ہے' چنانچہ وہ کہتا ہے: بس جی! میں تو جہنم میں چلا جاؤں گا، میں تو اللہ کی محبت نہیں پا سکتا۔ ناامید کر دے گا، اس کو ڈپریشن کا مریض بنا دے گا۔

یہ اکثر اوقات دلوں میں حسد پیدا کر دیتا ہے۔ یہ حسد ایسی بری بیماری ہے کہ آسمان پر بھی پہلا گناہ حسد کی وجہ سے کیا گیا اور زمین پر بھی پہلا گناہ حسد کی وجہ سے کیا گیا۔ آسمان پر پہلا گناہ شیطان نے کیا۔ اس کو حضرت آدم علیہ السلام سے حسد تھا۔

﴿اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ﴾ (البقرۃ:۳۴)

''اس نے اللہ کے حکم کی نافرمانی کی اور تکبر کیا''

اسی طرح ہابیل اور قابیل زمین کے اوپر دو بھائی تھے' حسد کی وجہ سے ایک نے دوسرے کو قتل کیا یہ حسد کا گناہ نیکی کے باوجود انسان کے اندر بڑھتا رہتا ہے۔ ایسے گناہوں سے بچنا ہماری ذمہ داری ہے۔

خیر خواہی کے رنگ میں دشمنی:

شیطان انسان کا کتنا بڑا دشمن ہے؟ جب اللہ رب العزت نے حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں رہنے کی اجازت دی تو فرمایا کہ اس درخت کا پھل نہ کھانا اور جنت میں رہ کر مزے کرنا۔ حضرت آدم علیہ السلام جنت میں رہتے ہیں اور آسمان کے فرشتوں کو اللہ کی عبادت کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ تو سیدنا آدم علیہ السلام کے دل میں ایک آرزو پیدا ہوئی۔ کاش! میں بھی اپنے رب کی ایسی عبادت کروں۔ جیسے فرشتوں کی لمبی زندگی ہے' میری بھی ہو۔ جیسے فرشتے ہمیشہ آسمان پر ہیں، میں بھی ہمیشہ جنت میں رہوں اور جیسے یہ ہر وقت عبادت میں ہیں' میں بھی ہر وقت عبادت میں مشغول رہوں۔ اب یہ تمنا تو بہت اچھی تھی۔ چنانچہ شیطان بدبخت کو انہیں ورغلانے کا موقع مل گیا۔ لہٰذا آ کر مشورہ دینے لگا۔

آپ ہمیشہ ہمیشہ یہاں رہ کر اللہ کی عبادت کرنا چاہتے ہیں، تو اس کا طریقہ میں بتاتا ہوں۔ اس درخت کا پھل کھائیے۔ ایسا ملک ملے گا:

﴿مُلْكٍ لَّا يَبْلٰى﴾ (طہٰ:۱۲۰)

''کبھی بھی جنت سے باہر نہیں نکلو گے''

اور ہمیشہ ہمیشہ اللہ کی عبادت بھی کرتے رہو گے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو وہ بات بھلا دی۔ جیسے آدمی کے ذہن سے بات نکل جاتی ہے اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کے ذہن سے ہی یہ بات نکل گئی کہ یہ وہی درخت ہے جس کا پھل کھانے سے منع کیا گیا ہے۔ حتی کہ اس نے یقین دہانی کے لیے حضرت آدم علیہ السلام اور اماں حوا کے سامنے قسمیں بھی کھائیں اور قسم کھا کر کیا کہا؟

﴿اِنِّیْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیْنَ﴾ (الاعراف:۲۱)

اس میں لام تاکید کے لیے ہے۔ اس نے تاکید کرنے کی انتہا کر دی کہ میں تو آپ کا بڑا ہی خیر خواہ ہوں۔ اب دیکھیں کہ جہاں اس کا داؤ چل سکتا تھا اس نے وہاں اس کو چلانے میں کمی نہیں کی۔ آج بھی گمراہ کرنے والے ناصح بن کر سامنے آتے ہیں۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی محبت میں اس درخت کا پھل کھا لیا۔

بس پھل کھانے کی دیر تھی کہ ایک تو جسم پر جو جنتی لباس پہنا ہوا تھا وہ اتر گیا۔ آج بھی یہ بات اپنی جگہ سچی ہے کہ شیطان کی پیروی کرنے والوں کی پہچان یہ ہے کہ ان کے جسم سے لباس اتر جاتا ہے۔ برقع اتر گیا، پردہ اتر گیا، ٹوپی اتر گئی، پگڑی اتر گئی۔ آج بھی یہ عریانی اور فحاشی اسی شیطان ہی کی وجہ سے ہے۔ اور دوسری بات یہ کہ جنت سے نکلنے کا حکم ہو گیا، یعنی جنت میں ملنے والی نعمتوں کو اللہ نے واپس لے لیا۔ آج بھی گناہ کرنے کا نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ اللہ رب العزت بندے سے اپنی نعمتوں کو واپس لے لیتے ہیں۔

اب اس موقع پر جب اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ آپ نے یہ پھل کیوں کھایا؟ تو سیدنا

آدم علیہ السلام نے سیدھی سیدھی بات کہی:

﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾

(الاعراف:۲۳)

کوئی لا جک (دلیل) پیش نہیں کی، نہ کوئی بہانہ بازی کی اور نہ ہی کوئی ہٹ دھرمی کی، بلکہ اپنے قصور کا اعتراف کر لیا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ اعترافِ قصور کو پسند فرماتے ہیں اس لیے حضرت آدم علیہ السلام کی اس بھول کو معاف کر دیا۔

یہاں پر مفسرین نے ایک عجیب نکتہ لکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے یہ جو بھول ہو گئی اور جنت سے نکل گئے تو اس سے بچنے کا آخر کیا حل ممکن تھا؟ تو انہوں نے لکھا ہے کہ جب شیطان نے ان کو بہکانے کی کوشش کی تھی تو اس وقت اگر وہ اللہ تعالیٰ سے رجوع کر کے پوچھ لیتے کہ اللہ! میں چاہتا ہوں کہ میں ہمیشہ آپ کی عبادت کروں، یہ مجھے ایسا مشورہ دے رہا ہے کیا میں اس کا مشورہ مان لوں؟ یعنی اگر بڑوں سے مشورہ کر لیتے تو شیطان کا وار کبھی نہ چلتا، اس لیے حدیث پاک میں آیا ہے:

﴿اَلْبَرَكَةُ مَعَ اَكَابِرِكُمْ﴾

''برکت تمہارے لیے اپنے بڑوں کے ساتھ ہے۔''

شریعت نے ایک اصول بنا دیا کہ کچھ عام لوگ ہیں، جیسے میں اور آپ ہیں، اور کچھ علم والے ہیں، جن کو فقہا کہتے ہیں۔ شریعت کہتی ہے کہ تم ان سے پوچھ کے چلتے رہو۔ لہٰذا عامی کے لیے اقتدا کرنے میں فائدہ ہے۔ اگر وہ امام کی بات مان کر چلے گا تو اس عامی کے اوپر کوئی بوجھ نہیں ہو گا، اس کی جان چھوٹ گئی۔ قیامت کے دن اگر اس سے پوچھا گیا کہ تو نے ایسا کیوں کیا تھا؟ تو وہ جواب میں کہے گا: یا اللہ! آپ نے ہی فرمایا تھا:

﴿وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ﴾ (لقمان:۱۵)

''اور تو میری طرف رجوع کرنے والے کی پیروی کر''

چنانچہ ہم نے ان سے پوچھ کر ویسے ہی عمل کر لیا تھا۔ تو یہ تو چھوٹ جائے گا۔ اب بتانے والے کی بات رہ گئی۔ اس کے بارے میں شریعت کہتی ہے کہ اگر کوئی مجتہد کسی معاملے میں اجتہاد کرے اور وہ ٹھیک ہو تو اس پر اللہ تعالیٰ اس کو دوگنا اجر عطا فرماتے ہیں اور اگر اس اجتہاد میں کمی کی، خطا کی تو پھر بھی اس کی نیک نیتی اور کوشش کی بنا پر اللہ تعالیٰ اس کو ایک اجر ضرور عطا فرما دیتے ہیں۔ تو مقلد بھی چھوٹ گیا اور جس کی تقلید کی وہ امام بھی چھوٹ گیا۔ دیکھیں! شریعت نے ہمیں کیسا آسان راستہ بتایا ہے!! اور جو کہے کہ جی میں تو کسی کی نہیں مانتا، اپنی مرضی سے عمل کروں گا، وہ قیامت کے دن پھنسا کھڑا ہوگا۔

نصائح دلپذیر:

ہمارے بزرگوں نے چند باتیں ایسی کہی ہیں جو سالوں ان کی صحبت میں رہنے کے بعد اس فقیر کو ملیں اور یہ فقیر آج آپ کو وہ چند باتیں بتانا چاہتا ہے۔ وہ لوہے کی لکیر کی مانند ہیں۔ آپ بھی ان کو نصیحت کے طور پر یاد رکھیے۔

(۱)...... ''جو شخص اپنے عیوب پر نظر رکھتا ہے اسے دوسروں کے عیب دیکھنے کی فرصت نہیں''

دوسروں کے عیب نظر میں تب آتے ہیں جب اپنی طرف سے نظر ہٹ جاتی ہے۔

نہ تھی اپنی برائیوں کی خبر، رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر
پڑی اپنی برائیوں پہ جو نظر، تو نگاہ میں کوئی برا نہ رہا

جب اپنی برائیوں پر نظر پڑتی ہے تو پھر سب اچھے نظر آتے ہیں۔ یہی مومن کامل کی پہچان ہے۔ ایک بزرگ سے کسی نے کہا: حضرت! میں اپنے عیبوں کی جتنی اصلاح کرتا چلا جاتا ہوں، اتنے مجھے اور عیب اپنے اندر نظر آتے ہیں۔ ان بزرگوں نے فرمایا: ایمان کامل کی یہی پہچان ہے۔ اسی لیے بزرگوں نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے خوش

ہوتے ہیں اور اس کے بارے میں خیر کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس بندے کو اس کے اپنے عیوب سے پر مطلع فرما دیتے ہیں۔ اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے ناراض ہوتے ہیں تو اس کی آنکھوں پر ایسی پٹی باندھ دیتے ہیں کہ اس کو اپنے اندر کوئی عیب نظر نہیں آتا۔

شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مرید کو نصیحت کے طور پر دو باتیں کہیں اور انہوں نے ان کو فارسی شعر میں کہہ دیا فرمایا:

مرا پیر دانائے مرشد شہاب
دو اندرز فرمود بروئے آب
یکے آنکہ برخویش خود بیں مباش
دگر آنکہ بر غیر بد بیں مباش

''میرے مرشد شہاب نے دریا کے کنارے دو لفظوں میں مجھے پورا تصوف سکھا دیا۔ ایک تو کہا کہ اپنے پہ خود بیں نہ ہونا اور دوسروں پر بد بیں نہ ہونا''

''خود بیں'' اسے کہتے ہیں جس کو اپنے اندر خوبیاں ہی نظر آتی رہیں اور ''بد بیں'' اسے کہتے ہیں جسے دوسروں کے اندر عیب ہی نظر آتے رہیں۔

(۲) ''جو شخص تقوی کے لباس سے محروم ہوتا ہے اسے پردہ اچھا نہیں لگتا۔''

عورتوں کو پردہ کرنا بھی اچھا نہیں لگتا اور ایسی عورتوں کو خود بھی پردہ کرنا اچھا نہیں لگتا چنانچہ وہ کہتی ہیں: او جی! پردہ تو آنکھ کا ہوتا ہے۔ او جی! شریعت میں چہرے کا پردہ تو نہیں۔ بھئی! کیوں نہیں؟ اصل میں تقوے کا لباس اتر چکا ہوتا ہے جس کی وجہ سے ایسے لوگوں کو پردہ مشکل نظر آ رہا ہوتا ہے۔

(۳) ''جو شخص اللہ کی تقسیم سے راضی ہوتا ہے وہ دوسروں کی ترقی سے کبھی غمگین نہیں ہوتا۔''

ایسا شخص دوسرے سے کبھی حسد نہیں کرتا۔

(۴) ’’جو شخص دوسروں کے لیے کنواں کھودتا ہے وہ شخص خود لازماً اسی کنویں کے اندر گرتا ہے‘‘

اس کو کہتے ہیں: ’’ادلے کا بدلہ‘‘ علماء نے لکھا:

’’لَوْبَغٰی جَبَلٌ عَلٰی جَبَلٍ لَدَکَّہُ اللّٰہُ تَعَالٰی‘‘

’’اگر ایک پہاڑ بھی دوسرے پہاڑ سے بغاوت کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو ریزہ ریزہ بنا دیں گے‘‘

اس لیے کسی مومن کے خلاف بیٹھ کر سوچنا‘ اس کے لیے گڑھے کھودنا‘ حقیقت میں اپنے لیے گڑھے کھودنے ہوتے ہیں۔

(۵) ’’جو شخص دوسروں کی پردہ دری کرتا ہے اس کے اپنے عیب ضرور کھل کر رہتے ہیں۔‘‘

جو شخص دوسروں کی کوتاہیاں لوگوں کے سامنے بیان کرتا ہے‘ اللہ تعالیٰ اس کے اپنے عیبوں کو کھول دیتے ہیں۔ یہ سو فیصد پکی بات ہے۔

(۶) ’’لوگوں میں بڑا بننے کوشش کرنے والا ضرور رسوا ہو کر رہتا ہے‘‘

جو شخص لوگوں کی نظروں میں بڑا بننے کی کوشش کرتا ہے وہ اللہ کو بڑا ناپسند ہوتا ہے۔ چنانچہ ایسے بندے کو اللہ تعالیٰ لازماً دنیا میں رسوا فرماتے ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ بڑا بننے کا راز چھوٹا بننے میں ہوتا ہے۔ جو چاہتا ہے کہ میں بڑا بنوں‘ اس کو چاہیے کہ وہ چھوٹا بن جائے۔

﴿مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَہُ اللّٰہُ﴾

’’جو اللہ کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس بندے کو بلندی عطا فرما دیتا ہے‘‘

(۷) ’’لوگوں کے مال لوٹنے والا پوری زندگی محتاج رہتا ہے‘‘

اپنے ارد گرد نظر دوڑا کے دیکھ لیں۔ جو بندہ دوسرے کے مال کو ہتھیاتا ہے یا لوٹتا ہے‘

اس کی محتاجی کبھی ختم نہیں ہوتی۔ جو دھوکا دے کر پیسے لے، ظلم زیادتی سے پیسے لے اللہ تعالیٰ ساری زندگی اس کو اس طرح رکھتے ہیں کہ اس کی محتاجی ختم ہی نہیں ہوتی۔

(۸) ''اپنی عقل پر اعتماد کرنے والا لازماً ٹھوکر کھاتا ہے'' ع

جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا

(۹) ''لوگوں سے بدسلوکی کرنے والا ہمیشہ لوگوں سے گالیاں کھاتا ہے''

بداخلاقی اور بدسلوکی اللہ تعالیٰ کو بہت ناپسند ہے۔

(۱۰) ''کام میں ناتجربہ کار انسان ضرور دھوکا کھاتا ہے۔''

تجربے کا شارٹ کوئی نہیں ہوتا۔ ہر چیز کا شارٹ کٹ ہوسکتا ہے، تجربے کا شارٹ کٹ کوئی نہیں ہوتا۔ یہ ٹھوکریں کھا کے ہی بندے کو پتہ چلتا ہے۔ اچھا! تجربہ کار کسے کہتے ہیں؟ جو بہت ساری غلطیاں کر چکا ہو اور سیکھ چکا ہو اس کو تجربہ کار کہتے ہیں۔ تو صاف ظاہر ہے کہ جو تجربہ کار ہے وہ غلطی کو دہرائے گا تو نہیں نا۔

(۱۱)...... ''برے لوگوں کا ہمنشین ہمیشہ دنیا میں ذلت پاتا ہے۔''

یہ طے شدہ بات ہے کہ جو بھی برے لوگوں کو دوست بنائے گا وہ یقیناً دنیا کے اندر ذلت پائے گا۔

(۱۲)...... ''جو شخص اللہ رب العزت سے ڈرتا ہے ہمیشہ اس بندے کا انجام اچھا ہوتا ہے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کو ناراض کرتا ہے ہمیشہ اس کا انجام برا ہوتا ہے''

ندامت کی قسمیں:

ہمارے بزرگ ایک بات فرماتے تھے کہ ندامت چار طرح کی ہوتی ہے۔ ایک ہے ندامت دن بھر کی، ایک ہے سال بھر کی، ایک ہے عمر بھر کی اور ایک ہے ابد الآباد کی، یعنی ہمیشہ ہمیشہ کی۔

دن بھر کی ندامت تو یہ ہے کہ گھر میں بیوی سے غصے ہو کر گھر سے نکل گیا، تو سارا دن پچھتاوا۔ سال بھر کی ندامت یہ کہ انسان نے اپنے وقت پہ فصل کاشت نہ کی اور سارا سال پریشانی اور ندامت رہی، وقت پہ کاشت کر لیتا تو فصل اچھی ہوتی۔ عمر بھر کی ندامت یہ کہ ناموافق رشتہ منتخب کر لیا۔ ساری عمر کا رونا۔ اور ابدالآباد کی ندامت یہ ہے کہ انسان نے دنیا کی خواہشات کی خاطر اپنے رب کو ناراض کر لیا۔ اس کی وجہ سے اسے ہمیشہ کی ندامت حاصل ہوئی۔

دورنگی کسے کہتے ہیں؟

اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے تن اور من کا فرق ختم ہو جائے۔ قول اور حال کا فرق ختم ہو جائے تو اس کے لیے ہمیں اپنے آپ پر محنت کرنا پڑے گی یہ نفس امارہ جب نفس مطمئنہ بن جاتا ہے تو پھر انسان کے ظاہر باطن کا فرق ختم ہو جاتا ہے۔ اس فرق کا نام ہے دورنگی۔ شریعت کی اصطلاح میں اس کا نام ہے نفاق۔ نفاق کا لفظ بنا ہے نفق سے۔ نفق کہتے ہیں سرنگ کو۔ وجہ کیا ہے؟ وجہ یہ ہے کہ سرنگ کے دو منہ ہوتے ہیں۔ ایک سے داخل ہو کر دوسرے سے نکل جاؤ۔ تو تو جس طرح سرنگ کے دو منہ ہوتے ہیں اسی طرح منافق بندے کے بھی دو چہرے ہوتے ہیں۔ ذوالوجہین (دو چہروں والا) ایک چہرہ تو وہ جو دنیا کے سامنے ہوتا ہے اور دوسرا وہ جو دنیا کے سامنے ہوتا ہے۔ اسی طرح جنگلی چوہا جو بل بناتا ہے اس کو بھی ''نفق'' کہتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ جو سرنگ بناتا ہے اس کا ایک راستہ تو اندر جانے کا بناتا ہے اور دوسرا راستہ وہ بناتا ہے جس کو کھودتے کھودتے زمین کی سطح کے قریب لاتا ہے اور چھوڑ دیتا ہے، یہ اس کا ایمرجنسی ایگزٹ ہوتا ہے کہ اگر میرے عام راستے پر کسی نے ٹریپ لگا دیا یا مجھے وہاں اپنی زندگی کا کوئی خطرہ ہوا تو میں بچنے کے لیے ایگزٹ سے نکل جاؤں گا۔ تو چونکہ اس کے دو راستے ہوتے ہیں اس لیے اس کو بھی نفق

کہتے ہیں۔

نفاق کی قسمیں:

یہ نفاق دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک کو کہتے ہیں نفاق اکبر اور ایک کو کہتے ہیں نفاق اصغر۔

(۱) نفاق اکبر:

نفاق اکبر عقیدے کا نفاق ہوتا ہے کہ ظاہر میں تو اسلام قبول کر لیا اور اندر سے اسلام پر اطمینان ہی نہیں، اندر سے وہ کافروں کو پسند کرتا ہے، کفر اور کافری کو پسند کرتا ہے، ایسے منافق سے اللہ رب العزت بہت زیادہ ناراض ہوتے ہیں۔ چنانچہ سورۃ البقرۃ کی ابتدا میں اللہ تعالیٰ نے چار آیات ایمان والوں کے لیے بیان کیں اور جو آیات اللہ نے منافقوں کے لیے بیان کیں وہ تیرہ آیات ہیں۔ اللہ رب العزت نے منافقوں کی تفصیل بتائی۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ اندازہ کرو کہ اللہ رب العزت نے کتنا منافقت کو ناپسند فرمایا! تو ایسے بندے کا ظاہر تو مسلمان ہوتا ہے لیکن دل کافر ہوتا ہے۔

نتیجہ کیا ہوتا ہے؟

﴿خُلُوْدٌ فِي النَّارِ﴾

ایسا بندہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہے گا۔

اور جہنم میں بھی کہاں رہے گا؟

﴿فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾ (النساء:۱۴۵)

سب سے نیچے والے حصے میں اللہ تعالیٰ اس کو ڈالیں گے۔

فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ کے بارے میں کعب الاحبار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ فِي النَّارِ لَبِئْرًا مَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا بَعْدَ مُغْلَقَةٍ مَا جَاءَ عَلٰى جَهَنَّمَ يَوْمٌ

مُنْذُ خَلَقَهَا اللّٰهُ تَعَالٰى اِلَّا تَسْتَعِيْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّ مَا فِيْ تِلْكَ الْبِئْرِ مَخَافَةَ اِذَا فُتِحَتْ تِلْكَ الْبِئْرُ اَنْ يَّكُوْنَ فِيْهَا عَذَابُ اللّٰهِ مَا لَا طَاقَةَ لَهَا وَلَا صَبْرَ لَهَا عَلَيْهِ وَهِيَ الدَّرْكُ الْاَسْفَلُ مِنَ النَّارِ

’’بے شک جہنم کے اندر ایک کنواں ہے جب سے اس کو بند کیا گیا اس کا دروازہ کبھی نہیں کھولا گیا۔ جہنم پہ کوئی دن ایسا نہیں آتا کہ جب جہنم اللہ سے اس کنویں کے عذاب سے پناہ نہ مانگتی ہو۔ اللہ سے جہنم پناہ مانگتی ہے، کیوں؟ اگر اس کنویں کا دروازہ کھول دیا جائے اس کے اندر اللہ کا ایسا عذاب ہے کہ جہنم کے اندر اس کنویں میں عذاب برداشت کرنے کی اور صبر کرنے کی طاقت نہیں، اللہ رب العزت اس کنویں کے اندر منافقین کو رکھیں گے۔‘‘

نفاق اصغر:

ایک ہوتا ہے ’’نفاق اصغر‘‘ اس کو کہتے ہیں ’’عملی نفاق‘‘، عملی نفاق کہتے ہیں قول اور فعل کا تضاد، ہم اپنی زبان میں اس کو کہتے ہیں دورخا پن، انسان اوپر سے نیک ہو اور اندر سے فاسق و فاجر ہو۔

جب بھی چاہیں اک نئی صورت بنا لیتے ہیں لوگ
ایک چہرے پہ کئی چہرے سجا لیتے ہیں لوگ

ایک چہرہ مخلوق کے سامنے اور دوسرا چہرہ پروردگار کے سامنے۔ اس عملی نفاق کو بھی اللہ رب العزت ناپسند فرماتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

’’آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ‘‘

’’ایسے عملی منافق کی تین نشانیاں ہیں‘‘

’’اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ‘‘

''جب بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے۔''

حافظ بھی بن گئے' عالم بھی بن گئے، وعظ ونصیحت بھی شروع کر دی جھوٹ نہیں نکلا۔ منافق کی پہچان ہے۔

وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ

''وعدہ کیا وعدہ خلافی کر دی''

وَاِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ

''اور اگر کسی نے امانت دی تو اس میں خیانت کر دی''

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں

اَرْبَعٌ مَّنْ كُنَّ فِيْهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا وَمَنْ كَانَتْ فِيْهِ خَصْلَةٌ مِّنْهُنَّ كَانَتْ فِيْهِ خَصْلَةٌ مِّنَ النِّفَاقِ حَتّٰى يَدَعَهَا

''جس میں چار باتیں ہوں وہ پکا منافق ہے اور جس میں ان چار میں سے ایک خصلت ہوگی اس میں منافق کی خصلت موجود ہوگی جب تک وہ اس کو چھوڑ نہ دے''

اِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ

''جب اس کے پاس امانت ہو تو اس میں خیانت کرے۔''

وَاِذَا حَدَّثَ كَذَبَ

''بولے تو جھوٹ بولے''

وَاِذَا عَاهَدَ غَدَرَ

''عہد کرے تو اس کو توڑ دے۔''

وَاِذَا خَاصَمَ فَجَرَ

''اور جب کسی سے جھگڑا کرے تو گالیاں دینے پہ اتر آئے۔''

چنانچہ کتنے ہی صوفی نیک لوگ ہیں جو اپنے غصے پہ مجبور ہوتے ہیں۔ ذرا سی بچے کی

غلطی ہو یا بیوی کی غلطی ہو تو ننگی گالیاں دینا شروع کر دیتے ہیں، ماں بہن کی گالیاں۔ تو یہ منافق کی پہچان ہے۔

نفاق بڑھنے کی وجوہات:

علماء نے بتایا کہ اس نفاق کے بڑھنے کی کچھ وجوہات ہوتی ہیں:

پہلی وجہ ہے جھوٹ: جھوٹ کو انسان عادت بنا لے، جیسے کوئی مسئلہ ہی نہیں۔ میں نے جی اس کے سامنے بہانہ بنالیا۔ ایسا بد بخت ہے یہ شیطان کہ اس نے جھوٹ کا نام بدل کے بہانہ رکھ دیا۔ تاکہ جو نفرت جھوٹ کے نام سے آتی تھی وہ نفرت ختم ہو جائے۔

بیوی کہتی ہے میں نے بہانہ بنالیا۔ خاوند کہتا ہے میں نے بہانہ بنالیا۔ شاگرد کہتا ہے میں نے بہانا بنالیا۔ بہانہ کیا؟ حقیقت میں تو وہ جھوٹ ہوتا ہے۔

دوسری چیز جس سے نفاق بڑھتا ہے اس کو ریا کہتے ہیں، دکھاوا کہتے ہیں۔ مردوں میں تو یہ بہت ہوتا ہے مگر عورتوں میں یہ اس سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔ دیکھا گیا کہ عورتیں اگر بڑی عالمات بھی بن جائیں تو بھی ریا کاری سے جان نہیں چھوٹتی۔ دکھاوا ہوتا ہے کہ لوگ کیا کہیں گے ہر وقت یہی فکر کہ لوگ کیا کہیں گے۔ گویا عمل کیا تو لوگوں کی خاطر، خدا کی رضا تو کوئی نہ رہی۔ یہ ریا مشکل سے دل سے نکلتی ہے۔

اس کی تیسری وجہ ہے بصیرت کی کمی۔ علم تو آجاتا ہے لیکن دل میں بصیرت نہیں ہوتی۔ دل کی آنکھ بند ہوتی ہے دل اندھا ہوتا ہے۔ دل اس قابل نہیں ہوتا کہ کھرے اور کھوٹے میں فرق کر سکے۔

چوتھی چیز ہے تقوی کی کمی۔ اسی لیے صحابہ رضی اللہ عنہم نفاق سے بہت ڈرتے تھے اور اس سے بچنے کے لیے اللہ سے پناہ مانگتے تھے، دعا مانگتے تھے:

﴿اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ خُشُوْعِ النِّفَاقِ﴾

''اے اللہ! بے شک میں نفاق کے خشوع سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔''

نفاق سے بچنے کا تریاق:

اب اس نفاق سے بچنے کا طریقہ کیا ہے؟ سوء خاتمہ کا خوف ہے۔ چنانچہ جب بندے کو ڈر لگ جاتا ہے کہ میرا انجام برا نہ ہو تو پھر اس کے لیے ظاہر باطن کے فرق کو ختم کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں وہ قسم کھا کر فرماتے تھے کہ جس شخص کو سوء خاتمہ کا ڈر نہ ہو موت کے وقت اس کا ایمان سلب ہو جاتا ہے۔

موت کے وقت توحید کی آزمائش:

اللہ تعالیٰ بندے کو زندگی میں برے خیالات کے ذریعے آزماتے ہیں کہ بندے کے ذہن میں برا خیال ڈالا اور دیکھا کہ یہ اس پر عمل کرتا ہے یا بچ جاتا ہے۔ زندگی بھر برے خیالات کے ذریعے بندے کی آزمائش ہوتی رہتی ہے لیکن جب موت کا وقت آتا ہے اس وقت اللہ تعالیٰ توحید کے اوپر بندے کو آزماتے ہیں۔ کیا مطلب؟ کہ دنیا میں شیطانی' شہوانی' نفسانی محبتیں جو تھیں وہ بندے کے سامنے پیش کرتے ہیں تو بندے کا دل اس پر اٹک جاتا ہے اور اسی پر اس کو موت آ جاتی ہے۔

اس لیے جو چاہے کہ اللہ رب العزت کی محبت پہ مجھے موت آئے اس کو چاہیے کہ دل میں اللہ رب العزت کی محبت کو غالب کرے۔ یہ سوء خاتمہ کا خوف ایک نعمت ہے جو مانگنے پر ملتا ہے۔

سوءِ خاتمہ کے ڈر کے ثمرات:

علماء نے بڑی عجیب بات لکھی ہے فرمایا:

☆......جاہل کو اگر یہ خوف نصیب ہو جائے تو وہ علم سیکھنے کی کوشش کرتا ہے۔

☆......اگر عالم کو یہ خوف نصیب ہو جائے تو وہ گناہوں سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔

☆......اگر عمل والے کو یہ خوف نصیب ہو جائے تو وہ اخلاص کو اپنانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ نکتے کی بات یاد رکھیں۔

عدمِ اخلاص کا ڈر:

لہٰذا جسم کی بقا روح سے ہے۔ روح ختم ہو جائے تو جسم بھی ختم ہو جاتا ہے۔ گل سڑ جاتا ہے۔ اسی طرح علم کی بقا عمل سے ہے، اور عمل کی بقا اخلاص سے ہے۔ جبکہ اخلاص کی بقا عدمِ اخلاص کے ڈر سے ہے۔ پھر بندے کو ڈر لگا رہتا ہے کہ پتہ نہیں اخلاص کا قبول ہو گا کہ نہیں۔

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اور سوءِ خاتمہ کا ڈر:

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ رو رہے تھے۔ دوست نے پوچھا: کیا کوئی غلطی ہوگئی؟ گناہ سرزد ہو گیا۔ تو ان کے سامنے زمین پر گندم کا دانہ پڑا تھا انہوں نے گندم کا دانہ اٹھا کر دکھایا اور کہا کہ اللہ کی قسم میں نے اس گندم کے دانے کے برابر بھی اپنے رب کی نافرمانی نہیں کی۔ اس نے کہا پھر روتے کیوں ہیں؟ فرمانے لگے: میں روتا اس لیے ہوں کہ اللہ نے جو ایمان کی نعمت مجھے اب عطا کی ہوئی ہے معلوم نہیں کہ یہ موت کے وقت بھی سلامت رہے گی یا نہیں، رو اس لیے رہا ہوں ان کو ڈر لگا ہوتا تھا۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور سوءِ خاتمہ کا ڈر:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا حبیبہ حبیبِ خدا اللہ کے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبہ زوجہ تھیں لیکن خوف کا یہ عالم تھا کہ تہجد میں ایک آیت تلاوت کی:

﴿وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُونُوا يَحْتَسِبُونَ﴾ (الزمر: ۴۷)

''اوران کے لیے اللہ کی طرف سے وہ کچھ ظاہر ہوگا جس کا ان کو گمان بھی نہیں ہوگا''

پوری رات یہ آیت پڑھ کر روتی رہیں کہ قیامت کے دن کہیں وہ بات نہ پیش آجائے جو ہمارے وہم وگمان میں نہ ہو۔ صحابہؓ کو نفاق کا کتنا ڈر ہوتا تھا؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور سوءِ خاتمہ کا ڈر:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہیں سفر پر نکلے، تھکے ہوئی تھے، راستے میں ایک جگہ سو گئے اٹھے تو قریب ہی یہودی نے عبادت خانہ بنایا ہوا تھا، وہ آیا اور کاغذ قلم اس کے پاس تھا۔ کہنے لگا کہ جی آپ مجھے ایک امان نامہ لکھ کر دیں۔ کیا مطلب؟ مطلب یہ کہ اگر آپ کبھی بادشاہ بنے تو میری اس جگہ کو امن ہوگا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا یہودی کہنے لگا: بنیں گے یا نہیں یہ تو بعد کی بات ہے لکھنے میں کیا حرج ہے؟

جب اس نے اصرار کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے امان نامہ لکھ کر دے دیا کہ اگر میں بادشاہ بنا تو اس بندے کو امان ہوگی۔ بات آئی گئی ہوئی۔

اللہ کی شان کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ امیر المومنین بنتے ہیں۔ فاتح بیت المقدس بنتے ہیں، جب بیت المقدس فتح کیا تو یہودی امان نامہ لے کر آ گیا کہ آپ نے اتنے سال پہلے مجھے امن دیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بڑے حیران ہوئے۔ اس کو بلا کر پوچھا کہ آخر تم نے مجھ سے یہ امان نامہ کیوں لکھوایا؟ وہ کہنے لگا: میں تورات کا عالم ہوں اور تورات کے اندر خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری نشانیاں اور ان کے چاروں صحابہ رضی اللہ عنہم کی پوری نشانیاں اس میں دی ہوئی ہیں۔ آپ سوئے ہوئے تھے میں نے آپؓ کے پاؤں پر نظر ڈالی تو پاؤں کی نشانیاں میں نے تورات میں پائیں تو میں سمجھ گیا یہ وہی بندہ ہے جو ایک وقت میں آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ بنے گا۔

جس کی نشانیاں تورات میں، جن کی زندگی ایسی کہ مرادِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اللہ نے

محبوب ﷺ ان کے لیے دعائیں مانگتے ہیں، جن کی زندگی ایسی کہ کتنی مرتبہ ان کی رائے اللہ کے قرآن کے موافق نکلی، جن کو نبی علیہ السلام نے دنیا میں فرمایا یہ میرے وزیر ہیں، جن کے بارے میں نبی علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جس مٹی سے میرے جسم کو بنایا وہ بچ گئی تھی تو اس مٹی سے اللہ نے ابوبکرؓ کے جسم کو بنایا کچھ اور بچ گئی تھی اس سے اللہ نے عمرؓ کے جسم کو بنایا اور واقعی جہاں کی مٹی تھی بالآخر وہ وہاں پہ پہنچ گئی۔

نبی علیہ السلام نے فرمایا: ''عمرؓ جس راستے پہ نکلتا ہے شیطان اس راستے کو چھوڑ دیتا ہے۔''

''اَلْحَقُّ یَنْطِقُ عَلٰی لِسَانِ عُمَرُ''

عمر کی زبان پر حق بولتا ہے۔

یہ حضرت عمرؓ کی شہادت کی بشارت اللہ کے نبی ﷺ نے خود اپنی زندگی میں عطا فرما دی تھی۔ جن کی زندگی ایسی تھی کہ خود فرماتے تھے: ''میں نے جب سے کلمہ پڑھا آج تک میں نے گناہ لکھنے والے فرشتے کو گناہ لکھنے کا موقع نہیں دیا۔'' اللہ اکبر کبیرا! ان کو کتنا ڈر تھا؟

زمانہ خلافت میں حضرت عمرؓ کے پاس حضرت حذیفہؓ آئے اور یہ کون تھے؟ نبی علیہ السلام نے ان کو منافقین کے نام بتائے تھے کہ فلاں فلاں منافق ہیں مگر منع فرما دیا تھا کہ حذیفہ کسی کے سامنے ظاہر نہ کرنا۔

ایک دفعہ حذیفہؓ ان سے ملنے آئے تو روایت میں آتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان کو بلایا

قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لِحُذَیْفَةَ یَاحُذَیْفَةُ نَشَیَّدْتُكَ بِاللّٰهِ هَلْ سَمَّانِیْ لَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ مِنْهُمْ

اور ان سے فرمایا: اے حذیفہ! میں تجھے اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کیا اللہ کے نبی ﷺ نے ان منافقوں میں میرا نام تو نہیں بتایا؟ اللہ اکبر کبیرا

میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ منافقوں کے نام بتاؤ مجھے معلوم ہے اللہ کے نبی ﷺ نے منع فرما دیا ہے۔ حضرت حذیفہؓ نے فرمایا:

قَالَ لَاوَلَا اُزَکِّیْ بَعْدَکَ اَحَدً

آج کے بعد میں اس بارے میں کسی کا تزکیہ نہیں کروں گا، کسی کو نہیں بتاؤں گا ان کو نفاق کے بارے میں اتنا ڈر تھا ڈرتے تھے اور روتے تھے۔

چنانچہ جب ان کو زخم لگا جس میں وہ شہید ہوئے۔ عبداللہ ابن عمرؓ قریب ہیں، حضرت عمرؓ نے فرمایا: میرا وقت قریب ہے جاؤ اور ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اجازت مانگو کہ اگر اجازت ہو تو مجھے بھی نبی علیہ السلام کے حجرے میں دفن کر دیا جائے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: یہ جگہ تو میں نے اپنے لیے چنی ہوئی تھی لیکن میں اپنے اوپر عمر ابن خطابؓ کو ترجیح دیتی ہوں۔ اجازت مل گئی۔ اب جب آخری وقت آیا تو آپ نے اپنے بیٹے سے فرمایا: جب میری روح نکل جائے تو مجھے جلدی دفن کر دینا۔ جب دو چار مرتبہ کہا تو بیٹے نے عرض کیا: ابا جان! کفن دفن میں جلدی کریں گے اتنی کیوں تاکید کر رہے ہیں؟ تو حضرت عمرؓ نے جواب میں کہا: تاکید اس لیے کر رہا ہوں کہ اگر مجھ سے اللہ رب العزت راضی ہیں تو تم مجھے جلدی اللہ سے ملا دینا اور اگر اللہ مجھ سے ناراض ہیں تو میرا بوجھ جلدی کندھوں سے نیچے اتار دینا۔ اتنا ان کو نفاق کے بارے میں ڈر تھا اور یہ ان کے دل کی کیفیت تھی۔

منافقت کا وبال:

قیامت کے دن منافقین پل صراط کے اوپر آئیں گے، مفسرین نے لکھا ہے ساری مخلوق پل صراط کے اوپر آئے گی لیکن کافر پل صراط سے پہلے ہی جہنم میں ڈال دیے جائیں گے۔ البتہ مسلمان یا منافق یہ پل صراط کے اوپر سے گزریں گے، کچے امتی یا پکے

امتی یہ دونوں پل صراط پر سے گزریں گے۔

ان کے گزرنے کا اللہ رب العزت نے قرآن پاک میں تذکرہ کیا فرمایا:

﴿يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ (الحدید:۱۳)

قیامت کا دن ہوگا ایمان والوں کے سامنے ان کے دائیں جانب ان کے ایمان کا، اعمال کا نور ہوگا۔ ایمان کا نور سامنے اور نیک اعمال کا نور دائیں جانب ہوگا۔ دو جگہیں بتائی گئیں:

بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ

''سامنے اور دائیں جانب''

ایمان والوں کے سامنے ان کا نور چل رہا ہوگا۔ ہر طرف اندھیرا ہوگا تو ایسے میں منافقین کے پاس نور تو نہیں ہوگا البتہ جب ایمان والے ذرا آگے بڑھنے لگیں تو منافقین انہیں کہیں گے:

﴿اُنْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ﴾ (الحدید:۱۳)

ذرا ہماری طرف بھی توجہ کیجیے ہم بھی تمہاری اس روشنی سے فائدہ اٹھالیں۔

جیسے اندھیرے راستے میں چلتے ہوئے ایک کے ہاتھ میں بیٹری ہو تو دوسرا کہتا ہے یار! ذرا بیٹری ادھر کرنا میں بھی دیکھ لوں میرے پاؤں کے نیچے کیا ہے؟ تو منافقین ایسی ہی بات کریں گے ذرا اپنے نور سے ہمیں بھی فائدہ اٹھانے دیجیے۔

﴿قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا﴾ (الحدید:۱۳)

''کہا جائے گا تم پیچھے جاؤ یہ نور تو دنیا سے ملا کرتا ہے، دنیا اس نور کو حاصل کرنے کی جگہ ہے''

اس لیے نبی علیہ السلام نے دعا سکھائی:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ قَلْبِيْ نُوْرًا وَّبَصَرِيْ نُوْرًا

حتی کہ آخر پر فرمایا:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ نُوْرًا

''اے اللہ! مجھے نور بنادے۔''

یہ نور ایمان انسان کے انگ انگ میں سما جاتا ہے اور یہ قیامت کے دن انسان کے کام آئے گا۔ اب جب منافقین یہ کہیں گے، تو قرآن مجید نے آگے ذرا اس بات کو کھولا۔ فرمایا:

﴿فَضُرِبَ بَیْنَھُمْ بِسُوْرٍ لَّہٗ بَابٌ﴾ (الحدید:۱۳)

''مومنوں اور ان منافقوں کے درمیان ایک دیوار کر دی جائے گی اس میں ایک دروازہ ہوگا''

﴿بَاطِنُہٗ فِیْہِ الرَّحْمَۃُ وَظَاھِرُہٗ مِنْ قِبَلِہِ الْعَذَابُ﴾ (الحدید:۱۳)

''اس کے باطن کے اندر تو رحمت ہوگی اور باہر کی طرف عذاب ہوگا'' پھر منافق لوگ عذاب میں اور ایمان والے لوگ رحمت (جنت) میں ہونگے۔

منافق مسلمانوں سے کہیں گے:

﴿یُنَادُوْنَھُمْ اَلَمْ نَکُنْ مَّعَکُمْ﴾ (الحدید:۱۴)

''کیا ہم دنیا میں تمہارے ساتھ نہیں تھے، دوست نہیں تھے''

ہم مل کے محفل ذکر میں نہیں جاتے تھے۔ ہم تو آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہیں۔ مگر ایک وہ ہوگا جو مخلص ہوگا اور دوسرا ہوگا دورنگی والا۔ جب دیوار بنے گی تو مخلص ایک طرف اور دورنگی والا دوسری طرف ہوگا۔ جواب ملے گا:

﴿قَالُوْا بَلٰی وَلٰکِنَّکُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَکُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْکُمُ الْاَمَانِیُّ حَتّٰی جَآءَ اَمْرُ اللّٰہِ وَغَرَّکُمْ بِاللّٰہِ الْغَرُوْرُ﴾ (الحدید:۱۴)

''تمہاری غلط تمناؤں نے تمہیں بہکا دیا حتی کہ تمہاری موت کا وقت آ گیا''

﴿فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ (الحدید:۱۵)

یہاں یہ آیت بتا رہی ہے کہ کافر الگ اور منافق الگ ہونگے۔

معلوم ہوا کہ یہ عقیدے کے کافر نہیں تھے یہ عملی منافق تھے۔ عمل کے منافق یعنی جن کے عمل میں فرق ہوتا ہے۔ نہ ان سے فدیہ لیا جائے گا اور نہ کافروں سے۔

﴿مَاْوٰكُمُ النَّارُ هِيَ مَوْلٰكُمْ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ﴾

یہ آیت بتانے کے بعد اللہ تعالیٰ اب ایمان والوں کو جن کے عمل میں فرق ہوتا ہے ان کو متوجہ کر کے فرما رہے ہیں:

﴿اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ﴾ (الحدید:۱۶)

''کیا ایمان والوں کے لیے وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ سے ڈر جائیں۔ ان کو ابھی تک یہ بات سمجھ نہیں آئی کہ ہمیں گناہوں کو چھوڑنا ہے اور نیکی کی زندگی کو اختیار کرنا ہے اور یہ ایمان والے اپنے سے پہلے (اہل کتاب) لوگوں کی مانند نہ بنیں۔ ان پر ایک طویل مدت غفلت کی گزر گئی ان کے دلوں کو سخت کر دیا گیا''

تو جب انسان لمبا عرصہ معمولات نہیں کرتا' لمبا عرصہ بے پرواہیاں کرتا ہے اپنی نمازوں میں' تہجد میں' تسبیحات میں' مراقبے میں' تو نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو سخت کر دیا کرتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ اس بات کو اور مہربانی کے ساتھ کھول کر بتاتے ہیں۔ فرماتے ہیں: دیکھو! اگر تمہارا دل سخت بھی ہو گیا اور آج تمہیں یہ بات سمجھ آئی کہ ہمیں دورنگی کو چھوڑنا ہے' اس سے بچنا ہے یک رنگی کی زندگی اختیار کرنی ہے تو سن لو!

﴿اِعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ (الحدید:۱۷)

جس طرح زمین مر جاتی ہے اللہ رب العزت رحمت کی بارش برسا کر اس کو زندہ کر دیتے ہیں۔تمہارے دلوں کی زمین بھی مر چکی ہے، آج اگر اخلاص کے ساتھ توبہ کرنے بیٹھو گے میں رحمت کی بارش برساؤں گا تمہارے سخت دلوں کو نرم کردوں گا۔

آج ہم اس محفل میں پچھلے گناہوں سے سچی توبہ کر کے آئیندہ نیکوکاری کی زندگی گزارنے کی نیت کرلیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ہم نے پتے کی باتیں کھول کر بتا دیں اگر تم سمجھ رکھتے ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سمجھ عطا فرمائے اور آج ہم اس دورنگی کی زندگی کو چھوڑنے کا پکا ارادہ کرلیں ۔

دورنگی چھوڑ دے یک رنگ ہو جا
سراسر موم ہو جا یا سنگ ہو جا

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ○

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلَّذِیْ اَعْطٰی كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی (طٰہٰ:۵)

جنگل کی سیر

از افادات

حضرت مولانا پیر حافظ ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہم

خصوصی مجالس: بعد نماز مغرب سالانہ اجتماع جھنگ

مورخہ ۷ اکتوبر ۲۰۰۴ء

اقتباس

''اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے ہر چیز کو زندگی بخشی اور پیدا کرنے کے ساتھ فطری طور پر زندگی گزارنے کی راہنمائی عطا کردی''

جتنے بھی جاندار ہیں ان کو اپنی زندگی گزارنے کا فطری طور پر پتہ ہے۔ مثال کے طور پر:

ایک انڈے سے بھی بچہ نکلتا ہے اور دوسرے انڈے سے بھی بچہ نکلتا ہے۔ دونوں انڈے مرغی کے نیچے تھے، ان دونوں بچوں کو پانی میں ڈالیں تو ایک ڈوب جائے گا اور دوسرا تیرنا شروع کردے گا۔ حالانکہ ایک ہی مرغی کے نیچے دو انڈے تھے اور دونوں بچے ہم عمر تھے، ایک ڈوب گیا اور دوسرا تیرنے لگ گیا۔ وجہ کیا تھی؟ جو ڈوب گیا وہ مرغی کا بچہ تھا اور جو تیرنے لگ گیا وہ بطخ کا بچہ تھا۔ دونوں کے انڈے مرغی کے نیچے رکھیں تو دونوں کے بچے نکل آتے ہیں، لیکن بطخ نے پانی میں زندگی گزارنی تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے فطری طور پر اس کے بچے کو تیرنے کا علم دے دیا اور مرغی کے بچے نے چونکہ زمین پر زندگی گزارنی تھی اس لیے اس کو تیرنے کا علم نہیں دیا۔

(حضرت مولانا پیر حافظ ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہم)

جنگل کی سیر

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ: فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ اَلَّذِیْ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی (طٰہٰ:۵)

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ○ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

زندگی گزارنے کا فطری علم:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلَّذِیْ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی﴾ (طٰہٰ:۵)

''اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے ہر چیز کو زندگی بخشی اور پیدا کرنے کے ساتھ فطری طور پر زندگی گزارنے کی راہنمائی عطا کر دی''

جتنے بھی جاندار ہیں ان کو اپنی زندگی گزارنے کا فطری طور پر پتہ ہے۔ مثال کے طور پر:

☆......ایک انڈے سے بھی بچہ نکلتا ہے اور دوسرے انڈے سے بھی بچہ نکلتا ہے۔

دونوں انڈے مرغی کے نیچے تھے، ان دونوں بچوں کو پانی میں ڈالیں تو ایک ڈوب جائے گا اور دوسرا تیرنا شروع کر دے گا۔ حالانکہ ایک ہی مرغی کے نیچے دو انڈے تھے اور دونوں بچے ہم عمر تھے، ایک ڈوب گیا اور دوسرا تیرنے لگ گیا۔ وجہ کیا تھی؟ جو ڈوب گیا وہ مرغی کا بچہ تھا اور جو تیرنے لگ گیا وہ بطخ کا بچہ تھا۔ دونوں کے انڈے مرغی کے نیچے رکھیں تو دونوں کے بچے نکل آتے ہیں، لیکن بطخ نے پانی میں زندگی گزارنی تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے فطری طور پر اس کے بچے کو تیرنے کا علم دے دیا اور مرغی کے بچے نے چونکہ زمین پر زندگی گزارنی تھی اس لیے اس کو تیرنے کا علم نہیں دیا۔

☆......بکری کا بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ اسی وقت اٹھ کر بھاگنا شروع کر دیتا ہے۔ حیران ہوتے ہیں کہ انسان کا بچہ پورا سال ماں باپ کو ستا مارتا ہے، تب جا کے کہیں چلنا شروع کرتا ہے۔ ماں باپ تھک چکے ہوتے ہیں راتوں کو جاگ جاگ کے دنوں میں اٹھا اٹھا کے، پھر اس کے بعد وہی بکری کا بچہ ماں کے پاس آتا ہے اور اس کے تھنوں سے دودھ پینا شروع کر دیتا ہے۔ اسے کوئی نہیں سکھاتا کہ تھنوں سے دودھ کیسے چوسنا ہے۔ اس کو قدرت نے سکھا دیا یہی معاملہ ہر ایک کے ساتھ ہے۔

☆......مچھلی کو تیرنا کوئی نہیں سکھاتا' لیکن وہ تیرتی ہے۔

☆......پرندوں کو اڑنا کوئی نہیں سکھاتا' یہ فطرت کی راہنمائی ہے۔

☆......چڑیا کو دیکھیں، ایک ننھی سی جان ہے، تنکے کو اٹھا کر لاتی ہے اور ایک ایک تنکے سے وہ اپنا گھونسلہ بناتی ہے۔ اتنا پکا گھونسلا بناتی ہے کہ آندھی طوفان چلتے ہیں اور اس کا گھونسلہ متاثر ہی نہیں ہوتا۔ اس میں باقاعدہ اس کے کمرے ہوتے ہیں۔ جیسے ایک ڈرائنگ روم ہوتا ہے' ایک ڈنر روم ہوتا ہے۔ اس کی بھی اسی طرح بیٹھنے کی جگہ الگ ہوتی ہے اور انڈے دینے اور بچے نکالنے کی جگہ الگ ہوتی ہے۔ انسان کہتا ہے کہ میں نے اتنے بڑے بڑے مکانات بنائے۔ چڑیا کہتی ہے: ہاں! تمہاری ضرورتیں زیادہ تھیں، اس لیے تم

نے اتنے بڑے بڑے مکان بنا لیے اور میری ضرورت تھوڑی سی تھی اس لیے دیکھو! میں نے نہ تو سریہ استعمال کیا اور نہ ہی سیمنٹ استعمال کیا' تنکوں کا بنایا ہے۔ تمہارے تو دونوں ہاتھ بھی تھے اور میرے ہاتھ بھی نہیں تھے۔ میں نے اسے اپنی چونچ سے بنایا ہے۔ اللہ کی شان کہ وہ چونچ سے کیسے ایک سے ایک تنکے کو جوڑتی ہے۔ ہم نے کئی مرتبہ گھونسلے دیکھے جو درختوں کے اوپر لگے ہوتے ہیں۔ وہ اس قدر مضبوط ہوتے ہیں کہ آپ اس کو جتنا مرضی ہلاتے رہیں' جو مرضی کرتے رہیں' اس کو پرواہی نہیں ہوتی۔ اور جیسے ہم لوگ مکان بنانے کے لیے سریہ ڈالتے ہیں' بیمیں بناتے ہیں' اسی طرح وہ بھی ایک بڑا تنکا کہیں سے لاتی ہے اور اس کے اوپر چھوٹے تنکوں کو لپیٹتی ہے۔ یہ علم اس کو کس نے دیا؟ قدرت نے دیا۔

﴿اَلَّذِیْٓ اَعْطٰی كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی﴾ (طہ:۵)

شیر باونڈری لائن کیسے بناتا ہے؟

جتنے بھی جانور ہیں ان کے اپنے اندر ایک زندگی ہے، ان کی اپنی فیملی لائف ہے، ان کے اپنے اصول وضوابط ہیں، مثلاً شیر جہاں رہتا ہے وہ اس کا اپنا ایک علاقہ ہوتا ہے۔ چنانچہ ہم نے ایک دفعہ ایک شیر کو دیکھا، وہ اپنی باونڈری لائن بنا رہا تھا۔ پتہ ہے وہ باؤنڈری لائن کیسے بناتا ہے؟ وہ چلتا جاتا ہے' یہاں پیشاب کے چند قطرے گرائے' پھر آگے جا کے وہاں چند قطرے گرائے' پھر آگے گرائے۔ اس کے پیشاب میں بو ایسی ہے کہ انسان اس کو محسوس نہیں کرتا البتہ دوسرے جانور محسوس کر لیتے ہیں۔ لہٰذا اس باؤنڈری پر اگر کوئی دوسرا شیر آئے گا تو اس کو پتہ چل جائے گا کہ یہاں اس شیر کی سلطنت کا بارڈر ہے، اگر میں نے اس کو کراس کیا تو میرا اس کے ساتھ ٹکراؤ ہو جائے گا۔ اس طرح وہ اپنی حکومت کی باؤنڈری مارک کر دیتا ہے۔ اس کے اندر کوئی دوسرا شیر نہیں آ سکتا۔ اگر کوئی آئے گا تو دو شیروں کے درمیان لڑائی ہو جائے گی، جو جیتے گا وہ رہے گا اور دوسرا موت

کے منہ میں چلا جائے گا۔

جنگل کے بادشاہ کی شاہانہ زندگی

عجیب بات یہ ہے کہ شیر کی زندگی میں واقعی شاہانہ انداز ہے، اس لیے کہ وہ جنگل کا بادشاہ ہوتا ہے۔

بچوں کا امتحان:

جب اس کے بچے پیدا ہوتے ہیں تو تھوڑے عرصے کے بعد وہ کھیلنے کودنے اور بھاگنے دوڑنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ اس وقت شیرنی ان بچوں کا ٹیسٹ لیتی ہے کہ ان میں سے سٹرانگ (مضبوط) بچے کون سے ہیں۔ چنانچہ وہ بھاگے گی، دوڑے گی، خود نیچے لیٹے گی، پھر ان کو لٹائے گی اور چیک کرے گی کہ ان کی طاقت اور قوت کی ریفلیکشن کتنی ہے۔ ان میں سے جو بہت مضبوط ہوں گے، ان کے بارے میں وہ شیر کو اشارے سے بتا دے گی کہ یہ مضبوط بچے ہیں، اور جو باقی ہونگے، ماں ان کو ریجیکٹ (رد) کر دے گی۔ جب ماں ان کو ریجیکٹ (رد) کر دے گی تو شیر آئے گا اور ان تمام بچوں کو مار دے گا۔ کہیں ایسا نہیں دیکھا گیا کہ باپ اپنی اولاد کو اس طرح مارے کہ جس طرح شیر مار دیتا ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ فطرت نے اس کو یہ بات سکھائی کہ اگر تمہارا بچہ کمزور ہوگا تو وہ تو گدھے سے لاتیں کھائے گا۔ بھئی! وہ شیر کیسے کہلا سکتا ہے جو گدھے سے لاتیں کھاتا پھرے!؟ اس لیے اگر وہ سٹرانگ (مضبوط) ہے تو اسے جینے کا حق ہے اور اگر سٹرانگ نہیں تو اس کا مر جانا بہتر ہے۔

ہم نے ایک شیر کو اپنی آنکھوں سے دیکھا، شیرنی نے اس کو کوئی اشارہ کیا اور اس نے اپنے تین چار بچوں کو مار ڈالا، اور جو سٹرانگ بچے تھے ان کو کچھ بھی نہ کہا۔

بچوں کی علیحدگی:

جب یہ سٹرانگ بچے بڑے ہوجاتے ہیں تو شیرنی ان بچوں کو لے کر شیر سے الگ ہوجاتی ہے، کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ بیٹی بڑی ہوجائے اور باپ اس کے ساتھ اکٹھا رہے۔ فطرت نے ان کے اندر ایک چیز رکھ دی ہے' البتہ وہ چھوٹے بچے جب بڑے ہوتے ہیں تو وہ کسی اور شیر کے ساتھ آپس میں اکٹھا ہوسکتے ہیں' مگر اس باپ کے ساتھ نہیں۔ اللہ کی شان! جب وہ بچے شکار کرنے کے قابل ہوجاتے ہیں تو شیرنی ان کو شکار کرنا سکھاتی ہے۔

شیرنی سے ملاقات:

اس وقت وہ شیرنی پھر اپنے شیر کے پاس واپس آتی ہے۔ اور اللہ کی شان دیکھیں کہ اس وقت شیرنی آواز نکالتی ہے اور وہ آواز پانچ پانچ میل دور تک جاتی ہے۔ شیر پانچ میل کی مسافت سے وہ آواز سنتا ہے اور وہ وہاں سے محسوس کرتا ہے کہ اب شیرنی مجھے اپنے پاس بلا رہی ہے۔ چنانچہ وہ آواز کی سمت میں چلتے چلتے چلتے بالآخر شیرنی کو ڈھونڈ لیتا ہے پھر وہ دونوں آپس میں ملتے ہیں' پھر ان کی اولاد ہوتی ہے' اور پھر اسی طرح سلسلہ چلتا رہتا ہے۔

شیر کا دسترخوان:

یہ بھی عجیب بات ہے کہ شکار شیرنی کرتی ہے، شیر نہیں کرتا۔ شیرنی شکار مارتی ہے لیکن شیر پہلے کھاتا ہے۔ وہ شکار کو مارنے کے بعد ایک طرف ہٹ جاتی ہے۔ ہم نے ایک مرتبہ جنگل میں شیر کو دیکھا، ایک شیرنی نے کسی جانور کو مارا تھا اور اس کے بعد وہ شیرنی اور اس کے بچے پچیس تیس فٹ دور بیٹھے ہوئے تھے۔ اور شیر پہلے آکر اس جانور کو اکیلا کھڑا کھا رہا تھا اور شیرنی اپنے بچوں کے ساتھ انتظار میں تھی کہ جب ہمیں موقع ملے گا تو ہم بھی دسترخوان پہ آئیں گے۔ اور پھر ان کے پیچھے ہم نے ایک اور جانور بھی کھڑا دیکھا، وہ بھی

کھڑا ہے کہ جب دستر خوان پہ کچھ بچے گا تو ہماری بھی باری آئے گی۔ اور پھر اس کے بعد ہم نے دیکھا کہ آسمان پر گدھیں بھی گھوم رہی ہیں کہ جب یہ سب چلے جائیں گے تو پھر ہم بھی اپنا حصہ کھا لیں گی۔ وہاں پر باقاعدہ ایک نظام نظر آ رہا تھا۔

چنانچہ شیر نے کھایا اور کھا کے پھر ایک طرف کو جا کر بیٹھ گیا۔ جب وہ بیٹھ گیا تو شیرنی نے تین چار مرتبہ ایک آواز نکالی۔ جو گائیڈ ہمیں لے کر گیا تھا اس نے کہا: دیکھیں یہ اب شیر کی خدمت میں درخواست کر رہی ہے: میرے سرتاج! اگر آپ کا پیٹ بھر چکا ہے تو کیا اب ہمیں اجازت ہے کھانے کی؟ اس کی پہلی بات پر شیر نے کوئی نوٹس ہی نہ لیا۔ جب اس نے دوسری مرتبہ آواز نکالی تو پھر شیر نے جواب میں ہلکی سی آواز نکال کر yes کر دیا کہ ہاں ٹھیک ہے۔ جیسے ہی اس کی آواز نکلی، اس وقت شیرنی اٹھی اور جانور کی طرف بھاگ پڑی، اب اس کے ساتھ پانچ سات بچے تھے۔ وہ سب اس بچے ہوئے جانور کو کھانے لگے۔

ہمارا ایک ساتھی کہنے لگا: یہ تو بڑا ہی عجیب ہے کہ شیرنی شکار مارتی ہے اور شیر پہلے کھاتا ہے!؟ میں نے کہا: اس میں تو کوئی حیرانی کی بات نہیں، ہمارے گھروں میں بھی تو ایسا ہی ہوتا ہے کہ شیرنیاں کچن میں کھانے تیار کرتی ہیں اور شیر آ کے پہلے کھا لیتے ہیں۔

شکار مارنے کی پلاننگ:

کئی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ اکیلی شیرنی شکار کو نہیں مار سکتی تو اس وقت یہ پلاننگ کرتے ہیں۔ شیر ایک جگہ پر چھپ کے بیٹھ جاتا ہے اور شیرنی مخالف سمت سے جا کر ادھر سے جانوروں کو ادھر بھگاتی ہے۔ جب وہ ادھر سے ان کو پیچھے سے بھگاتی ہے تو پھر جانور بھاگتے بھاگتے ادھر سے گزر رہے ہوتے ہیں اس طرح وہ شیر ان میں سے ایک جانور پر حملہ کر کے اس کو گرا دیتا ہے۔

شکار مارنے کا طریقہ:

شیر کو یہ پتہ ہے کہ میں نے جانور کو مارنا کیسے ہے؟ کسی بھی جانور کو مارنا ہوگا تو دیکھے گا کہ یہ چھوٹا جانور ہے یا بڑا۔ اگر چھوٹا جانور ہوگا تو اسے وہ ویسے ہی دبوچ لے گا اور اگر جانور بڑا ہوگا تو پہلے اس کی کمر کے اوپر چڑھے گا، پھر اپنے جبڑے کے ساتھ اس کے گلے کو پکڑے گا اور خوب دبائے گا۔ اس کو وقت کا بھی پتہ ہے کہ میں نے اس کو دو منٹ بند رکھنا ہے جب دو منٹ تک اس کو بند رکھتا ہے، تو سانس بند رہتا ہے۔ اور دماغ کو آکسیجن نہیں ملتی، جس کی وجہ سے وہ جانور مر کر گر جاتا ہے۔ پھر اسے وہ کھانا شروع کر دیتا ہے۔ کس نے اس کو بتایا کہ جانور کو گرانے کا یہ طریقہ ہے؟ فطرت نے سکھایا ہے۔

زرافے کا شکار:

زرافہ کتنا اونچا ہوتا ہے، اس کی گردن اور بھی اونچی ہوتی ہے۔ آپ نیچے کھڑے ہوں تو لگتا ہے کہ یہ ڈبل اسٹوری ہے۔ اس کا سر اوپر ہوتا ہے، اب شیر اس پر چھلانگ بھی لگائے تو وہ اس کی گردن تک نہیں پہنچ سکتا، اگر شیر اس کی کمر پر بھی چڑھ جائے تو گردن پھر بھی بہت اونچی ہوتی ہے، اس کو وہ پکڑ ہی نہیں سکتا۔ اب دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس شیر کو یہ سمجھ دی کہ جب اس نے زرافے کو مارنا ہو تو یہ پیچھے چلتا رہتا ہے چلتا رہتا ہے۔ پھر جب دیکھتا ہے کہ یہاں اونچ نیچ والا علاقہ ہے تو اس وقت اس کے پیچھے بھاگنے کی کوشش کرتا ہے اب شیر کو پیچھے بھاگتے ہوئے دیکھ کر زرافہ آگے کو بھاگنا شروع کر دیتا ہے۔ چونکہ اونچ نیچ ہوتی ہے اس لیے وہ بھاگتے بھاگتے گر جاتا ہے اور شیر آ کر اس کی گردن پکڑ لیتا ہے۔ کس نے اس کو بتایا کہ زرافے کو مارنے کا یہ طریقہ ہے؟ فطرت نے سکھایا ہے۔

ایک اداکارہ شیرنی کی کہانی:

ہم لوگ ایک جگہ پر گئے وہاں ایک انگریز تھا۔ وہ شیروں کے ساتھ بہت محبت

رکھتا ہے۔اس نے ان کی زندگی کے اوپر بہت فلمیں بنائیں۔اس طرح وہ بڑا کروڑوں پتی بندہ بنا۔

اس نے اپنے گھر میں ایک شیرنی کو پالا۔جب وہ اسے گھر میں لایا تو وہ ایک چھوٹی سی بچی تھی......شیر کا چھوٹا سا بچہ بلی کے بچے کی طرح ہی ہوتا ہے...... جب وہ شیرنی بڑی ہوگئی تو اب اس نے اس شیرنی کو سکھایا کہ شکار کیسے کرنا ہے؟اس نے اس کے ساتھ اسے یہ بھی سکھایا کہ شکار کرتے ہوئے فلم کیسے بنوانی ہے؟یعنی اسے اس نے ایکٹریس بنا دیا۔

جب اس ایکٹریس شیرنی کو جنگل میں چھوڑتے تھے تو وہ کیمرے والے کے آگے اس طرح بھاگتی تھی کہ کیمرے کو فل پوز دیتی۔اور جب وہ جانور کو گراتی تھی یا مارتی تھی تو اس طرح پکڑتی تھی کہ کیمرے والا قریب سے اس کی فل تصویر بناتا تھا۔اب ایسی تصویریں تو کسی کے پاس تھیں نہیں، صاف ظاہر ہے کہ اس کی فلم تو پوری دنیا میں ہی مشہور ہونی تھی، چنانچہ اس بندے نے خوب کمائی کی۔

پھر اس کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ میں اس شیرنی کو جنگل میں چھوڑوں اور پھر دیکھوں کہ یہ شیر کے ساتھ کیسے رہتی ہے، شیر اس کو قبول کرتا ہے یا نہیں کرتا۔پھر اگر اس کو حمل ہو گیا تو حمل کے دوران اس کی تصویریں بناؤں گا، پھر بچہ ہونے کی تصویریں بناؤں گا،یعنی وہ ہر طرح کی تصویریں بنانا چاہتا تھا۔چنانچہ اس نے ایک جہاز پر شیرنی کو بھی سوار کر لیا، پانچ سات گن مین بھی لے لیے اور خیمے بھی لے لیے۔بالآخر وہ ایک جنگل میں پہنچ گئے۔

جنگل میں پہنچ کر انہوں نے ایک طرف خیمے لگا دیے اور رات کے وقت شیرنی کو جنگل میں چھوڑا۔شیرنی جنگل میں گھومتی رہی۔شیرنی کی مہک تو شیر کو فوراً آجاتی ہے چنانچہ شیر آیا اور اس نے اس کے ساتھ میل ملاپ شروع کر دیا،یعنی شیر نے اس کو نکاح میں قبول کر لیا۔

خیر! جب اس نے یہ دیکھا کہ شیر نے اس کو مارا نہیں، رکھ لیا ہے تو وہ بہت خوش ہوا۔ اس نے یہ سوچا کہ جب یہ ایک ہفتہ یہاں رہے گی تو ماں بننے کے قابل بن جائے گی اور پھر میں اسے لے جاؤں گا۔ ابھی دو یا تین دن ہی گزرے تو اس نے ٹیسٹ کیا کہ وہ حاملہ ہوگئی ہے۔ چنانچہ اس نے ارادہ کیا کہ آج ہم رات یہاں گزاریں گے اور کل شیرنی کو لے کر واپس چلے جائیں گے۔

اللہ کی شان دیکھیں کہ اس شیر کے ساتھ جنگل میں چودہ پندرہ شیرنیاں رہتی تھیں۔ ان کو جب پتہ چلا کہ ایک نئی شیرنی آ گئی ہے تو انہوں نے اس بات کو برا سمجھا کہ ہم جنگل کی شیرنیاں ہیں اور یہ شہری شیرنی کہاں سے آ گئی ہے؟ چنانچہ ان سب نے ایکا کر لیا اور ان چودہ پندرہ شیرنیوں نے رات کے دو بجے آ کر اچانک حملہ کر دیا۔ باوجود اس کے کہ گن مین فائر کرتے رہے ان شیرنیوں نے اس شیرنی کے بالکل ٹکڑے کر دیے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے اندر حسد بھی ہوتا ہے، جیسے عورتوں میں ہوتا ہے، یعنی ان کے اندر بھی احساسات ہوتے ہیں۔

شیر کی وفا کی داستان:

ہم ایک ملک میں گئے۔ وہاں ہمیں ایک واقعہ سنایا گیا کہ یہاں ایک انگریز جوڑا تھا۔ ان کی ایک بیٹی تھی جس کی عمر چھ سات سال تھی۔ انہوں نے شیر کا ایک بچہ خریدا اور اسے گھر میں پالتے رہے۔ سال ڈیڑھ کے بعد وہ پورا شیر بن گیا۔ جب پورا شیر بن جائے تو پھر وہ کسی کا دوست نہیں ہوتا۔ وہ بندے کو ایک ہی لمحے میں ایسے کھاتا ہے جیسے بندہ کھیرے کو کھاتا ہے، اللہ اکبر!

اس کو لوگوں نے مشورہ دیا: بھئی! یہ تیری بچی اور یہ شیر اکٹھے گھر میں رہے، اکٹھے پھرتے رہے، آپس میں دوست بن گئے۔ اب تیری بچی شیر کے پاس بیٹھتی ہے، اس کو ہاتھ

لگاتی ہے' اس کے اوپر چڑھ جاتی ہے' مگر شیر' شیر ہوتا ہے۔ اگر تمہیں بچی کی زندگی چاہیے تو اس شیر کو گھر سے نکال دو، ورنہ تمہیں کسی دن پتہ چلے گا کہ اس نے صبح تمہاری بیٹی کا ناشتہ کرلیا ہے، تمہیں پھر بیٹی کی ہڈی بھی نہیں ملے گی۔ چنانچہ اس نے ان لوگوں کے مشورے پر عمل کیا اور شیر کو جنگل میں جا کر چھوڑ دیا۔

جس جنگل میں اس نے اسے چھوڑا' وہاں ایک اور شیر کی حکومت تھی۔ چنانچہ وہ شیر آیا اور ان دونوں کی آپس میں لڑائی ہوئی۔ ایسی لڑائی میں انجام یہی ہوتا ہے کہ ایک جیتا ہے اور ایک مرتا ہے۔ یہ شیر چونکہ ینگ (جوان) تھا اور وہ ذرا زیادہ عمر کا تھا' اس لیے اِس شیر نے اُس شیر کو مار دیا۔ اور اُس شیر کے پاس جو پانچ سات شیرنیاں تھیں' وہ بھی اس کے ساتھ رہنے لگ گئیں، یہ وہاں کا دستور ہے۔ خیر! وہ دونوں میاں بیوی مطمئن ہو گئے کہ شیر گھر سے چلا گیا۔

اللہ کی شان دیکھیں کہ ہفتہ دس دن گزرے، تو ایک دن بچی گھر میں کھیل رہی تھی۔ وہ اچانک بھاگی اور باہر نکل گئی۔ ماں نے کہا: بیٹی کدھر گئی؟ چنانچہ اس نے باہر نکل کر دیکھا تو اسے پتہ چلا کہ شیر نے گھر کے قریب آ کر آواز نکالی تھی اور بچی چونکہ اس کی آواز پہچانتی تھی، اس لیے وہ اپنے گھر سے بھاگی اور اپنے دوست شیر کے پاس پہنچ گئی۔

اب وہ شیر جو جنگل میں رہتا ہے اور شکار کرتا ہے' اس کے پاس اپنی بیٹی کو کھڑے دیکھا کہ کبھی اس کے بالوں سے کھیل رہی ہے' کبھی کچھ کر رہی ہے، وہ تو بچی تھی، اتنی چھوٹی عمر کی بچی کہاں سمجھدار ہوتی ہے؟ ماں نے بڑا اس کو بلایا' مگر بچی سنی ان سنی کر دیتی۔ بالآخر کافی دیر کے بعد وہ بچی آ گئی۔

اب ان ماں باپ کو یہ محسوس ہوا کہ چونکہ شیر ان کے گھر میں پلا بڑھا اس لیے شیر کو بھی اس گھر کے ساتھ مانوسیت ہے اور بچی کو بھی شیر کے ساتھ۔ لہٰذا یہ بچی اس سے پیچھے تو نہیں ہٹے گی۔ اور اگر شیر کو اس کی کوئی حرکت بری لگی تو وہ اس کے اسی وقت ٹکڑے کر دے

گا۔اس لیے بیٹی کو بچانے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ ہم یہاں سے چلے جائیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنی ٹکٹیں بنوالیں اور اپنا سامان پیک کرلیا۔

جب روانگی کا دن آیا تو گھر سے نکلنے سے ایک گھنٹہ پہلے وہ میاں بیوی سامان سمیٹتے پھر رہے تھے اور ادھر سے شیر آ گیا اور ان کی بچی شیر کی آواز سنتے ہی گھر سے باہر چلی گئی۔ جب ماں باپ کو پتہ چلا تو وہ بچی شیر کے پاس پہنچ چکی تھی۔

انہوں نے باہر نکل کر دیکھا تو آج کا منظر ذرا مختلف تھا۔شیر بیٹھا ہوا تھا اور بچی اس کے اوپر جا کر بیٹھ گئی۔ اور تھوڑے سے فاصلے پر دوسری طرف شیرنی بھی بیٹھی ہوئی تھی۔ اس دن وہ بھی شیر کے ساتھ آئی تھی۔اب یہ بچی اس کے اوپر بیٹھی رہی اور کھیلتی رہی کیونکہ دونوں ایک دوسرے کے دوست تھے۔ ماں دور سے اس کو اشارے کرتی رہی۔ بیٹی! آجاؤ، بیٹی! آجاؤ، لیکن وہ توجہ ہی نہیں کرتی تھی۔ایسے موقع پر بچے کہاں سنتے ہیں؟

جب ماں نے بہت اصرار کیا تو اس وقت بچی اٹھی اور وہ گھر کی طرف چلنے لگی۔ بچی کو یہ بالکل پتہ نہیں تھا کہ میرا شیر کے ساتھ اس طرح کھیلنا اور اس کے اوپر بیٹھنا، شیرنی کو برا لگا ہے اور اس نے اس بات پہ غصہ کیا ہے۔ادھر شیر تھا اور ادھر شیرنی۔ جیسے ہی وہ شیرنی کی طرف سے جانے لگی تو اچانک شیرنی نے اس کے اوپر حملہ کر دیا۔اب جیسے ہی شیرنی نے اس کے اوپر حملہ کیا تو شیر نے یک دم چھلانگ لگائی اور اس سے پہلے کہ شیرنی اس کو کھاتی' شیر نے پورے زور سے تھپڑ اس کے منہ پہ لگایا، جب شیرنی کے منہ پہ تھپڑ پڑا تو وہ چیختی ہوئی بھاگ گئی۔ پھر شیر اس لڑکی کے قریب آیا اور دم ہلانے لگ گیا۔دم ہلانا اس بات کی نشانی تھی کہ تم میری کمر پر سوار ہوسکتی ہو۔ چنانچہ وہ لڑکی اس کی کمر پر سوار ہوگئی اور شیر چلتے چلتے اس کے دروازے پر آیا اور لڑکی کو اتار کے واپس جنگل چلا گیا۔

﴿اَلَّذِیْٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی﴾ (طٰہٰ:۵۰)

شیر کی خوراک:

شروع میں میرا ایک اندازہ سا تھا کہ شیر صبح کے وقت خرگوش کا ناشتہ کرتا ہوگا' دوپہر کے وقت کسی گائے کا لنچ کرتا ہوگا اور رات کو کسی ہرن کا ڈنر کرتا ہوگا۔ لیکن جب ہم نے وہاں کے لوگوں سے جا کر پوچھا تو وہ کہنے لگے: شیر ہفتے میں ایک مرتبہ کھانا کھاتا ہے۔ ہم نے پوچھا: کیوں؟ آپ شیر رکھتے ہیں تو کیا آپ پیسے بچانے کے لیے ہفتے کے بعد اس کو خوراک کھلاتے ہیں؟ انہوں نے کہا: نہیں ایسا ہرگز نہیں۔ یہ ایک مرتبہ کھاتا ہے اور پھر وہی کھانا ایک ہفتے تک اس کے لیے کافی ہوتا ہے۔ ہم نے کہا: واہ! ہمارے شیر تو سبحان اللہ' دن میں تین مرتبہ شکار کرتے ہیں۔

ایک حیران کن منظر:

ہم ایک جگہ سے گزر رہے تھے تو میرے ایک دوست محمد میاں کہنے لگے: حضرت! یہاں ساتھ ہی سفید شیروں کو پالنے کا ایک بہت بڑا فارم بنا ہوا ہے، ہمارے پاس ٹائم بھی ہے۔ تو کیا ہم وہ بھی نہ دیکھتے چلیں؟ میں نے کہا: ٹھیک ہے۔ چنانچہ ہم وہاں اتر گئے۔

انہوں نے وہاں شیروں کے پینتیس چالیس جوڑے رکھے ہوئے تھے۔ ہر جوڑے کے لیے انہوں نے ایک ایکڑ زمین دی ہوئی تھی، جنگلہ بھی لگایا ہوا تھا اور یوں الگ الگ جوڑا جوڑا رکھا ہوا تھا۔ اور لوگ بھی ہمارے ساتھ تھے۔ ہم سب سے اخیر پر بیٹھ گئے اور باقی سب آگے بیٹھ گئے۔ ڈرائیور ہمیں دکھاتا بھی گیا اور سب کچھ بتاتا بھی گیا۔

آگے جا کر دیکھا کہ ایک بہت بڑا شیر ایک طرف بیٹھا ہوا تھا اور دوسری طرف شیرنی بیٹھی ہوئی تھی۔ ڈرائیور نے وہاں جا کر گاڑی روک دی۔ میرا خیال ہے کہ شیر سے پندرہ فٹ کے فاصلے پر اس نے گاڑی روکی تھی۔ وہ گاڑی ایسی تھی کہ اس میں شیشے نہیں تھے، جیسے کھلا ڈالا ہوتا ہے اور اس کے اندر سیٹیں لگی ہوتی ہیں۔ ایسے ہی اٹھارہ سیٹیں لگی ہوئی تھیں

اورلوگ ویسے ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ اگر وہ شیر پیچھے مڑ پڑتا تو سارے بندوں کی جان کا خطرہ تھا۔

تو جب اس نے گاڑی کھڑی کر دی تو ہمیں عجیب سا لگا کہ اس نے گاڑی کیوں کھڑی کر دی؟ چلاتا ہی رہتا تو زیادہ بہتر تھا۔ گاڑی کھڑی کرنے کے بعد اس نے گاڑی آف (بند) کر دی پھر گاڑی آف کرنے کے بعد اس نے چابی نکالی۔ جب اس نے چابی نکالی تو میں نے کہا: محمد میاں! لگتا ہے کہ یہ بیوی سے جھگڑ کے آیا ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ آج اس کے ارادے ٹھیک نہیں ہیں۔

ابھی ہم یہ بات کر ہی رہے تھے کہ اس خدا کے بندے نے اپنے آگے کا شیشہ کھول دیا۔ جب آگے کے شیشے کا لیول نیچے ہوا اور شیر صرف پندرہ فٹ کے فاصلے پر تھا تو ہم بڑے حیران اور خاموش تھے۔ اس وقت سب کو خدا یاد آ رہا تھا۔ ماشاء اللہ سارے لطائف جاری تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے اپنی گاڑی کا اگلا دروازہ بھی کھول دیا۔

پھر اس نے کیا کیا؟ کہ سیٹ سے اٹھ کر باہر نکلا اور کھڑا ہو گیا۔ اس چیز نے تو ہمیں بہت ہی حیران کر دیا۔ میں نے کہا: محمد میاں! یہ ڈیتھ مشن پہ ہے۔ آج یہ بچ کے واپس نہیں جانا چاہتا۔ خیر! جب وہ باہر نکل کر کھڑا ہوا اور ہم حیران ہو کر اس کی طرف دیکھ رہے تھے، تو اس کے ہاتھ میں گاڑی کی جو چابیوں کا گچھا تھا اس نے اس کو بجانا شروع کر دیا۔

پہلے تو شیر آرام سے بیٹھا ہوا تھا۔ اچانک اس نے اس کی طرف دیکھا۔ اس نے پھر گچھا بجایا۔ شیر نے پھر دوسری مرتبہ ذرا غور سے دیکھا۔ جب اس نے تیسری مرتبہ بجایا تو شیر نے اس وقت ہلکی سی ''ہوں'' کی آواز نکالی۔ جیسے ہی شیر نے ''ہوں'' کی آواز نکالی تو وہ جلدی سے اندر بیٹھا، دروازہ بھی بند کر دیا اور شیشہ بند کر کے گاڑی بھی چلا دی۔

پھر اس نے کہا: میں نے آپ لوگوں کو ایک بات دکھانی تھی کہ شیر ایسے ہی حملہ نہیں کرتا، یہ جنگل کا بادشاہ ہے اور اس کا پروٹوکول ہے، اس کا ایک طریقہ کار ہے۔ ہم نے

پوچھا: اس کا کیا طریقہ کار ہے؟ کہنے لگا: پہلے یہ آرام سے بیٹھا ہوا تھا، میں نے شور کیا، تو پہلی مرتبہ اس نے نوٹس ہی نہیں لیا۔ پھر شور کیا تو میری طرف اس نے دیکھا کہ یہ کہاں سے آ گیا!؟ پھر جب میں نے تیسری مرتبہ شور کیا تو اس نے "ہوں" کی ہلکی سی آواز نکالی اور اس آواز نکالنے کا مقصد یہ تھا کہ

Go away , don't disturb me.

"چلے جاؤ، مجھے پریشان نہ کرو"

وہ کہنے لگا: اگر اس کے بعد میں تھوڑی سی دیر بھی کر دیتا تو شیر نے کھڑا ہونا تھا اور بس ایک سیکنڈ کے اندر اس نے میرے اوپر حملہ کر دینا تھا۔

پھر ایک اور بات کرنے لگا۔ کہنے لگا: آپ نے یہ بھی دیکھا ہوگا کہ پیچھے شیرنی بیٹھی ہے اور میں نے دونوں کے درمیان گاڑی کھڑی کی ہے، اور میں نے جو بھی تماشا کیا ہے وہ شیر کے ساتھ کیا ہے۔ ہم نے کہا: ہاں۔ کہنے لگا: میں شیرنی کے ساتھ ایسا نہیں کر سکتا۔ ہم نے کہا: کیوں؟ کہنے لگا: شیرنی نا قابل اعتبار ہے۔ شیر کا ایک طریقہ کار ہے، وہ حملہ کرے گا تو بتا کے حملہ کرے گا، لیکن جہاں تک شیرنی کی بات ہے، آپ ذرا سا باہر نکلیں تو وہ اسی وقت حملہ کر دے گی۔

مزے کی بات یہ کہ جب اس نے کہا کہ شیرنی نا قابل اعتبار ہوتی ہے، تو اس وقت آگے ایک انگریز جوڑا بیٹھا ہوا تھا، یہ سن کر مرد کہہ بیٹھا:

Women are also un-predictable.

"عورتیں بھی نا قابلِ اعتبار ہوتی ہیں"

یہ سن کر اس کی بیوی نے لڑنا شروع کر دیا۔

شیر کب شکار کرتا ہے؟

شیر عام طور پر دن میں سوتا ہے۔ ادھر شام شروع ہوتی ہے اور ادھر وہ اٹھ کر شکار کرنا شروع کر دیتا ہے۔ اللہ نے اس کو رات میں دیکھنے کے لیے آنکھیں ہی ایسی عطا کی ہیں۔ اسی اندھیرے میں وہ دوڑتا بھی ہے اور بھاگتا بھی ہے۔

شیر جب شکار کرنے لگتا ہے تو یہ کئی مرتبہ نو نو گھنٹے تک پلاننگ کرتا ہے۔ یہ کبھی بھی ادھورا قدم نہیں اٹھاتا۔ جب اس کو سو فیصد سے زیادہ یقین ہوتا ہے کہ اب اس ٹارگٹ کو میں نہیں جانے دوں گا تب قدم اٹھاتا ہے۔ اس میں ہمارے لیے سیکھنے کی کئی باتیں ہیں۔ ہم کوئی بھی کام کرتے ہیں تو پوری تیاری کرتے نہیں اور قدم اٹھا لیتے ہیں۔

حملہ کرتے وقت احتیاط کا پہلو:

شیر جب حملہ کرتا ہے تو اس بات کا پہلے خیال کرتا ہے کہ اس حملے میں مجھے نہیں چوٹ لگنی چاہیے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اگر مجھے چوٹ لگ گئی تو یہاں ڈاکٹر صاحب تو ہیں نہیں، جو آ کے انٹی بائیوٹک لگائیں گے۔ چنانچہ اگر کسی حملے میں شیر کو زخم لگ جائے تو اس کا زخم ننگا رہتا ہے اور پھر اس پر مکھیاں بیٹھتی ہیں اور انفیکشن ہو جاتی ہے اور پھر اسی زخم کی وجہ سے وہ کئی دفعہ مر بھی جاتا ہے۔ تو یہ اس طرح حملہ کرتا ہے کہ اس کو ذرا بھی خراش نہ آئے اور یہ حملہ مکمل ہو جائے۔ اسی لیے اگر کہیں دو بھینسیں ہوں تو شیر ان پر اس وقت تک حملہ نہیں کرتا جب تک کہ ان میں سے ایک کو الگ نہ کر دے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اتفاق میں برکت ہے۔

شیر اپنی جگہ بدلتا رہتا ہے:

شیر اپنی جگہ بدلتا رہتا ہے۔ اس کی کوئی ایک جگہ نہیں ہوتی۔ دو چار دن یہاں رہے گا، دو چار دن وہاں رہے گا۔ بس وہ اپنی کنگڈم (سلطنت) کے اندر گھومتا رہے گا۔ اس لیے

اس کو اچھی خوراک بھی ملتی رہتی ہے۔

انسانوں پر حملہ کرنے کی بنیادی وجہ:

پچھلے دنوں ہم شیر کو دیکھ رہے تھے۔ وہاں ایک جرمن انگریز تھا۔ اس نے شیروں کے ساتھ آٹھ نو سال گزارے ہوئے تھے۔ وہ ہمیں دکھانے کے لیے لے کر چلا۔ وہ جو گاڑی تھی اس پر جالی لگی ہوئی تھی۔ اس جرمن نے ہمیں بتایا کہ میں باہر نکلوں گا تو دیکھ لینا کہ شیر مجھے دیکھتے ہی میرے پاس آئے گا اور آ کر جیسے کوئی ملتا ہے' ایسے رگڑے گا اس وقت مجھے مضبوط کھڑا ہونا ہے' مجھے گرنا نہیں ہے۔

چنانچہ جیسے ہی اس نے باہر قدم رکھا تو ویسا ہی ہوا۔ شیر دور سے آیا اور اس نے آ کر اس کے ساتھ زور سے رگڑا۔ وہ بھی مضبوط کھڑا رہا۔ پھر اس نے اس کی کمر پر ہاتھ پھیرا۔ پھر شیر اس کے سامنے نیچے گر گیا۔ جیسے دو دوست ہوتے ہیں۔ ایسے ہی وہ ایک دوسرے کے ساتھ کرتے رہے۔

ہم نے اس سے پوچھا: کیا یہ شیر تمہیں پہچانتا ہے؟ اس نے کہا: شیر کو شکل نظر نہیں آتی' اس کے لیے ایسے ہی ہوتا ہے کہ یہاں دو ٹانگوں والا کوئی اور جانور کھڑا ہے۔ پھر میں نے پوچھا: اگر یہ دو ٹانگوں والا جانور سمجھتا ہے تو پھر حملہ کیوں نہیں کرتا ہے؟ اس نے کہا: اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ انسان کے اندر جب خوف آتا ہے تو اس کے جسم سے ایک کیمیکل ''اینڈ رالین'' نکلتی ہے اور وہ اس اینڈ رالین کو سونگھتا ہے۔ اس کو سونگھنے کے بعد وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ یہ میرا دشمن ہے اور یہ میرے اوپر حملہ کرنے والا ہے۔ اس لیے حفظِ ماتقدم (اپنا بچاؤ) کے طور پر وہ خود حملہ کر دیتا ہے۔ لہٰذا اگر انسان ڈرے نہیں تو شیر بھی اس کو کچھ نہیں کہے گا۔ تو اس نے کہا: میں ان سے ڈرتا نہیں ہوں۔ اسی لیے میں ان کے ساتھ کھیلتا ہوں' یہ مجھے گراتے ہیں اور میں ان کو گراتا ہوں۔ اور واقعی اس نے ایسا ہمیں کر کے دکھایا۔

پھر جب جالی کے اندر آیا تو اس نے اندر سے ایک سرخ رومال دکھایا۔ پھر شیرنیاں آئیں وہ شیرنیاں تو بالکل جالی کے ساتھ لگ گئیں۔ ہم جالی کے اندر تھے اور شیرنی جالی کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ اتنا قریب سے ہم نے کبھی شیرنی کو نہیں دیکھا تھا۔ مگر فرق یہ تھا کہ شیرنی پنجرے میں نہیں تھی، البتہ دیکھنے والے پنجرے میں تھے، اس لیے ہمیں کوئی ڈر محسوس نہیں ہو رہا تھا۔

اس وقت میں نے شیرنی کے دانتوں کو قریب سے دیکھا۔ اتنی موٹی موٹی اس کی داڑھیں تھیں۔ اس وقت احساس ہوا کہ واقعی اس کے لیے بندے کو کھانا' کھیرا اور تر کھانے کی طرح ہے۔ اس کے دانتوں میں ٹنوں کے حساب سے طاقت ہوتی ہے۔ دیکھیں! ہمارے ہاں قصاب گائے بھینس کو ذبح کرتے ہیں تو اس کے چمڑے کو چھریوں سے بھی آسانی سے نہیں اتار سکتے اور شیر اس کو اپنے دانتوں سے پکڑتا ہے اور چمڑے کو یوں کھینچتا ہے تو وہ آسانی سے اتر جاتا ہے۔ اس کے اندر کتنی طاقت ہوگی؟ اللہ رب العزت نے اس کی زندگی ہی ایسی بنائی ہے۔

راستے کا حق:

جنگل میں ایک جگہ لکھا ہوا تھا:

The right of the way is with the animals

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم گاڑی میں جا رہے ہو اور آگے سے کوئی جانور سڑک کراس کر رہا ہے تو اس کو اس راستے پر سے گزرنے کا زیادہ حق حاصل ہے۔ یعنی پہلے وہ گزرے اور پھر انسان گزریں۔

حیرت کی بات:

حیرت کی بات ہے کہ آج کے زمانے کے لوگوں نے جانوروں کے حقوق متعین کر دیے

ہیں اور کہا ہے کہ راستے سے جانوروں کو پہلے گزرنے دو، پھر تم گزرو۔ لیکن جب ہم صحیح معنوں میں مسلمان تھے تو یہی جنگل کے جانور انسانوں کا حکم مانتے تھے مثال کے طور پر:

☆...... نبی علیہ السلام کے ایک غلام حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے۔ ایک مرتبہ وہ روم کے قریب لشکر سے پیچھے رہ گئے تو ان کو گرفتار کر لیا گیا۔ پھر وہ وہاں سے موقع پا کر ان کی گرفت سے نکل گئے۔ اس کے بعد وہ اپنے لشکر کو تلاش کرتے ہوئے آرہے تھے کہ راستے میں ایک شیر کو کھڑے ہوئے پایا۔ انہوں نے شیر کو مخاطب کر کے فرمایا: اے ابوالحرث !...... (یہ شیر کی کنیت ہے) میں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوں، میرے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا ہے۔ یہ سن کر شیر دم ہلاتے ہوئے ان کی بغل میں آ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر شیر نے چلنا شروع کر دیا۔ عجیب بات یہ ہے کہ حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ جب کسی قسم کی آواز کو سنتے تو شیر کو پکڑ لیتے تھے۔ وہ شیر کے ساتھ ساتھ چلتے رہے حتی کہ شیر کی راہنمائی میں وہ اپنے لشکر میں پہنچ گئے اور اس کے بعد شیر واپس چلا گیا۔

☆...... افریقہ کی بربر قوم نے صحابہ کرامؓ کو اپنے علاقے میں داخل ہونے سے منع کر دیا تھا۔ ان کے رویے سے مایوس ہو کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جنگل کا رخ کر لیا۔ اب اس قوم کے لوگ سمجھ گئے کہ جنگل کے درندے ان کو اپنا لقمہ بنا لیں گے، لیکن آگے عجیب معاملہ پیش آیا۔ ان میں سے ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے جنگل کے کنارے کھڑے ہو کر جنگلی مخلوق سے مخاطب ہو کر کہا: اے جنگل کے درندو! آج رات اس جنگل میں محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کا بسیرا ہے، اس لیے تم جنگل خالی کر دو۔ ان کے اعلان کرنے کی دیر تھی کہ سب جانور اپنے بچوں کو لے کر جنگل سے نکل گئے اور ان کے لیے جنگل خالی کر دیا۔

☆...... سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے ایک بزرگ تھے، خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ۔ ان کا ایک مرید حضرت سے ملنے کے لیے ان کے گھر گیا۔ دستک دی، اندر سے جواب آیا کہ وہ گھر پر نہیں ہیں۔ اس نے پوچھ لیا: جی! وہ کہاں گئے ہیں؟ تو آگے سے ان کو دو چار سخت

باتیں سننا پڑیں کہ ہمیں کیا پتہ، کہاں ہیں۔ اتنی سختی سے جواب ملا کہ وہ حیران ہی رہ گیا۔ وہ سوچ میں پڑ گیا کہ حضرت اتنے بڑے بزرگ ہیں اور گھر میں بیوی کا یہ جلال ہے۔

خیر! وہ اس جنگل کی طرف چل پڑا جہاں وہ بزرگ گئے ہوئے تھے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ سامنے سے حضرت ایک شیر پر سوار ہو کر آ رہے ہیں۔ وہ بڑا حیران ہوا، ملاقات ہوئی، مگر وہ رہ نہ سکا اور پوچھ ہی لیا: حضرت! آپ کا مقام تو ایسا ہے کہ شیر پر سوار ہیں اور گھر میں اس طرح کا معاملہ ہے۔ تو حضرت نے فرمایا: میں اپنی بیوی کی اس سختی کو برداشت کرتا ہوں اس کا پھل اللہ تعالیٰ یہ دیا کہ شیر میرے بوجھ کو برداشت کرتا ہے اور مجھے اپنے اوپر سوار ہونے کی اجازت دیتا ہے۔

☆ ...... ایک بزرگ تھے۔ ان کو بادشاہ نے بلوایا اور غصے میں ان کو بھوکے شیر کے سامنے ڈلوا دیا، اور کہا کہ میں خود بھی تماشا دیکھوں گا۔ جب انہیں شیر کے پنجرے میں ڈال دیا گیا تو شیر آیا اور ان کے قدموں میں اس طرح بیٹھ گیا جیسے کتا اپنے مالک کے پاؤں چاٹنے لگ جاتا ہے۔ اس کا وزیر بڑا سمجھدار تھا۔ اس نے بادشاہ سے کہا: دیکھو! یہ کوئی اللہ کا مقبول بندہ ہے، اس سے ابھی معافی مانگ لو! وگرنہ انہوں نے اگر بددعا کر دی تو تمہاری آئندہ نسل ہی برباد ہو جائے گی۔ بادشاہ نے اسی وقت ان بزرگ کو بلوایا اور اپنی پگڑی ان کے قدموں میں رکھ دی اور معافی مانگی اور ان سے کہا کہ میں آپ کو واپس گھر بھیج رہا ہوں۔ چنانچہ وہ گھر پہنچ گئے۔

ان کی بیوی تو سمجھ رہی تھی کہ آج میرے خاوند کو شہید کر دیا جائے گا، لیکن جب اس نے اچانک اپنے خاوند کو دیکھا تو بڑی حیران ہوئی۔ چنانچہ پوچھا: جی! آپ زندہ سلامت کیسے واپس آ گئے؟ انہوں نے سارا واقعہ سنایا کہ یہ واقعہ پیش آیا ہے اور بادشاہ نے مجھے گھر بھیج دیا ہے۔ اب بیویاں تو پھر بیویاں ہوتی ہیں۔ اس کے ذہن میں ایک بات آئی اور خاوند سے کہنے لگی: اچھا! ایک بات ذرا سچ سچ بتانا۔ انہوں نے پوچھا: کون سی بات؟ کہنے

لگی: جب بھوکا شیر آپ کی طرف آیا تو آپ کو ڈر تو بہت لگا ہوگا، تو بتائیں کہ اس وقت آپ کیا سوچ رہے تھے؟ انہوں نے فرمایا: جب شیر میری طرف آ رہا تھا تو میں اس وقت یہ سوچ رہا تھا کہ پتہ نہیں، شیر کا لعاب پاک ہوتا ہے یا ناپاک ہوتا ہے، یعنی ذرہ برابر بھی ان کے دل میں خوف نہیں تھا...... اللہ اکبر!!!

اللہ والے یوں ان جانوروں سے بے خوف ہوتے ہیں۔ حقیقت میں یہی ہے کہ جو خالقِ حقیقی سے ڈرتا ہے وہ مخلوق سے ہرگز خوف نہیں کھاتا اور جو خالقِ حقیقی سے نہیں ڈرتا، وہ ہر ایک سے ڈرتا پھر رہا ہوتا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ رب العزت ہمارے دلوں میں بھی اپنا خوف پیدا فرما دے تاکہ ہم اپنی بقیہ زندگی میں ایسے کام کرتے رہیں جو اس کی رضا حاصل کرنے کا ذریعہ بن سکیں۔

آمین ثم آمین

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ○

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِہٖ بَصِیْرَۃٌ ○ وَّلَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَہٗ ○ (القیامہ: ۱۴، ۱۵)

اپنی غلطیوں کو پہچاننا

از افادات

حضرت مولانا پیر حافظ ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہم

مقام: سالانہ اجتماع جھنگ، جامع مسجد زینب معہد الفقیر الاسلامی جھنگ

مورخہ ۱۵ اکتوبر ۲۰۰۳ء

اقتباس

جو بندہ اپنے عیبوں سے واقف ہی نہیں ہے، وہ اصلاح کے لیے بھی فکر مند نہیں۔ اور واقعی ایسا ہوتا ہے، کبھی کبھی اللہ تعالیٰ بندے کی آنکھوں پر پٹی باندھ دیتے ہیں۔ اپنے ہاتھوں سے ایک کام کرتا ہے لیکن اس کی آنکھیں نہیں دیکھتیں۔ اپنی زبان سے بولتا ہے لیکن اس کے کان نہیں سنتے، اس کو اس کا دل ودماغ نہیں سمجھاتا کہ تم برا کر رہے ہو۔ وہ برائیاں بھی کر رہا ہوتا ہے اور اپنے آپ کو اللہ کا دوست بھی سمجھ رہا ہوتا ہے، اپنے آپ کو اللہ کا ولی بھی سمجھ رہا ہوتا ہے۔ اور اپنے زعم میں درجے بھی چڑھ رہا ہوتا ہے۔

(حضرت مولانا پیر حافظ ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہم)

اپنی غلطیوں کو پہچاننا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ كَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى، اَمَّا بَعْدُ: فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○
بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ○ وَلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ○ (القیامہ:۱۴،۱۵)
سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ○ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ○ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ○

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

خصوصی مجالس سے کیا مراد ہے؟

خصوصی مجالس کی یہ پہلی محفل ہے۔ خصوصی کا کیا مطلب؟ کہ بڑے درجات والے، معرفت والے، بڑے مقامات والے بندوں کی محفل ہے؟ نہیں جو زیادہ بیمار ہیں' جو خصوصی نگہداشت کے قابل ہیں' جو زیادہ موذی مرض والے ہیں، جن پر زیادہ توجہ کی ضرورت ہے، جن کا کام اتنا بگڑا ہوا ہے کہ اگر ان کو فوری طور پر دوا نہ ملی تو اپنی موت کے

قریب ہیں۔ یہ ان لوگوں کی محفل ہے۔

ہسپتال میں جہاں زیادہ پیچیدہ بیماریوں والوں کو رکھا جاتا ہے، اس کا نام ہوتا ہے ’’خصوصی نگہداشت کا وارڈ‘‘ تو اب یہ خصوصی مجالس شروع ہو گئیں۔ جو زیادہ پیچیدہ بیماریوں والے تھے، جن کی بیماریاں سمجھ نہیں آتیں۔ کمپلیکس بیماریاں ہیں۔ ایک وقت میں کئی کئی بیماریاں ان کو چمٹی ہوئی ہیں ایسی موذی بیماریوں کی لپیٹ میں آئے ہوئے بندے روحانی طور پر مریض ہیں۔ یہ ان کے لیے خصوصی مجالس ہیں۔

عمل کرنے کا وعدہ:

اس بات کا ارادہ بلکہ وعدہ کرنا ہے کہ ہم ان مجالس میں جو کچھ سنیں گے اس پر ضرور عمل کریں گے۔

حضور نبی کریم ﷺ اس بات پر بیعت لیا کرتے تھے۔ دلائل موجود ہیں کہ نبی علیہ السلام اس پر بیعت لیا کرتے تھے کہ تم جو سنو گے اس پر عمل کرو گے۔

اب یہ ہمارا وعدہ بھی اسی سنت کی اتباع ہے۔ یہ نہ ہو کہ ہم سن سن کے سن ہو جائیں۔ کئی مرتبہ سن بھی تو ہو جاتے ہیں۔ سنتے سنتے سن ہو جاتے ہیں، کسی کام کے نہیں رہتے۔

چونکہ بعض سالکین جو کہ طالب علم رہ چکے ہوتے ہیں، وہ احساسِ برتری کا شکار ہوتے ہیں کہ ہم جانتے ہیں۔ یہی تو مصیبت ہے، یہی تو بنیاد ہے۔ قیامت کے دن یہی تو پوچھیں گے کہ جتنا تم جانتے تھے اتنا مانتے بھی تھے کہ نہیں۔ جو جتنا زیادہ جانتا ہے وہ اتنا زیادہ بوجھ کے نیچے دبا ہوا ہے اور یہ بوجھ جس نے گردنوں کو توڑا ہوا ہے، قریب ہے کہ بندہ اس بوجھ کے نیچے دب جائے۔ اس سے نجات کی کیا صورت ہو؟ ان مجالس میں اس سے متعلق عنوانات پر گفتگو ہوگی۔

یہ ذہن میں مت رکھیں کہ وہ زیادہ اسباق والے لوگ تھے، زیادہ معرفت والے لوگ

تھے۔ حقیقت، حقیقت ہوتی ہے۔ تو کوئی پوچھے کہ خصوصی مجالس ہیں؟ تو انہیں بتاتا: جی؟ خصوصی نگہداشت والے مریضوں کے لیے مجالس ہیں۔ دل میں یہ عہد ہو کہ جو سنیں گے اس پر عمل کریں گے پھر اللہ تعالیٰ کی مدد بھی ہوگی۔ توفیق بھی اسی کو ملتی ہے جس کے دل میں نیت ٹھیک ہوتی ہے۔ نیت کھوٹی ہو تو توفیق بھی نہیں ملتی تو نیت یہی لے کر بیٹھیں کہ ہم جو سنیں گے اس کو عمل کے سانچے میں ڈھالیں گے۔

بندے پر اپنے عیب کب واضح ہوتے ہیں؟

جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کو اپنے عیبوں پر مطلع فرما دیتے ہیں، اس کے عیب اس کے اوپر کھول دیتے ہیں۔ اور جس بندے سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں اس کی نظر سے اس کے عیبوں کو اوجھل فرما دیتے ہیں۔ اس کو اپنے اندر کوئی عیب نظر نہیں آتا۔

ڈاکٹر کہتے ہیں کہ سب سے بڑی بیماری وہ ہوتی ہے جس کو مریض بیماری ہی نہ سمجھے۔ اس لیے کہ جب بیماری ہی نہیں سمجھے گا تو نہ علاج کروائے گا اور نہ پرہیز کرے گا۔ پتہ اس وقت چلے گا جب بیماری اس کو نیچے گرا دے گی۔

جو بندہ اپنے عیبوں سے واقف ہی نہیں ہے، وہ اصلاح کے لیے بھی فکرمند نہیں۔ اور واقعی ایسا ہوتا ہے، کبھی کبھی اللہ تعالیٰ بندے کی آنکھوں پر پٹی باندھ دیتے ہیں۔ اپنے ہاتھوں سے ایک کام کرتا ہے لیکن اس کی آنکھیں نہیں دیکھتیں۔ اپنی زبان سے بولتا ہے، لیکن اس کے کان نہیں سنتے، اس کو اس کا دل ودماغ نہیں سمجھاتا کہ تم برا کر رہے ہو۔ وہ برائیاں بھی کر رہا ہوتا ہے اور اپنے آپ کو اللہ کا دوست بھی سمجھ رہا ہوتا ہے، اپنے آپ کو اللہ کا ولی بھی سمجھ رہا ہوتا ہے۔ اور اپنے زعم میں درجے بھی چڑھ رہا ہوتا ہے۔

غفلت کی پٹی:

ایک انجینئر صاحب ہمارے کولیگ (ساتھی) تھے۔ یہ عاجز ان کو اچھی طرح جانتا ہے' کئی سال ان کی زندگی کو دیکھنے کا موقع ملا۔ ان کی غفلت بھری زندگی تھی۔ فرنگی لباس' نمازوں کی پرواہ نہیں' سچ جھوٹ میں فرق نہیں' آنکھ قابو میں نہیں' زبان قابو میں نہیں' جب چاہا کسی کی غیبت کر دی' جب چاہا کسی کے خلاف گالی نکال دی' جان بوجھ کر دل دکھایا کہ جی میں نے فلاں کو سڑانے کے لیے یوں کیا تھا، دل دکھانے کے لیے' ٹی وی' گانوں کے شوقین' موسیقی کے دلدادہ' سود اور اس سے متعلقہ چیزوں کی اسے پرواہ ہی نہیں۔ ایسی زندگی تھی اس بیچارے کی۔ کبھی ہوا تو جمعہ کی نماز پڑھ لی ورنہ نہیں۔

ایک مرتبہ اس کے ساتھ تنہائی میں بیٹھنے کا موقع مل گیا۔ اس عاجز نے موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے کچھ توبہ کے عنوان پر گفتگو کی۔ جب توبہ کی گفتگو اس نے توجہ سے سنی تو اس نے کہا: آج آپ کی باتوں سے میں بڑا متاثر ہوا ہوں اور اگلی بات اس نے ایسی کی کہ میرے پاؤں کے نیچے سے زمین نکال دی اور میں کانپ اٹھا۔

پہلی بات کیا کی؟ کہ میں آپ کی باتوں سے بڑا متاثر ہوا ہوں' آج آپ نے بڑی اچھی باتیں بتائیں' میرا دل بڑا خوش ہوا ہے۔ اگلی بات یہ کرتا ہے کہ اپنے ارادے سے تو کبھی گناہ کیا نہیں بے ارادے اگر کبھی ہو گیا ہو تو اللہ اس کو معاف کر دے۔

اب ذرا اس بات کو سوچیے کہ جس بندے کی یہ زندگی ہو اور آگے سے وہ یہ جواب دے کہ ارادے سے تو کبھی گناہ کیا نہیں۔ پتہ نہیں ہو گیا وہ کس کو سمجھتا تھا۔ پھر اس کی اپنی بنی ہوئی شریعت تھی یا کیا تھا؟ کہتا ہے کہ ارادے سے تو کبھی گناہ کیا نہیں بغیر ارادے کے اگر ہو گیا ہو تو اللہ اس کو معاف فرما دے۔

تب ہمیں احساس ہوا کہ اللہ تعالیٰ اتنا بھی بندے سے ناراض ہوتے ہیں کہ بندے

کی آنکھوں پہ بالکل پٹی باندھ دیتے ہیں۔اس کونظر نہیں آتا کہ یہ کرنا کیا ہے؟اس کونہیں سنائی دیتا کہ یہ بولتا کیا ہے سارے دن میں اتنے خلاف شرع کام کرنے کے بعد پھر کہتا ہے کہ ارادے سے تو کبھی گناہ کیا نہیں' بنا ارادے ہوگیا ہوتو اللہ معاف کرے۔بندہ اتنا غافل ہوجاتا ہے کہ اس کواپنے گناہ' گناہ ہی نظر نہیں آتے۔

اپنی بیویوں سے زنا کرنے والے:

چنانچہ قرب قیامت میں زنا عام ہوگا۔کس طرح؟ کہ لوگ اپنی بیوی کو طلاق بھی دے بیٹھیں گے اور پھر اس کی پرواہ بھی نہیں کریں گے کہ طلاق ہوئی یا نہیں۔میاں بیوی پھر مل کر (اکھٹا) رہنا شروع کردیں گے،اس گناہ کی آج بہت کثرت ہوتی جارہی ہے۔ جی ہاں!اندر کی باتیں حکیم کو بتاتے ہیں یا پھر پیر کو بتاتے ہیں۔حکیم کو جسمانی علاج کے لیے بتاتے ہیں اور پیر کو روحانی علاج کے لیے بتاتے ہیں۔

جب نوجوان میاں بیوی میں جھگڑے ہوتے ہیں اور وہ طلاق کے مسائل سے واقف نہیں ہوتے تو طلاق کے مترادف الفاظ کہہ دیتے ہیں اور اس کو طلاق ہی نہیں سمجھتے۔ کئی تو طلاق دے دیتے ہیں اور سالوں کے بعد جب بات کھلے تو کہتے ہیں او جی! میں نے تو غصے میں طلاق دی تھی۔بھئی یہ کہیں لکھا ہوا ہے کہ خوش ہو کے بندہ طلاق دیتا ہے؟ کوئی بندہ کبھی آپ نے ایسا دیکھا کہ اپنی بیوی سے بڑا خوش ہو اور کہے کہ خوشی کی وجہ سے میں آپ کو طلاق دیتا ہوں' او خدا کے بندے! طلاق تو ہوتی ہی غصے میں ہے۔یہ کیا لفظ ہوا کہ میں نے تو غصے میں یہ کہہ دیا تھا؟ کئی کہتے ہیں کہ میں نے کہہ تو دیا تھا لیکن میرا مطلب نہیں تھا۔بھئی تیرا کہنا لکھا گیا' مطلب تھا یا نہیں، یہ آگے اللہ کی مرضی ہے۔دنیا کو دھوکہ دے سکتا ہے پروردگار کو دھوکا نہیں دے سکتا۔شرم کے مارے لوگوں کو بتاتے بھی نہیں اور کہتے ہیں کہ اب بچے بھی ہیں' کیا کریں؟ بیوی بھی تیار اور میاں بھی تیار اور بغیر نکاح کے باقی

ان کی پوری زندگی گزر جاتی ہے اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ میاں بیوی مسائل سے واقف نہ ہونے کی وجہ سے کلمات کفر کے مرتکب ہو بیٹھتے ہیں۔ ایسے کلمات کہہ دیے کہ جن سے انسان کفر کا مرتکب ہوتا ہے اور نکاح ٹوٹ جاتا ہے ان کو پتہ ہی نہیں ہوتا، اس کا عذاب اپنی جگہ ہے۔

وہ بندہ کافر ہو گیا:

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ دو بندے بات کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک نے کہہ دیا: یار! یہ تو شریعت کی بات ہے اور اگلے نے کہا ''رکھ پرے شریعت کو'' فَقَدْ کَفَرَ ان الفاظ کے کہنے سے وہ بندہ کافر ہو گیا اور آج شریعت کی وہ عظمت دل میں نہیں رہی جو ہونی چاہیے تھی۔ الا ماشاء اللہ۔

بتانے کا مقصد یہ تھا کہ انسان خود ایک عمل کرتا ہے اور اس کو احساس بھی نہیں ہوتا کہ میں کر کیا رہا ہوں۔

ایک شخص کی گستاخانہ باتیں:

ایک صاحب تھے' وہ شریعت پر عمل کرنے والے لگ رہے تھے' نمازی لگ رہے تھے۔ کام کرتے ہوئے ان کے منیجر نے ان کو بلا کے پوچھا: بتاؤ جی! کیا حال ہے؟ آگے سے جواب دیکھو کیا دیتا ہے؟ کہتا ہے:

''اگے تے پنجی منٹی سنداسی' ہن پتہ نئیں کتھے ٹر گیا اے؟ ہن تے سنداوی نئیں''

یہاں تک بھی کہتا تو سمجھتے کہ کسی بندے کے بارے میں کہہ رہا ہے۔ آگے سے اس نے یہ بھی کہا۔ ''ہن تے اسیں نمازاں پڑھنیاں وی چھڈ دتیاں نیں''

ہنس کے یہ بات کی اور چلا گیا۔ میں نے منیجر سے پوچھا یہ کون ہے؟ کہتا ہے جی! یہ نمازیں بھی پڑھتا ہے اور غصے کا ذرا تیز ہے' غصے میں ایسی باتیں کر جاتا ہے اب بتاؤ دین

سے واقف نہ ہونے کی وجہ سے اور علم نہ ہونے کی وجہ سے ایمان سے بھی محروم ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ حفاظتِ دین کے لیے علم ضروری ہے، حفاظت ایمان کے لیے تزکیہ ضروری ہے، اور اقامت دین کے لیے جہاد ضروری ہے۔

اپنی ہی باتوں سے اتنی غفلت:

آدمی اتنا غافل ہو جاتا ہے اس کو احساس بھی نہیں ہوتا کہ میری زبان سے کیا نکلا؟ یا میں نے ہاتھ سے کیا کیا؟

ایک دفعہ ایک جگہ بیٹھے ہوئے آدمی نے بات چیت کے دوران کوئی برا سا لفظ بول دیا۔ دوسرے نے کہا بھائی! ایسا نہ کہو۔ اس نے کہا: میں نے تو نہیں کہا۔ تین بندوں نے کہا کہ ہم نے سنا، آپ نے یہ کہا ہے، وہ کہتا ہے: میں نے تو نہیں کہا۔ تو بعض اوقات انسان اپنی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ خود نہیں سن سکتا، اتنا غافل ہو جاتا ہے۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ اللہ تعالیٰ اس بندے سے ناراض ہوتے ہیں تو اس کے عیبوں کو اس کی نظر سے اوجھل کر دیتے ہیں۔ اسے اپنا کوئی عیب نظر نہیں آتا، دوسروں کے عیب نظر آتے ہیں۔

اس لیے جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے خوش ہوتے ہیں تو اس کے عیب اس پر واضح فرما دیتے ہیں اور جب ناراض ہوتے ہیں تو اس کے عیب اس کی نظروں میں چھپا دیتے ہیں۔

دورنگی چھوڑ دے:

انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو ایسے ظاہر کرے، جیسے وہ ہے، یا پھر جیسا ظاہر کرے ویسا بن جائے۔ ظاہر اور باطن کے تضاد کو دور کرے۔ دورنگی کو دور کرے۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ جھوٹ بولنے سے بہت سارے لوگ بچتے ہیں۔ یہ بہت بڑا گناہ ہے لیکن وہ کیوں ڈرتے ہیں؟ اس لیے کہ لوگ کیا کہیں گے کہ صوفی ہو کے جھوٹ بولتا ہے۔ طالب علم ہو کے جھوٹ بولتا ہے۔ دیکھو جی! منہ پہ سنت سجائی ہے اور جھوٹ

بولتا ہے۔ حافظ ہو کے جھوٹ بولتا ہے۔ عالم ہو کے جھوٹ بولتا ہے۔ اس ڈر کی وجہ سے کتنے لوگ جھوٹ نہیں بولتے کہ لوگ کیا کہیں گے؟

بدنظری سے کون بچتا ہے؟

ایک گناہ ایسا ہے کہ جس کو کرنے سے کوئی کچھ نہیں کہتا' کوئی شرمندہ نہیں کرتا' اور وہ ہے بدنظری۔ کیا فرق پڑتا ہے؟ صوفی صاحب' صوفی صاحب ہیں۔ قاری صاحب' قاری صاحب ہیں۔ پیر صاحب' پیر صاحب ہیں۔ حاجی صاحب' حاجی صاحب ہیں۔ چونکہ اس گناہ پر کوئی شرمندہ نہیں کرتا' لہٰذا آج کے زمانے میں یہ گناہ بہت عام ہو گیا ہے۔ اگر بدنظری کرنے والوں کی آنکھوں کا رنگ بدل جایا کرتا تو کتنے ہی لوگ بدنظری کرنا چھوڑ دیتے۔ لیکن اب تو پتہ ہی نہیں ہوتا کدھر دیکھ رہا ہے؟ اور دیکھ رہا ہے تو کس نیت سے دیکھ رہا ہے؟ دل کا تعلق تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ مخلوق کو چونکہ پتہ ہی نہیں چلتا اس لیے بدنظری کا گناہ عام ہے۔ اس سے وہی بچتا ہے جس کے دل میں خوف خدا ہوتا ہے۔

دیدِ قصور:

جس طرح درخت کو اپنے پھل وزنی معلوم نہیں ہوتے اسی طرح انسان کو بھی اپنے عیب برے معلوم نہیں ہوتے۔ تاہم اپنے عیبوں سے جب ہم واقف ہونگے تب ان کی اصلاح ہوگی۔ اس کو ہمارے مشائخ نے دیدِ قصور کا لفظ دیا۔ دیدِ قصور کسے کہتے ہیں: اپنے عیبوں کو جاننا اور اپنی کوتاہیوں سے واقف ہونا' دیدِ قصور کہلاتا ہے۔

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑا خوبصورت لفظ استعمال کیا کہ فلاں بندے کو ''دیدِ قصور'' نصیب ہو گیا۔ ایک اصطلاح انہوں نے استعمال کرنی شروع کر دی۔ اپنی دعاؤں میں یہ دعا بھی مانگا کیجیے۔ اے اللہ! ہمیں دیدِ قصور نصیب فرما۔ کیا مطلب؟ ہمارے عیب ہمارے اوپر واضح کر دیجیے۔

اپنے عیوب پہچاننے کے طریقے:

اپنے عیب پہچاننے کے چار طریقے ہیں۔ چونکہ خصوصی نگہداشت کی مجالس ہیں لہٰذا کچھ باتیں آپ سے کہی جائیں گی اور کچھ باتیں آپ سے کہلوائی جائیں گی تاکہ سبق پکا ہو۔ کوئی صاحب مراقبے میں جانے کی کوشش نہ کرے اور کبھی کبھی کسی بات کا درمیان میں جواب بھی پوچھ لیا جائے گا۔ تاکہ پتہ چلے کہ کون کتنے غور سے سن رہا ہے۔ پھر پتہ چلے گا کہ کتنی حاضر دماغی سے سن رہے ہیں۔

(۱) شیخِ کامل کی نظر میں رہنا

شیخ آئینے کی مانند ہوتا ہے:

شیخ کی مثال ایسی جیسے آئینہ

"اَلْمُؤْمِنُ مِرْاٰۃُ الْمُؤْمِنْ"

''مومن مومن کا آئینہ ہے'' تو جیسے آئینہ دیکھنے سے منہ کی کالک نظر آ جاتی ہے ایسے ہی شیخ کے پاس بیٹھنے سے انسان پر اس کے عیب واضح ہو جاتے ہیں کچھ عیب تو خود واضح ہو جاتے ہیں اور جو نہیں ہوتے وہ شیخ ہی واضح کر دیتے ہیں، سمجھا دیتے ہیں، ڈانٹ ڈپٹ کر دیتے ہیں اور بات کھل جاتی ہے۔

آج کل تو شیخ کے پاس بھی تیاری کر کے آتے ہیں کہ شیخ کو میری کوتاہیوں کا پتہ نہ لگنے پائے اور خواب بھی اگر سناتے ہیں تو خواب میں ان کو جو حصہ اچھا نظر آتا ہے وہ بتا دیتے ہیں اور جو حصہ اسی خواب کا برا نظر آتا ہے وہ حصہ چھپا لیتے ہیں۔ یعنی یہ وہ مریض ہیں کہ ڈاکٹر ہمارا زخم نہ دیکھنے پائے۔ تو جو مریض ڈاکٹر سے اپنا زخم چھپائے گا وہ اپنا علاج کیسے کرپائے گا؟ ڈاکٹر کے سامنے تو زخم کھولنا پڑتا ہے، دکھانا پڑتا ہے تو اچھائیاں بتائیں یا

نہ بتائیں' کوتاہیاں ضرور بتادیں اور شیطان ایسا بدمعاش ہے کہ وہ ذہن میں ڈالتا ہے کہ برائی لوگوں کو کیوں بتائیں؟ میرے اور اللہ کے درمیان ہے۔ مسئلہ سن لیجیے:

شیخ پر عیوب واضح کرنے کی شرعی حیثیت:

کسی عام بندے کے سامنے ایسی بات کو ظاہر نہیں کرنا چاہیے لیکن جس نے علاج کرنا ہے جب تک اس کو نہیں بتائیں گے تو پھر علاج کیسے ہو سکے گا؟ اس کو بتانا، اطلاع دینا' اس عیب سے چھٹکارا پانے کا ذریعہ ہے۔ اس لیے شریعت نے اس کو منع نہیں کیا۔ حتیٰ کہ عورت بھی ہے اور اس کے جسم پر زخم ہے اور لیڈی ڈاکٹر نہیں تو ڈاکٹر کے سامنے بھی اس کو وہ زخم کھولنا پڑ جائے گا۔ تو شیطان اس وقت کہتا ہے کہ میں کیوں بتاؤں؟ بھئی اطلاع تو دینی پڑے گی۔

ہمارے مشائخ نے فرمایا: بالکل صدق دل کے ساتھ انسان اپنے من کی جو کیفیت محسوس کرتا ہے شیخ کے سامنے کھول دے۔ مشائخ کے سینے لوگوں کی امانتوں کے خزینے ہوتے ہیں۔ جو بات ان تک پہنچ جاتی ہے وہ دو حال سے خالی نہیں ہوتی۔ ایک تو وہ ان کی اصلاح کے لیے ان کا تعاون کرتے ہیں' ان کی مدد کرتے ہیں' ان کو سمجھاتے ہیں' طریقے بتاتے ہیں اور دوسرا یہ کہ راتوں کی تنہائیوں میں اس کی شفایابی کے لیے دعائیں مانگتے ہیں۔ تو اس لیے شیخ کی زیر نظر رہنے کا مقصد ہی یہی ہوتا ہے کہ ہمارے عیب وہ ہمیں بتا سکیں۔ اور اگر آج کوئی کسی کی بات شیخ کے سامنے نقل کر دے تو اسے کہتے ہیں تو تو چغل خور ہے، یہ بہت چغلیاں کھاتا ہے۔ یہ نہیں کہ میں نے کیوں کیا؟ مجھے نہیں کرنا چاہیے تھا۔ تلاش کرنے لگ جاتے ہیں کہ شیخ کو یہ بات کس نے بتائی؟ جس بندے نے یہ کوشش کی اس نے اپنی اصلاح کا راستہ بند کر لیا۔

یہ ضروری نہیں ہوتا کہ سب کے سب جال، ظلمانی ہوتے ہیں۔ کچھ جال ایسے بھی

ہوتے ہیں کہ وہ سالک کو نورانی نظر آتے ہیں۔ جی ہاں! شیطان ایسے بھی جال پھینکتا ہے ایسے جالوں سے بچنا بڑا مشکل ہوتا ہے۔

ایک سبق آموز واقعہ:

سید الطائفہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مرید تھا۔ وہ روز خواب میں جنت دیکھتا۔ اب جب کئی مرتبہ جنت دیکھی تو اس میں خود پسندی آ گئی۔ آج تو لوگ اپنے بڑے عقیدت مند ہوتے ہیں، ایک خواب دیکھتے ہیں اور ہمیشہ کے لیے اپنے عقیدت مند بن جاتے ہیں۔ اب اس نے لوگوں میں بھی کہنا شروع کر دیا کہ میں تو جنت کی سیر کرتا ہوں' جنت کے مکان دیکھتا ہوں، یہ بات شیخ تک بھی پہنچ گئی جب ان کے پاس وہ مرید صاحب ملنے کے لیے آئے تو انہوں نے ان کو سمجھایا کہ بھئی! یہ جو آپ دیکھتے ہو یہ شیطان کا جال ہے وہ تمہیں خود پسندی کے راستے سے گرانا چاہتا ہے' ایسی باتیں لوگوں میں مت کیا کرو۔

اس نے شیخ کی بات تو سن لی مگر جب محفل سے اٹھا تو کہنے لگا: میرے شیخ بھی میرے ساتھ جیلس (حاسد) ہو گئے ہیں۔ میرا مقام اتنا بڑھ گیا ہے، شیخ کو اچھا نہیں لگتا۔ خیر! جب واپس آیا تو اگلی رات پھر اسی طرح خواب آیا مگر شیخ کی دعائیں اور توجہ تھی دورانِ خواب جب وہ بندہ جنت دیکھ رہا تھا اس کو خیال آیا کہ میرے شیخ نے کہا تھا کہ آئندہ خواب دیکھنا تو ذرا ''لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ'' بھی پڑھ لینا۔

لاحول پڑھنے سے کیا ہوتا ہے؟ شیطان بھاگ جاتا ہے۔ ایک دوست آئے کہنے لگے: میں آیا تو آپ نماز پڑھ رہے تھے پھر میں واپس چلا گیا۔ ہم نے کہا: نماز پڑھ رہے تھے۔ لاحول تو نہیں پڑھ رہے تھے۔

اب کیا ہوا؟ جیسے ہی اس نے خواب میں لاحول پڑھا' کیا دیکھتا ہے؟ تمام مناظر اسی وقت ختم ہو گئے، چند ہڈیاں پڑی نظر آئیں' نجاست پڑی نظر آئی' آنکھ کھل گئی۔ وہ بڑا

حیران ہوا۔ میں تو جنت کے مناظر دیکھ رہا تھا یک دم یہ کیا ہوا؟ اب اپنے شیخ کی خدمت میں پھر حاضر ہوا اور عرض کیا:

حضرت! آپ نے کہا تھا لاحول پڑھنا۔ لاحول پڑھا تو یہ معاملہ ہوا اب آگے سمجھائیں۔ انہوں نے بات سمجھائی کہ شیطان خواب میں تمہارے سامنے کسی خوبصورت باغ کو پیش کرتا تھا اور تمہارے دل میں یہ ڈال رہا تھا کہ تم جنت دیکھ رہے ہو۔ تم جنت نہیں دیکھ رہے تھے، تم تو کوئی اچھا سا منظر دیکھ رہے تھے اور وہ تمہارے اندر خود پسندی پیدا کرنا چاہتا تھا۔

"وَاِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِہٖ"

یہ مہلکات میں سے ہے۔ انسان کو یہ برباد کر کے رکھ دیتا ہے۔

اب جنت کا منظر دکھایا اس کو پہچاننا یہ کیسا جال ہے؟ ہر بندہ تو نہیں سمجھ سکتا۔ تو اس لیے شیطان کے جال عجیب طرح کے ہوتے ہیں۔ بس اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی ہے۔ اس لیے پہلا اصول یہ ہے کہ اپنے اچھے حالات کھولیں یا نہ کھولیں، لیکن جو کوتاہیاں ہیں وہ ضرور بتادیں، کہ یہ یہ بیماریاں ہیں، میں علاج چاہتا ہوں، اول تو شیخ سمجھا دیں گے کہ ان سے بچنا کیسے ہے؟ نہیں تو دعائیں دیں گے اور ان دعاؤں کے صدقے اللہ تعالیٰ بیماری سے بچنا آسان فرمادیں گے۔

بے استاد بے بنیاد:

آدمی اپنا علاج خود نہیں کر سکتا۔ استاد کی ضرورت ہوتی ہے۔

ہر آں کار کہ بے استاد باشد
یقین دانی کہ بے بنیاد باشد

ہر بندہ جو بے استاد ہوتا ہے۔ یقین جانو کہ وہ بے بنیاد ہوا کرتا ہے۔ اپنا علاج خود

کرے گا تو یہ دھوکا کھا جائے گا۔شیطان اسے بڑی آسانی سے گرا دے گا۔

ایک آدمی کا بچہ بیمار ہو گیا، اس کا پیٹ خراب ہو گیا، موشن لگ گئے۔اس کی بیوی نے کہا کہ ڈاکٹر کو بلائیں! اس کا علاج کروائیں۔وہ کوئی ضدی قسم کا تھا' کہنے لگا: اس کے لیے ڈاکٹر کو بلانے کی کیا ضرورت ہے؟ میں خود ہی دوائی لے آتا ہوں۔اب اس نے ذہن میں سوچا کہ میرے بیٹے کو اس وقت ڈائریا ہو گیا ہے' اس کا پیٹ چل پڑا۔ پانی کی طرح پاخانے آرہے ہیں تو اگر میں اس کو کوئی دوائی دے دوں جو قبض کرنے والی ہو تو اس کی بیماری دور ہو جائے گی۔

چنانچہ وہ جا کر میڈیکل سٹور والے سے کہنے لگا کہ قبض کی دوائی دے دیں۔اس نے دوائی دے دی۔اس نے آ کے بچے کو استعمال کروائی تو بیماری پہلے سے زیادہ ہو گئی۔ دوسرے اور تیسرے دن تو بچہ بالکل مرنے کے قریب ہو گیا۔اب اس اللہ کی بندی بیوی نے خود جا کے محلے کے ڈاکٹر کو دکھایا، اس نے وہ دوائی بند کروائی اور اس کا علاج کیا۔خیر بچہ تو بچ گیا لیکن ڈاکٹر نے کہا یہ جو دوائی بچے کو دے رہی ہو یہ دی کس نے ہے؟ کہتی ہے اس کا باپ لایا تھا۔اس نے بلا کے پوچھا: جناب آپ نے یہ دوائی کیسے دے دی؟ کہنے لگا جی! اس کا پیٹ نرم تھا تو میں نے سوچا کہ قبض کی دوائی دے دیں تو پیٹ ٹھیک ہو جائے گا۔ اس نے کہا: عقل کے اندھے، ہماری اپنی اصطلاحات ہیں، اس فن کو ہم جانتے ہیں۔ جب ہمیں کوئی بندہ آ کے کہتا ہے کہ قبض کی دوائی دو تو ہم یہ سمجھتے ہیں کہ بندے کو قبض ہے اس کو کھولنے کی دوائی دو۔ایک تو پہلے پیٹ نرم تھا پھر قبض کھولنے کی دوائی دے دی، تو بچے نے مرنا نہیں تھا تو کیا کرنا تھا۔اپنا علاج کرے گا تو پھر ایسا ہی ہو گا۔اس لیے ہمیشہ معالج کی ضرورت ہے اس معالج کا نام' اس طبیب روحانی کا نام مرشد اور شیخ ہوتا ہے۔

(۲) صلحا سے دوستی

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ نیک اور دیندار لوگوں کے ساتھ دوستی رکھنا۔ جو دوست دیندار ہوگا وہ تصحیح کرتا رہے گا، بتاتا رہے گا: آپ یہ نہ کرو، یہ کرو، ایسا نہ کرو، ایسا کرو۔ خود ارادے سے نیک لوگوں کو اپنا دوست بنائے تاکہ نیک لوگوں میں بندھا رہے اور سوچے کہ اگر میں ادھر ادھر ہلنا چاہوں تو یہ دوست مجھے ہلنے نہ دے۔ اس لیے اگر کوئی دوست ٹوک دے کہ ایسے نہیں ایسے کرنا ہے تو اس کے ساتھ جھگڑا نہیں کرنا چاہیے بلکہ اس کو اپنا محسن سمجھنا چاہیے۔

عیوب کے تحفے پر بخشش کی دعا:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص میرے پاس میرے عیوب کا تحفہ لائے گا میں اس شخص کے لیے مغفرت کی دعا کروں گا۔ ہمارے مشائخ ایسی بات سے خوش ہوتے تھے۔

اچھے دوست کی پہچان:

نبی علیہ السلام سے پوچھا گیا: اچھا دوست کون ہے؟ اس کی جو نشانیاں بتائیں ان میں سے ایک یہ بھی فرمایا کہ جب تو نیک کام کرے تو وہ تیرا تعاون کرے اور جب تو برائی کا مرتکب ہو تو تجھے روک دے۔ یہ اچھے دوست کی علامت ہوتی ہے۔

تَعَاوُنْ عَلَى الْبِرّ کی درخشندہ مثال:

صحابہ رضی اللہ عنہم جب بھی ایک دوسرے کو کوئی ایسی بات کرتے دیکھتے تو فوراً بتا دیتے اور وہ اس کو برا بھی نہیں سمجھتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خطبہ دینے کے لیے منبر پر کھڑے ہیں، ایک اعرابی کھڑا ہوا۔ لوگوں میں کہنے لگا: بیت المال سے سب کو ایک چادر ملی ہے، آپ نے خود دو چادریں کیوں لیں؟ جب تک وضاحت نہیں کریں گے تب تک ہم نہ آپ کی بات سنیں گے نہ مانیں گے۔ اب اس بات پہ امیر المومنین نے کوئی سزا دلوا دی تھی؟ نہیں

آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: عبداللہ اٹھ کر اس کا جواب دو! وہ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے: بیت المال سے سب کو ایک ایک چادر ہی ملی ہے۔ ایک چادر میرے ابو کو ملی تھی اور ایک مجھے میں نے اپنی چادر اپنے والد گرامی کو تحفہ ہدیہ کے طور پر دے دی تھی اس لیے ان کے پاس دو چادریں موجود ہیں۔ بات کی وضاحت ہوگئی۔ کیونکہ ان کا اخلاق اچھا ہوتا تھا' پوچھنے والے پوچھ لیتے تھے اور بتانے والے بھی بتا دیتے تھے' گھبراتے نہیں تھے۔ دنوں میں منافقت نہیں تھی۔ دین دار لوگوں سے ہمیں دوستی خود کرنی چاہیے اور اگر وہ دیندار لوگ گائیڈ کرتے رہیں تو اپنی اصلاح اسی طرح کرتے رہنا چاہیے۔

اس لیے کہا:

"اَلْمَرْءُ عَلٰی دِیْنِ خَلِیْلِہٖ فَلْیَنْظُرْ اَحَدُکُمْ مَنْ یُّخَالِلُ"

"آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے تم میں سے ہر کوئی دیکھے کہ وہ کس کے ساتھ دوستی کر رہا ہے، کس کو خلیل بنا رہا ہے۔"

وہ درویش ایسے تھے:

ایک بادشاہ تھا۔ اس کے پاس بہت سے علما ملنے کے لیے جاتے تھے۔ وہ نیک اور دین دار تھا۔ وہ سب کو بڑے دھیان سے اپنے پاس بیٹھاتا اور خاطر تواضع کرتا۔ ایک آدمی ایسا تھا کہ جب وہ اس کے پاس آتا تو بادشاہ خود ہی بادشاہی کے تخت سے اترتا اور اس کو اپنی جگہ پر بٹھا دیتا اور خود سامنے شاگرد بن کر بیٹھ جاتا' اب یہ درویش بندہ ہوتا تھا پھٹے ہوئے سے کپڑے ہوتے تھے' تو باقی پڑے بڑے قاضی اور بڑے بڑے عالم بڑے حیران ہوتے تھے کہ ہم درجے میں تو اتنے اونچے ہیں اور بادشاہ سلامت اس فقیر سے بندے کو تخت پہ بٹھا دیتے ہیں' خود شاگرد بن کر سامنے بیٹھ جاتے ہیں تو ایک یا دو جو بڑے قاضی

تھے انہوں نے پوچھ ہی لیا: بادشاہ سلامت! آخر کیا وجہ ہے؟ اس نے کہا: وجہ یہ ہے کہ آپ لوگ میرے پاس آتے ہیں میں آپ لوگوں کو نائب نصوص سمجھتے ہوئے آپ کا اکرام کرتا ہوں اور آپ میری برائیوں کو دیکھتے بھی ہیں، جانتے سمجھتے بھی ہیں مگر مجھے کچھ نہیں بتاتے اور واپس چلے جاتے ہیں بلکہ خوش ہو کے چلے جاتے ہیں۔ لیکن یہ ایسا بندہ ہے کہ جب میرے پاس آتا ہے تو میری برائیاں کھول کھول کر میرے منہ پر بتاتا ہے، مجھے اصلاح کا موقع مل جاتا ہے، میں اسے استاد سمجھتا ہوں اس لیے اسے تخت پر بٹھاتا ہوں اور خود شاگرد بن کے بیٹھ جاتا ہوں۔

پہلے وقتوں کے درویش ایسے ہی تھے۔ وہ وقت کے بادشاہوں کی کلاس لیتے تھے۔ بالکل ڈرتے جھجکتے نہیں تھے۔

بادشاہِ وقت کی سرزنش:

ہارون الرشید ایک بزرگ کو ملنے آئے تو انہوں نے کہا کہ بھئی! میں نہیں اجازت دیتا برمکی نے کہا: وہ ضعیف ہیں اور وہ ملنے آئے ہیں، آپ اب ان کو ملنے کا ٹائم تو دیں۔ اس نے کہا: میں نہیں دیتا، اپنے کام میں مصروف ہوں اس نے کہا: اچھا! وہ آگئے ہیں۔ انہوں نے پھونک مار کے چراغ بجھا دیا تو وزیر صاحب پوچھتے ہیں کہ بادشاہ کے آنے پر چراغ کیوں بجھا دیا؟ کہنے لگے کہ میں اس ظالم آدمی کا چہرہ ہی نہیں دیکھنا چاہتا۔ منہ پر کہا کہ میں ایک ظالم آدمی کا چہرہ ہی نہیں دیکھنا چاہتا۔ اس اندھیرے میں ان کو اس بادشاہ نے سلام کیا۔ زبردستی جب سلام کیا تو بزرگ نے ہاتھ میں ہاتھ دے کر کہا یہ ہاتھ کتنے نرم ہیں؟ اگر یہ جہنم کے عذاب سے بچ جائیں۔ بات بات پہ سمجھاتے تھے۔ اس نے کہا: مجھے نصیحت کریں۔

فرمانے لگے: پہلے فلاں تھا، فلاں تھا، پھر تیرا باپ تھا، اب تو ہے جس طرح تیرا باپ

نہ رہا تو نے بھی نہیں رہنا آخرت کی تیاری کر لے۔ پہلے وقت کے قاضی بھی ایسے ہوا کرتے تھے۔ بادشاہ بھی ان کے سامنے ڈرتے تھے۔ آج تو بادشاہ کی منت کر کے قضا کا عہدہ لیتے ہیں اور مشائخ، وقت کے بادشاہوں کو خوش کرنے میں لگے ہوتے ہیں۔ کانفرسیں بنائی جاتی ہیں جن میں سب مشائخ ہوتے ہیں اور وقت کا بادشاہ شیخ المشائخ ہوتا ہے تو وہ حضرات اس معاملے میں کھرے تھے۔ صاف بات بتا دیتے تھے اور اسی میں بھلائی ہے۔

گورنر ہو تو ایسا:

اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے گورنروں کی رپورٹ رکھا کرتے تھے۔ لوگوں سے پوچھتے تھے کہ میں نے جو اس بندے کو متعین کیا بتاؤ اس کی کارکردگی کیسی ہے؟ مشہور واقعہ ہے کہ سعد بن سعید عامر رضی اللہ عنہ کے بارے میں لوگوں نے کہا کہ ہمیں ان سے تین گلے شکوے ہیں۔

۱۔ جمعہ کے دن چھٹی کرتے ہیں۔

۲۔ دن کے وقت تو کام کرتے ہیں اور عشا پڑھتے ہی دروازے بند کر لیتے ہیں۔

۳۔ صبح دفتر میں ذرا لیٹ آتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو بلا لیا اور پوچھا: کیا وجہ ہے؟ انہوں نے کہا: امیر المومنین! وجہ یہ ہے کہ میرے گھر میں کوئی خادم (نوکر) نہیں ہے۔ اب اگر بیوی گھر کے کام کرے تو بچوں کو سنبھالنے والا کوئی ہونا چاہیے۔ تو میں صبح کے وقت بچوں کو سنبھال لیتا ہوں اور بیوی گھر کے کام کر لیتی ہے، اس لیے مجھے آنے میں ذرا لیٹ ہو جاتی ہے۔ باقی میں سارا دن اللہ کی مخلوق کی خدمت کرتا ہوں اور میں نے ساری رات اپنے پروردگار کی عبادت کے لیے مخصوص کر لی ہے اور تیسرا یہ کہ میرے پاس ایک ہی جوڑا ہے دوسرا کوئی ہے نہیں، میں

اسے ایک ہفتہ پہنتا ہوں' جب جمعہ کا دن آتا ہے تو میں تہبند باندھ لیتا ہوں اور اپنے کپڑوں کو دھو لیتا ہوں پھر ان کو خشک کر لیتا ہوں' دھونے اور خشک کرنے میں میرا دن لگ جاتا ہے اس لیے ہفتے میں ایک دن جمعہ کی میں چھٹی کر لیا کرتا ہوں۔

عمر رضی اللہ عنہ نے سنا تو فرمایا: الحمدللہ! عمر نے جس کو گورنری کے لیے تجویز کیا اللہ کی رحمت سے وہ اس کے لیے بہت مناسب آدمی ہے۔

ہر وقت تو شیخ کامل کی صحبت نہیں ہوتی، وہ تو تھوڑا وقت مل سکتی ہے۔ تو پھر بقیہ وقت کیا ہو؟ اپنے اردگرد ڈھونڈ کے، چن چن کے متقی پرہیز گار لوگوں کو اپنا دوست بنایئے' ان سے ملنا ملانا رکھیے، تاکہ وہ بندے کو نیکی کے اوپر چلنے میں اس کی معونت کرتے رہیں۔

(۳) حاسدین سے اپنی اوقات معلوم کرنا

تیسرا طریقہ یہ ہے کہ انسان اپنی اوقات اپنے دشمنوں کی زبانی معلوم کرنے کی کوشش کرے، اپنی اوقات اپنے حاسدین سے معلوم کرے۔ آج ہمارے اندر یہ چیز نہیں ہے۔ ہم تو حاسد کی بات سننا بھی گوارا نہیں کرتے۔ اس کی ہر بات کو جھوٹ کہہ دیتے ہیں۔ ہمارے مشائخ ایسا نہیں کرتے تھے۔ دشمن کی بات بھی اس نیت سے سنتے تھے کہ اگر واقعی اس میں کوئی اصلاح والی بات ہے تو میں اپنی اصلاح کرلوں گا۔

زہر بھری باتیں یا مٹھائی کی ڈلیاں؟

ایک مرتبہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک کتاب آئی جو ان کے کسی بڑے حاسد نے لکھی تھی۔ ان دنوں بینائی تو نہیں تھی، حضرت نے کسی شاگرد سے کہا: مجھے پڑھ کر سنا دو، اس نے کہا: حضرت! یہ کتاب آپ کے حاسد (مخالف) نے لکھی ہے اور پتہ نہیں کیا کیا مغلظات آپ کے بارے میں لکھیں ہونگی، فرمایا: ہاں میں چاہتا ہوں کہ

پڑھ کر سناؤ، ممکن ہے کوئی بات اس نے ایسی کہی ہو جو واقعی میرے اندر غلطی ہو تو اس کو سن کر اپنی اصلاح کرلوں گا اور آج تو مخالف کی بات سننا برداشت نہیں کرتے۔ چاہے ان پڑھ ہو اور چاہے پڑھا لکھا ہو، عالم ہو یا مفتی ہو، اختلاف رائے رکھنے والے کی بات برداشت نہیں ہوتی۔ کہتے ہیں نہیں جی! یہ میرا مخالف ہے۔ اس کی سچی بات بھی ان کو جھوٹ نظر آتی ہے۔ اس لیے پھر اصلاح کا راستہ بند ہے۔

یاد رکھنا! جس بندے کو اس کے عیب بتانے والا کوئی نہ ہو وہ بندہ دنیا میں بہت ہی زیادہ خطرے میں ہوتا ہے۔ پتہ نہیں شیطان کب اسے گرا دے؟ ہمارے مشائخ دشمنوں سے ایسی باتیں سنتے تھے اور ان کو میٹھی چیزیں سمجھ کے کھا لیا کرتے تھے۔

تو نے مجھے صحیح پہچانا:

حضرت خواجہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کہیں جارہے تھے۔ ایک عورت نے دیکھ کر کہا او ریاکار! فرمانے لگے اللہ تیرا بھلا کرے، بیس سال میں بس تو ہی ہے جس نے مجھے صحیح پہچانا ہے۔ اب کوئی ہمارے جیسا ہوتا تو لاٹھی لے کر کھڑا ہو جاتا۔ تو دشمنوں کی زبانی بھی انسان کو اپنی اصلاح کی باتیں مل سکتی ہیں۔ لہٰذا سالک کے اندر یہ صفت ہونی چاہیے کہ دوسرے کی بات کو سنے۔ آج تو سنتے ہی نہیں، وہ بھی بول رہا ہے یہ بھی بول رہا ہے، یہ اس کی نہیں سن رہا وہ اس کی نہیں سن رہا۔ دونوں بولتے چلے جارہے ہیں، سننے پہ کوئی آمادہ ہی نہیں۔

تو بھئی! اگر مخالف، دشمن یا حاسد بھی ہو تو ممکن ہے اس نے بات کا بتنگڑ بنایا ہو یا پر کا پرندہ بنایا ہو لیکن اس کا پرتو ہوگا کہ جس کا پرندہ بنا۔ تو ہمارے اسلاف اسی نیت سے حاسدین کی باتوں کو بھی سن کر جو اصلاح کا پہلو نکلتا تھا اپنے عیبوں کی اصلاح کر لیا کرتے تھے۔ اس لیے ان کو حاسد یا مخالف جتنی مرضی بری بات کہہ دے ان کو غصہ نہیں آتا۔ کیوں غصہ نہیں آتا؟ غلط ہے تو اسکا افسوس کوئی نہیں اور اگر ٹھیک ہے اور اس کا پتہ چل گیا تو جب

اس کوٹھیک نہیں کریں گے تو اپنا نقصان ہے۔

ایک بزرگ کا واقعہ:

ایک بزرگ تھے۔ وہ اپنے گاؤں جا رہے تھے‘ وہاں ان کے بہت زیادہ مریدین بھی رہتے تھے۔ ایک آدمی راستے میں مل گیا اور اس نے ان کو عجیب وغریب باتیں سنانی شروع کر دیں۔ وہ سنتے بھی رہے چلتے بھی رہے۔ جب وہ بستی کے قریب گئے تو سننے کے لیے وہیں کھڑے ہو گئے۔ اب وہ سنانے والا بھی پریشان ہو گیا کہ پہلے تو چلو سن رہے تھے اور چل رہے تھے اب کھڑے ہو گئے ہیں کہ چلو سنالو جو سناتے ہو تو وہ حیران ہو کے پوچھتا ہے کہ آپ کھڑے کیوں ہو گئے؟ کہنے لگے: کھڑا اس لیے ہو گیا کہ آگے بستی ہے‘ اس میں میرے بہت متعلقین رہتے ہیں‘ وہاں تمہاری آواز پہنچ گئی تو وہ تمہیں گھیر لیں گے۔ میں کھڑا اس لیے ہو گیا کہ تم نے جو کہنا ہے کہہ لو میں سن لوں گا۔

اتنا ظرف ہوتا تھا: آج تو ظرف بالکل نہیں الا ماشاء اللہ۔ ذرا سی کوئی بات کہہ دے بس اسی وقت جنگ شروع ہو جائے گی۔

لوگ حسد کیوں کرتے ہیں؟

ایسا کیوں ہوتا ہے کہ لوگ ان سے حسد کرتے ہیں؟ یہ بندے کی اپنی دعائیں ہوتی ہیں۔ وہ کیسے؟ وہ اس طرح کہ اس نے دعا مانگی ہوتی ہے:

﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ﴾ (۵: الفاتحہ)

”اللہ ہماری سیدھے راستے کی طرف راہنمائی فرمادیجیے“

اب چونکہ دعا مانگی تھی‘ قبول ہو گئی اللہ تعالیٰ اس کے حاسد پیدا کر دیتے ہیں، تھانے دار متعین کر دیتے ہیں وہ اس کو بگڑنے ہی نہیں دیتے۔ سیدھا رکھتے ہیں۔ ذرا سا کچھ کرتا ہے تو وہ اس کو اتنا بڑا بنا دیتے ہیں کہ فوراً وہ سیدھا ہو جاتا ہے۔ پھر وہ کچھ ادھر ادھر

-انے لگتا ہے اور وہ حاسد اس کا اتنا بڑا معاملہ بنا دیتے ہیں تو سیدھا ہو جاتا ہے۔ وہ غصے ہم پہ ہو رہا ہوتا ہے اور حالانکہ اس کی اپنی دعاؤں کی قبولیت کے آثار اس پر ظاہر ہو رہے ہوتے ہیں۔ اس لیے ہر حاسد کو ایسا نہیں سمجھنا چاہیے کہ یہ ہمارا برا چاہ رہا ہے۔ ممکن ہے ہماری دعا کا نتیجہ اللہ رب العزت نے یہ نکالا ہو اور ہمیں سیدھا رکھنے کے لیے اللہ نے تھانے دار متعین کر دیا ہو۔ انہوں نے ایسی دوربینیں فٹ کی ہوتی ہیں کہ ڈر کے مارے لوگ برے کام نہیں کرتے۔ کتنی برائیوں سے انسان رک جاتا ہے کہ لوگ کیا کہیں گے؟ ان کو پتہ چل گیا تو کیا کہیں گے؟ تو دشمنوں کی زبانی بھی انسان کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ یہ بات سمجھ آ گئی۔

(۴) دوسروں سے عبرت پکڑنا

اپنے عیوب پہچاننے کا چوتھا طریقہ ''دوسروں سے عبرت پکڑنا'' ہے یعنی اگر ایک بندہ غلطی کر بیٹھا اور اس نے نقصان اٹھایا تو عقلمند وہ ہے جو اس غلطی سے باز آ جائے۔

''اَلسَّعِيْدُ مَنْ وَعَظَ لِغَيْرِهٖ''

سعید وہی ہوتا ہے جو دوسروں کی غلطیوں سے عبرت پکڑ لیتا ہے۔

حضرت لقمان علیہ السلام کی دانائی کی وجہ:

حضرت لقمان علیہ السلام سے کسی نے پوچھا کہ آپ علیہ السلام اتنے دانا کیسے بنے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے ہمیشہ دوسروں کی غلطیوں سے عبرت پکڑی تو اللہ رب العزت نے مجھے حکمت و دانائی عطا فرما دی۔ اور ہمارے سامنے اس قسم کے کتنے واقعات ہوتے رہتے ہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ فلاں نے یہ غلطی کی یہ نتیجہ نکلا، فلاں نے غلطی کی یہ نتیجہ نکلا اور پھر وہی کام ہم بھی کر رہے ہوتے ہیں۔

چور کا ہاتھ اعلانیہ کاٹنے میں حکمت:

اب چور کے ہاتھ کاٹتے ہیں، مجمع بلاؤ، بھئی وہ تنہائی میں بھی تو کٹ سکتے تھے، اس کا مقصد کیا؟ کہ جس نے غلطی کرنی تھی اس نے تو کر لی، اب جو نہیں کر سکے ان کو بھی عبرت ہو کہ ہم نے اس غلطی کے قریب بھی نہیں جانا۔ تو شریعت نے کہا کہ دوسرے عبرت پکڑیں۔

اس لیے کہتے ہیں کہ عقل مند دوسروں کی غلطیوں سے عبرت پکڑتا ہے اور بے وقوف اپنی غلطیوں سے بھی عبرت نہیں پکڑتا۔ ایک مرتبہ ایک غلطی کر کے پھر دوبارہ وہی غلطی کر رہا ہوتا ہے۔ تو جب انسان دوسروں کی غلطیوں سے عبرت پکڑے گا تو اپنے آپ کو اس ترازو کے اندر تولتا رہے گا۔ اس کو کہتے ہیں اپنا محاسبہ کرنا۔

دوسروں کی غلطیوں سے وہی عبرت پکڑ سکتا ہے جو اپنا محاسبہ کرتا ہے اپنے آپ پہ نظر رکھنا۔ اپنے آپ کی ناپ تول کرتے رہنا۔ میں کیا ہوں؟ میں کر کیا رہا ہوں؟ جب انسان اپنا محاسبہ کرتا ہے تو پھر اس کے اوپر اس کے عیب کھلنا شروع ہو جاتے ہیں۔

انسانِ کامل کی نشانی:

حضرت برہان الدین غریب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مرید عالم تھا۔ وہ حاضر ہوا اور کہنے لگا: حضرت! عجیب بات ہے، میں جتنا اپنے عیب دور کرتا ہوں اس سے زیادہ عیب مجھے اپنے اندر محسوس ہوتے ہیں۔ تو حضرت نے جواب دیا: مولانا! انسان کامل کی یہی نشانی ہوا کرتی ہے۔ وہ جتنے اپنے عیب دور کرتا ہے اس سے زیادہ عیب اس کو اپنے اندر نظر آ رہے ہوتے ہیں۔

ہر ایک کو اپنے سے بہتر سمجھنا:

اس لیے مومن کو ہر بندہ اچھا لگتا ہے وہ ہر ایک کو اپنے سے بہتر سمجھتا ہے مثال کے

طور پر:

☆......عمر میں بڑا ہو تو یہ سوچتا ہے کہ چونکہ یہ عمر میں مجھ سے بڑا ہے اس نے نیکیاں مجھ سے زیادہ کی ہونگی اس لیے یہ مجھ سے زیادہ بہتر ہے اور اگر چھوٹا ہو تو اس کے بارے میں سوچتا ہے اس کی تو عمر ہی تھوڑی ہے اس نے تو گناہ یقیناً مجھ سے تھوڑے کیے ہونگے۔ اس لیے اس کو بہتر سمجھتا ہے۔ تو بڑی عمر والے کے ساتھ کیا سوچا؟ کہ اس کی عمر زیادہ ہے تو اس نے نیکیاں بھی زیادہ کی ہونگی۔ بڑے رمضان اس نے کمائے ہونگے۔ بڑی لیلۃ القدر میں عبادتیں کی ہونگی۔ یہ تو مجھ سے بہت بہتر ہے اور اگر عمر میں چھو [illegible] چتے ہیں! کہ اس کی تو عمر ہی چھوٹی ہے اس نے تھوڑے ہی گناہ کیے ہونگے۔

☆......عالم کو بھی اپنے سے افضل سمجھتا ہے اور فاسق کو بھی اپنے سے بہتر سمجھتا ہے۔ عالم کو سمجھنا تو سمجھ میں آتا ہے کہ عالم جو ہوا' فاسق کو کیوں اپنے سے بہتر سمجھتا ہے؟ عجیب سی بات ہے کہ ایک بندہ گناہوں میں پڑا ہوا ہے' اس کو بھی اپنے سے بہتر سمجھے۔ ہمارے مشائخ نے فرمایا: اس لیے بہتر سمجھتا ہے کہ اگر یہ بندہ (جو اس وقت فاسق ہے) سچی توبہ کرے گا تو اس کے سارے گناہ اس کی نیکیوں میں تبدیل کر دیے جائیں گے تو یہ مجھ سے زیادہ بہتر ہو جائے گا اور ہماری نظر میں تو گناہ ہوتے ہیں' ممکن ہے اس کی کوئی نیکی ایسی ہو جس کا ہمیں پتہ ہی نہ ہو اور اس کی وہ نیکی اس کے سارے گناہوں کو نیکیاں بنا دے۔ بسا اوقات ایک نیکی بھی ایسی ہوتی ہے۔ جیسے بخاری شریف کی ایک روایت ہے کہ کسی بدکار عورت نے پیاسے کتے کو پانی پلایا اور اس کے پانی پلانے پر اللہ نے اس کی بدکاریوں کو دور فرما دیا۔ ہماری نظر میں وہ فاسق ہے لیکن اس کی نیکیاں ہم سے چھپی ہوئی ہیں، کیا پتہ اس نے کوئی ایسی نیکی کی ہو جو پروردگار کو اتنی اچھی لگے کہ اس کی وجہ سے اس کے تمام گناہوں کو معاف فرما دے۔ اس لیے عالم کو بھی اپنے سے اعلیٰ سمجھیں اور فاسق کو بھی اپنے

سے اچھا سمجھیں۔

☆...... مسلمان کو بھی اپنے سے اچھا سمجھیں اور کافر کو بھی اپنے سے اچھا سمجھیں' اب یہ ہضم کرنا ذرا مشکل ہے' وہ کیوں؟ وہ اس لیے کہ وہ تو چلو مومن ہے اس کی کوئی چھپی ہوئی نیکی ہو جس کا ہمیں پتہ نہیں تو اس کا درجہ ہم سے بڑھ جائے گا۔ ہم مان لیتے ہیں' لیکن کافر تو کافر ہے۔ اس کو کیسے اچھا سمجھیں؟ ہمارے مشائخ نے اس مسئلے کو بڑا صاف کیا۔ وہ فرماتے ہیں: سالک مومن کو اپنے سے حالاً اچھا سمجھے اور کافر کو اپنے سے احتمالاً اچھا سمجھے کہ مومن تو ہے ہی مجھ سے اچھا ہر حال میں۔ اور رہ گئی بات کافر کی' تو احتمال تو موجود ہے کہ موت سے پہلے اگر یہ بھی کلمہ پڑھ لے تو یہ بھی مجھ سے بڑھ جائے گا۔ تو مسلمان کو حالاً اچھا سمجھے اور کافر کو احتمالاً اچھا سمجھے۔

☆...... حتی کہ خسیس کتے کو بھی اپنے سے بہتر سمجھے۔ اب یہ بات ہضم کرنی ذرا اور مشکل ہے۔

شیطان دل میں ڈالے گا او جی! ہم اشرف المخلوقات ہیں' ہم افضل ہیں، کتا تو جانور ہے اور نجس ہے۔

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ﴾ (۴:التین)

یہ آیتیں یاد آئیں گی۔

مثنوی شریف میں پُر حکمت باتوں کی وجہ:

کسی نے حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا آپ کو یہ دانائی کیسے ملی؟ یہ جو اتنی معرفت کی باتیں آپ نے مثنوی شریف میں لکھ دیں یہ حکمت آپ کو ملی کیسے؟ تو مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ مجھے ایک کتا ملا، جو خارش زدہ تھا۔ میں نے اس کی خدمت کی، علاج کیا' روٹی کھلائی' خبر گیری کی' اس کے ساتھ جو میں نے بھلائی کی اس بھلائی کی

وجہ سے اللہ نے مجھے معرفت عطا فرمادی۔ وہ حیران ہو گیا۔ اس نے کہا: مجھے اس کی اور تفصیل بتائیں۔

جنس کے مطابق معاملہ:

فرمانے لگے: میں نے کتے کے ساتھ بھلائی کی میرا یہ عمل اللہ کو پسند آیا اور اس نے معرفت ملنے کا سبب بھی کتے ہی کو بنا دیا۔ انہوں نے کہا وہ کیسے؟ کہنے لگے کہ میں آ رہا تھا، دونوں طرف کھیت تھے، پانی ان کو لگا ہوا تھا، چھوٹا سا درمیان میں راستہ تھا، میں اس کے اوپر چل کے آ رہا تھا تو میں نے اپنے آگے کتا دیکھا۔ جب میں آگے آیا تو میں نے چاہا کہ کتا نیچے اترے اور وہ مجھے راستہ دے دے۔ لیکن کتا کھڑا رہا کہ میں نیچے اتروں اسے راستہ دوں تو میری اس کے ساتھ ہم کلامی ہوئی۔ میں نے اسے کہا کہ دیکھ تو مکلف نہیں ہے۔ پاکی پلیدی تو تیرے حق میں کچھ بھی نہیں۔ میرے لیے تو پاک اور ناپاک ہونا حیثیت رکھتا ہے تو تو نیچے اتر جا اور میں آگے چلا جاؤں گا اس نے کہا: نہیں جی آپ نیچے اتریے۔

انہوں نے کہا: اگر میں نیچے اتر گیا اور مجھے نجاست لگ گئی تو آپ کا کچھ نہیں بگڑنا مجھے نپٹنے دو اور سیدھا جانے دو۔ جب میں نے یہ بات کی تو کتے نے جواب دیا کہ بات یہ نہیں ہے۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ اگر میں نیچے اتر گیا تو آپ خود کو مجھ سے افضل سمجھیں گے جس کی وجہ سے آپ کے من میں ایسی نجاست لگے گی جو کبھی بھی نہیں دھلنی۔ مجھے راستہ دے کر آپ نیچے اتریں گے تو وہ نجاست لگے گی جو دھل جائے گی۔

فرمانے لگے: کتے کی اس بات نے میری حقیقت مجھ پر کھول دی۔ میں نے اس کو راستہ دیا اور اللہ نے اس کے صدقے مجھ پر معرفت کا سمندر کھول دیا۔ اور فرماتے تھے: چونکہ میں نے کتے سے بھلا کیا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی جنس سے کتے کو معرفت

کے حاصل ہونے کا سبب بنا دیا اور یہ اللہ تعالیٰ کا دستور ہے کہ جیسا معاملہ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اسی کی جنس سے اس کے ساتھ معاملہ فرماتے ہیں۔

اس کی مثال قرآن مجید سے سمجھ لیجیے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ اپنے بیٹے کو جب دریا میں ڈال رہی ہیں تو کیوں غم زدہ ہیں؟

غم ملنے کا سب سے بڑا سبب کون بنا؟ پانی بنا۔ علمی نقطہ ہے، طلبا متوجہ ہوں۔ ظاہری سبب کیا بن رہا ہے؟ پانی بن رہا ہے۔ بیٹے کو پانی میں ڈال رہی ہیں۔ پانی میں ڈالنے کی وجہ سے غم ملا یہ دل کے غم ملنے کا سبب بن گیا مگر انہوں نے اللہ پر توکل رکھا اس کے اوپر انہوں نے صبر کر لیا اپنے آپ کو روکے رکھا اللہ کی رضا پر راضی رہیں چنانچہ جب امتحان میں پاس ہوئیں تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو خوشی عطا کی چنانچہ بنی اسرائیل کو نجات کیسے ملی؟ فرعون کہاں غرق ہوا؟ جو سبب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو غم پہنچانے کا بن رہا ہے جب ان کی آزمائش پوری ہو جاتی ہے اس سبب کو اللہ تعالیٰ ان کو خوشیاں عطا کرنے کا سبب بنا رہے ہیں۔ یہ اللہ رب العزت کی عادت مبارکہ ہے۔ وہی سبب بنتا ہے عزتیں ملنے کا۔ اسی طرح حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام کو نہیں بھیجنا چاہتے تھے۔ بھائی لے گئے۔

﴿وَجَاءُوا أَبَاهُمْ عِشَاءً يَبْكُونَ ○ إِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَأَكَلَهُ الذِّئْبُ﴾ (یوسف:۱۶-۱۷)

روتے ہوئے آ گئے جھوٹ موٹ کا رونا۔ اس کو بھیڑیا کھا گیا۔ اب وہ قمیص بھی لے کر آئے۔ جھوٹا موٹا خون لگا دیا تو حضرت یعقوب علیہ السلام کے دل کو بہت صدمہ پہنچا۔ ظاہری سبب کیا بنا؟ قمیص بنا۔ جب بیٹے کا قمیص دیکھا خون والا تو وہی ظاہری سبب بنا غم کے ملنے کا۔ اب جب بیٹا جدا ہو گیا تو اتنا روئے کہ آنکھوں کی بینائی ختم ہو گئی۔ پھر ایک

وقت آیا جب اللہ رب العزت نے ان کے امتحان کو مکمل کر دیا اور اب ان کو اللہ تعالیٰ نے بینائی کی نعمت واپس لوٹائی تو بتائیے پھر ان کو یہ بینائی کس سبب سے ملی؟ قمیص کے ساتھ ملی۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو ویسے ہی ان کو بینائی عطا فرما دیتے مگر نہیں۔

﴿اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ﴾

یہ عالم اسباب ہے، حضرت یوسف علیہ السلام کا قمیص جا رہا ہے۔

اب اللہ تعالیٰ کی شان دیکھیں کہ جب قریب کنویں میں تھے تو یوسف علیہ السلام کا پتہ نہ چلا اور جب قمیص ابھی میلوں دور تھی عرض کی:

﴿اِنِّیْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ﴾ (یوسف:۹۴)

''مجھے حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو آ رہی ہے''

اللہ جب چاہتا ہے پردے ڈال دیتا ہے جب چاہتا ہے پردے ہٹا دیتا ہے۔ یہ اختیار اس مالک کا ہے تو جس سبب سے حضرت یعقوب علیہ السلام کو غم مل رہا ہے اسی سبب سے اللہ تعالیٰ ایک وقت ان کو خوشیاں عطا فرما دیتے ہیں۔ لہٰذا ایک اصول سمجھ لیں۔

اگر ہم شریعت کے اوپر قائم رہے اور ہمیں اس کی وجہ سے وقتی پریشانی ملی تو ہماری استقامت پر ایک وقت اسی شریعت کو اللہ تعالیٰ ہمارے لیے خوشیوں کا سبب بنا دیں گے۔ تو اس لیے کتے کو بھی اپنے سے بہتر سمجھیں۔

مالک سے وفاداری:

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کتا اپنے مالک کا زیادہ وفادار ہوتا ہے بہ نسبت انسانوں کے۔ اس لیے کہ اگر کتے کو اس کا مالک جوتے مارے تو وہ تھوڑی دیر کے لیے تو چلا جاتا ہے، لیکن واپس پھر اپنے مالک کے دروازے پہ آتا ہے۔ جبکہ انسان کو کوئی ذرا سا دکھ اللہ کی طرف سے پہنچے تو انسان اللہ تعالیٰ کے گھر (مسجد) کا راستہ ہی بھول جاتا ہے، اپنے

اللہ کے شکوے کررہا ہوتا ہے اس لیے کتا اپنے مالک کا زیادہ وفادار ہے۔

ہمیں تو کھانے میں خشک روٹی ملے تب بھی شکوہ کرتے ہیں کہ تر کیوں نہیں ملی؟ اور کھانے کو تر روٹی مل جائے تو شکوہ کرتے ہیں بوٹی کیوں نہ ملی؟ کتے کا مالک اس کو کچھ بھی نہ ڈالے تو کتا پھر بھی صبر شکر کے ساتھ وقت گزار لیتا ہے۔

عارفانہ کلام:

اس لیے کسی عارف نے یہ بات کہی:

راتیں جاگیں تے شیخ سڈاویں
راتیں جاگن کتے، تیتھوں اوتے

تو راتوں کو جاگتا ہے اور اپنے آپ کو شیخ کہلواتا ہے رات کو تو کتے بھی جاگتے ہیں وہ تجھ سے اونچے ہوئے۔ ہم جاگتے بھی ہیں تو آخری آدھا گھنٹا' پونا گھنٹا' پندرہ منٹ اور کتا تو ساری رات جاگ کر اپنے مالک کے گھر کا پہرہ دیتا ہے۔

رکھا سکھا ٹکڑا کھا کے
دن جاروکھاں وچ ستے، تیتھوں اتے

روکھی سوکھی روٹی کھا کے درختوں کے تنوں کے قریب جا کر لیٹ جاتے ہیں ان کے لیے بستر کوئی نہیں ہوتا۔

ہم رات کو ڈیوٹی کر کے آئیں تو صبح فوم کے گدوں کے اوپر سوتے ہیں اور بیوی بچاری بچوں سے معافیاں مانگ رہی ہوتی ہے: خدا کے واسطے شور نہ کرو تمہارے ابو کی آنکھ کھل گئی تو میری کم بختی آجائے گی۔ گھر میں ہم نے کرفیو لگایا ہوتا ہی۔ میں رات کی ڈیوٹی کر کے آیا ہوں۔ اور کتا ساری رات جاگ کر پہرہ دیتا ہے اور اس کے لیے صبح کے وقت کوئی بستر نہیں ہے۔ سردی کا موسم ہے تو رضائی نہیں ہے اور گرمی کا موسم ہے تو اس کے

لیے کوئی تکیہ نہیں ہے۔

تو نا شکرا اتے پلنگاں
او شاکر روڑیاں اتے، تیتھوں اتے

تو پلنگوں پہ سوتا ہے ناشکریاں کرتا ہے اور وہ نجاست کے ڈھیر پہ جا کے سو جاتا ہے اور اپنے رب کا شکر ادا کر لیتا ہے۔

در مالک دا مول نہ چھوڑن
بھاویں مارے سو سو جتے، تیتھوں اتے
اٹھ بلھیا تو یار منا لے
نہیں تاں بازی لے گئے کتے، تیتھوں اتے

بلھیا! اٹھ جا! اپنے یار کو منا لے ورنہ کتے تجھ سے بھی بازی لے گئے۔

سینہ بے کینہ کرنے کی فضیلت:

کتنی عجیب بات ہے کہ انسان کو دوسروں کی غلطیوں کا شک ہوتا ہے تو یہ اس سے نفرت شروع کر دیتا ہے اور اپنی غلطیوں کا، اپنے عیبوں کا یقین ہوتا ہے پھر بھی اپنے نفس سے محبت کرتا ہے۔

جب سارے ہی اچھے نظر آئیں گے تو کسی کے بارے میں دل میں کینہ ہوگا؟

بتائیے! اگر سارے ہی اپنے سے اچھے نظر آئیں تو دل میں کسی کے بارے میں کھوٹ ہوگا۔ اس کھوٹ کو کینہ کہتے ہیں۔ یہ کینہ دل سے اتر جائے گا۔ لہٰذا تصوف وسلوک کا مین اصول جو آج کی محفل میں سمجھانا ہے وہ کیا ہے؟

آئینِ ماست سینہ چوں آئینہ داشتن
کفر ست در طریقتِ ما کینہ داشتن

میرا آئین یہ ہے کہ سینہ آئینے کی طرح بن جائے اور طریقت میں سینے میں کینہ رکھنا تو حقیقت میں کفر رکھنے کی مانند ہوتا ہے۔

لہٰذا کسی آدمی کے دل میں کسی دوسرے کے بارے میں دل میں کینہ نہیں ہونا چاہیے۔ کسی کلمہ گو کے بارے میں دل میں کینہ نہیں ہونا چاہیے۔

کیا آج کی اس محفل میں ہم اپنی زبان سے یہ کہنے کو تیار ہیں کہ جس نے ظلم کیا، جس نے زیادتی کی، جس نے ہمارے ساتھ برائی کی، ہم نے سب کو معاف کر دیا' آج ہم اپنا دل صاف کر لیتے ہیں۔ بات سمجھ آ گئی کہ تمہید کیوں باندھی گئی تھی؟ یہ چھوٹی سی چیز نہیں ہے۔

تصوف کے سارے مقامات ایک طرف اور سینے کو کینے سے خالی کر لینا یہ ایک طرف ہے۔ اوپر سے لا الہ اندر سے کالی بلا۔ پھر اس ذکر کا کیا فائدہ؟ اللہ کے بندوں کو اللہ کے لیے معاف کر دو۔ کوئی زیادتی بھی کرے، کوئی برا سلوک بھی کرے، کوئی گالی بھی دے لے تو اسے اللہ رب العزت کے لیے معاف کر دو۔ پھر اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ ہر بندہ اپنے سے اچھا نظر آئے گا اور انسان اپنے آپ کو دوسروں سے کم تر سمجھے گا۔

نہ تھی جو اپنی برائیوں کی خبر، رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر
پڑی جو اپنی برائیوں پہ نظر، تو نگاہ میں کوئی برا نہ رہا

قرآن مجید میں ہمارا تذکرہ:

رمضان المبارک کی بات ہے کہ ایک مرتبہ یہ عاجز قرآن مجید کی تلاوت کر رہا تھا۔ بات تو لمبی ہے مگر اس کو مختصر کرتے ہیں۔ تو قرآن مجید کی ایک آیت سامنے آئی:

﴿لَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ كِتٰبًا فِیْهِ ذِكْرُكُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ (۱۰:الانبیاء)

اس آیت پر آ کر دماغ کی سوئی ذرا رک گئی کہ اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں: ''تحقیق ہم نے تمہارے اوپر یہ کتاب نازل فرمائی جس میں تمہارا ذکر ہے کیا تم عقل نہیں رکھتے''

تمہارے پاس عقل کی رتی نہیں ہے کہ ذرا سوچو سمجھو۔

تو ذہن میں ایک بات آئی کہ اس کا مطلب ذِکْرُکُمْ میں تو سارے ہی شامل ہیں یعنی میں اب پڑھ رہا ہوں تو میرا بھی اس میں ذکر ہے۔ اب ہر سالک کو وہ آیت ڈھونڈنی چاہیے کہ قرآن مجید کی کس آیت میں میرا تذکرہ ہے؟ ذرا اس نظر سے بھی ایک مرتبہ قرآن مجید پڑھ لیجیے گا تاکہ بات سمجھ میں آجائے کہ کس آیت میں میرا تذکرہ ہے۔ کوئی نہ کوئی آیت ہے ضرور جو حال کے بالکل مناسب ہوگی۔ اب ڈھونڈنا ہمارا کام ہے۔

اس پر جستجو ہوئی کہ ہمارا تذکرہ کہاں ہے؟ تو پھر قرآن مجید کو کئی مرتبہ پڑھا کہ کہیں کوئی آیت مل جائے چنانچہ مجھے اپنا چہرہ اس آیت کے اندر بالکل سو فیصد نظر آگیا۔ آپ بھی ڈھونڈ لیجیے گا۔ اس عاجز نے تو ڈھونڈ لی اور پھر فائدہ بھی بہت ہوا۔ اللہ تعالیٰ سب کے لیے آسانیاں فرمائے۔ قرآن مجید کی آیات پر غور کریں گے تو اللہ تعالیٰ ہمارے اوپر مہربانیاں فرمائیں گے۔ اس عاجز کی مثال تو بڑی واضح سی آیت تھی۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَىْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰهُ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ﴾ (النحل:۷۶)

اور اللہ تعالیٰ ایک مثال بیان کرتا ہے ایک غلام بندے کی جو کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا (مگر حال اس کا کیا؟) وہ اپنے مالک پر بوجھ بنا ہوا ہے۔ وہ اس کو جہاں کہیں بھیجتا ہے وہ کوئی بھلائی نہیں لاتا''

واقعی! آج ہم اپنے مالک پر بوجھ ہیں۔ اس کا دیا کھاتے ہیں اور جیسے بن کے رہنا چاہیے ہرگز ویسے نہیں رہتے اس لیے اللہ تعالیٰ نے نافرمان انسانوں اور نافرمان جنوں کو زمین کا بوجھ کہا ہے۔ فرمایا:

﴿سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَا الثَّقَلَانِ﴾ (الرحمٰن:۳۱)

"اے میری زمین کے بوجھو! ہم عنقریب اپنے آپ کو تمہارے لیے فارغ کر رہے ہیں"

ہم اللہ تعالیٰ کے لیے بوجھ ہیں۔ ہم دیکھ رہے ہیں اپنے کام' جدھر جاتے ہیں کیا نتیجہ ہوتا ہے ہماری محنتوں کا؟ کاش! اللہ رب العزت ہمیں اپنی اوقات پہچاننے کی توفیق عطا فرمائے۔

آج کی اس محفل میں دو باتیں بتانا مقصود تھا۔ ایک تو یہ کہ اگر ہمارے سینے میں کسی کے بارے میں کینہ ہے تو اس کو آج ختم کر کے سوئیں' اس محفل سے اٹھنے سے پہلے اپنے دل سے ہر ایک کے بارے میں کینہ نکال دیجیے۔ اور دوسری بات یہ کہ جب آئندہ قرآن مجید پڑھیں تو اس کی آیتوں کے آئینے میں اپنی تصویر ضرور دیکھا کریں۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ○

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ اُحِبُّکَ بِقَلْبِیْ کُلِّہٖ وَاُرْضِیْکَ بِجَھْدِیْ کُلِّہٖ۔

○

اے اللہ، مجھے ایسا بنا دے کہ اپنے سارے دِل کے ساتھ تجھ سے محبّت کروں، اور اپنی ساری کوششیں تجھے راضی کرنے میں لگا دوں۔

○

مکتبۃ الفقیر کی کتب ملنے کے مراکز

☆......معہد الفقیر الاسلامی ٹوبہ روڈ' بائی پاس جھنگ	047-7625454:
☆......دار المطالعہ نزد پرانی ٹینکی حاصل پور	062-2442059:
☆......ادارہ اسلامیات' 190 انارکلی لاہور	37353255
☆......مکتبہ مجددیہ' الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور	042-7231492
☆......مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور	042-722872:
☆......مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور	042-7224228
☆......مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان	061-4544965
☆......مکتبہ بیت العلم بنوری ٹاؤن کراچی	021-2018342
☆......مکتبۃ الشیخ 445/3 بہادر آباد کراچی	021-4935493
☆......دار الاشاعت اردو بازار کراچی	021-2213768:
☆......مکتبہ علمیہ' بنوری ٹاؤن کراچی	021-4918946
☆......مکتبہ حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد سرائے نورنگ	092-61350364
☆......حضرت مولانا قاسم منصور صاحب مسجد اسامہ بن زید' اسلام آباد	051-2288261
☆......جامعۃ الصالحات' پیرودھائی موڑ' پشاور روڈ راولپنڈی	051-5462347
☆......مکتبہ دار الاخلاص قصہ خوانی بازار پشاور	091-2567539:
☆......مکتبہ علمیہ جی ٹی روڈ اکوڑہ خٹک	092-3630594:

مکتبۃ الفقیر 223 سنت پورہ فیصل آباد